زاد الخطباء

www.KitaboSunnat.com

جلد 17

تالیف حافظ عبدالرحمن کشمیری

مسجد ام القریٰ بروکلین۔ نیویارک

زاد الخطباء
مسجد ام القریٰ
بروکلین۔ نیویارک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

- مقدمہ 7
- فکرِ آخرت حقیقت پسندی ہے........ 9
- فکرِ آخرت ضروری کیوں؟ 16
- فکرِ آخرت اور اخروی کامیابی........ 24
- فکرِ آخرت سے عمل کی توفیق ملتی ہے........ 32
- فکرِ آخرت، عقلمندی، دوراندیشی اور سنجیدگی کی علامت 42
- انسانی زندگی پر فکرِ آخرت کے اثرات 52
- فکرِ آخرت سے اعراض کا انجام گمراہی........ 61
- فکرِ آخرت سے انسان کو مقصدِ حیات کے سمجھنے اور ترجیحات کے تعین میں مدد ملتی ہے 70
- فکرِ آخرت سے بے فکر انسان اپنے لیے غلط ترجیحات متعین کر لیتا ہے........ 77
- آئیڈیل ازم ایک گمنام حقیقت 85
- آئیڈیل ازم اک فطری ضرورت 93
- آئیڈل ازم کے اصول وضوابط 102
- اسلام میں نظام کی پابندی کی اہمیت........ 110
- مواقعِ غنیمت کو غنیمت جانیں 120
- انسان کی اصل پہچان 129
- قدرِ خود بشناس........ 137

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- ماہ رمضان المبارک ایک قیمتی خزانہ 146
- رمضان المبارک کی ضرورت و اہمیت اور افادیت جاننا ضروری کیوں؟ 155
- دل نیکی کی طرف راغب کیوں نہیں ہوتا؟ 164
- ایمان اور عمل کا باہمی تعلق 175
- عیدالفطر 185
- شکر کیسے ادا کریں؟ 190
- شکر ایک اخلاقی، عقلی، فطری اور شرعی ضرورت 199
- باہمی تعاون میں شکر ایک ناگزیر ضرورت 209
- شکر معاشرتی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت 220
- احسان اور شکر خوشگوار معاشرے کی اساس 230
- صبر و شکر لوازماتِ زندگی ہے 239
- صبر ایک ضرورت 248
- صبر کا مفہوم اور اس کی اہمیت 257
- نظامِ زندگی میں صبر ایک ناگزیر ضرورت 266
- عیدالاضحیٰ 276
- قربانی تقرب الی اللہ کا ایک ذریعہ 280
- معاشرے پر قربانی کے اثرات 289
- نیکی کی حفاظت کیسے کریں؟ 298
- پریشانیوں کا ایک اہم سبب احساس محرومی 306
- زبان کی بے احتیاطی کا انجام 316
- اپنی زبان کے شر سے بچیں 326
- زبان کی بے احتیاطی کے نقصانات 337

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- اہمیت حفظِ لسان 347
- زبان کی بے احتیاطی کی شدتِ مضرت 356
- جہنم کی گرمی 365
- جہنم اور اس کے صفات و احوال 375
- مسائل کے حل کے لیے علماء کی طرف رجوع کی ضرورت 388
- فتنوں کو پہچانیں اور ان سے بچیں 398
- آزمائشوں سے کسی کو مفر نہیں 408
- دنیا کی زندگی سامانِ فریب کے سوا کچھ نہیں 417
- آج مسلمان بے توقیر کیوں ہیں؟ 425
- مسجد اقصیٰ اسلام کا ایک مرکز 433

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

اما بعد:

اس دنیا میں انسان کی آمدورفت اک حقیقت ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ آمدورفت بے مقصد و بے غرض نہیں ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر آمد کو رفتن یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد اپنی عبادت بیان فرمایا ہے، مگر انسان اپنی فطری کمزوریوں کے سبب، نفسِ امارہ سے مغلوب ہوکر اور اپنے ازلی دشمن شیطان کے بہکاوے میں آکر دنیا کی کشش میں کھوکر اور اس کی بھلیوں میں گم ہوکر معصیت و نافرمانی کرنے لگتا ہے، اپنے مقصدِ تخلیق سے ہٹ جاتا ہے اور اپنے رب کریم سے بے رخی اختیار کرلیتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے بڑا پیار ہے، وہ اسے بے راہ روی اور گمراہی سے بچانا چاہتا ہے اور جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کرنا چاہتا ہے، چنانچہ اس نے انسان کی ہدایت و رہنمائی کا پورا پورا انتظام فرمایا ہے۔ اس کی رہنمائی کے لیے اپنے سب سے برگزیدہ بندوں (انبیاء و رسل علیہم السلام) کو مبعوث فرمایا اور پھر ان کے بعد علمائے کرام کو ان کے مشن کے وارث بنا کر ہدایت و رہنمائی کا سلسلہ قیامت تک جاری وساری کردیا اور اس کام کو سب سے اچھا اور اس بات کو سب سے اچھی بات قرار دیا۔

اگرچہ دنیاوی امور میں بھی انسان کی ہمدردی اور خیرخواہی اور ان کو نفع پہنچانے کے کام کو بہت اچھا اور اجرِ عظیم والا کام قرار دیا ہے مگر آخرت کے معاملے میں انسان کی ہمدردی اور خیرخواہی ایسی خیرخواہی ہے کہ جس پر انسان کی حقیقی اور حتمی کامیابی کا انحصار ہے، لہٰذا اس سے بڑی ہمدردی کوئی نہیں ہوسکتی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے انسان کی حقیقی ہمدردی اور خیر خواہی اور رہنمائی کے حوالے سے جو انتظامات فرمائے ہیں، خطبۂ جمعۃ المبارک انہی انتظامات میں سے ایک نظم اور تدبیر ہے، خطبۂ جمعہ ایک خاص ماحول میں ایک خاص انداز کے ساتھ دیا جاتا ہے اور اس کا ایک خاص اثر ہوتا ہے، خطبۂ جمعہ کے کتابی شکل میں ہونے سے انفعال اور اثر پذیری کی وہ کیفیت تو نہیں ہوتی جو خطبۂ جمعہ کی ادائیگی کے وقت ہوتی ہے کیونکہ اس وقت اس ماحول کا بھی ایک اثر ہوتا ہے تاہم مسائل سے استفادے کے حوالے سے یقیناً اپنا ایک فائدہ اور اثر رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نیکی کے کاموں میں تا بہ مقدور فائدہ پہنچانے اور مستفید ہونے کی توفیق بخشے اور قبول فرمائے۔ آمین

خادم العلم والعلماء

حافظ عبد الرحمٰن کاشمیری

نیویارک

یکم جولائی 2021ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکرِ آخرت حقیقت پسندی ہے

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۗ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ ﴾ (فاطر : ٥)

دو جمعے قبل فکرِ آخرت پر بات ہو رہی تھی اور فکر آخرت پر بات کی ضرورت نہایت اشد ضرورت ہے جس کی اہمیت کو شاید اکثر لوگ نہ سمجھتے ہوں، تاہم فکر آخرت انسان کے مقصدِ حیات کا گویا خلاصہ ہے، یعنی انسان کو آخرت کی فکر اگر لاحق ہو تو اسے زندگی کا مقصد حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے اور اس کے لئے وہ راہ ہموار ہوتی ہے۔

فکر آخرت، یعنی آخرت کے بارے میں غور وفکر اور سوچ و بچار کرنا، اس کے خیال اور اندیشے میں محو ہونا اور اس کے لئے تدبیر کرنا ایک ایسا موضوع ہے جو انسان کی ہر قسم کی غفلت ونسیان، بے پرواہی اور بے راہ روی کو ختم کر کے اسے بیدار اور چوکنا کر دیتا ہے۔

فکر آخرت نہایت کمزور ایمانی حالت کے لئے، حتی کہ ایسی کمزور حالت ایمانی کے لئے کہ جو اپنی آخری سانسیں لے رہی ہو، ایسے ہے جیسے Sudden Cardiac Arrest کے لئے Electric Shock ہے۔

جہاں Sudden Cardiac Arrest کے مریض کے علاج کے تمام آپشنز ختم ہو جاتے ہیں وہاں بند ہوتی ہوئی حرکتِ قلب کو پھر سے حرکت میں لانے کے لئے Counter Shock دیا جاتا ہے۔

کچھ ایسے ہی آخرت کی فکر بھی انسان کی گرتی ہوئی ایمانی حالت کو تقویت اور سہارا دیتی ہے اور اسے پھر سے جادۂ طاعت پر گامزن کر دیتی ہے۔

آخرت کی فکر اور موت کا تذکرہ کسی بھی بھکے اور بھٹکے ہوئے انسان کو راہ راست پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لانے کے لئے ایک مؤثر ترین ذریعہ اور وسیلہ ہے اس لئے کہ یہ آخرت کی راہ میں حائل ہونے والے اسباب وحواجز کو دور کرتے ہیں۔

اس حقیقت سے سبھی آگاہ ہیں کہ انسان اپنے وقتِ ولادت سے لے کر پوری زندگی مسلسل اور بغیر کسی رکاوٹ کے سفرِ آخرت پر رواں دواں رہتا ہے۔ چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے، شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلسل چلا جا رہا ہے اور موت کے ساتھ یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے اور پھر آخرت کے مراحل شروع ہو جاتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ﴾ (الانشقاق: ٦)

”اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے، پس اس سے ملنے والا ہے۔“

اس سفر کے طے ہونے میں تو کوئی وقفہ، کوئی تعطل اور کوئی رکاوٹ نہیں آتی، البتہ راہِ راست پر چلتے ہوئے اسے بہت سی روکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جہاں مطلوب تو یہ ہے کہ انسان ان رکاوٹوں کو عبور کر کے اس جادۂ حق، صراط مستقیم اور راہ راست پر گامزن رہے، مگر اکثر و بیشتر وہ رکاوٹیں لوگوں کا رخ موڑ دیتی ہیں، اور وہ شاہراہ کو چھوڑ کر کسی پگڈنڈی میں اتر جاتے ہیں، کس راستے پر چل کر کوئی وہاں تک پہنچتا ہے؟ اس کا حساب کتاب یوم آخرت کو ہونا ہے اور اس پر جزا اور سزا ہونی ہے۔

دورانِ سفر میں جو رکاوٹیں انسان کو پیش آتی ہیں اُن کا احاطہ تو بہت مشکل ہے کیونکہ وہ ایک کثیر تعداد میں ہیں، اور جہاں رکاوٹیں مصائب و مشکلات کی صورت میں ہوتی ہیں وہاں نعمتوں کی شکل میں بھی ہوتی ہیں کہ نعمتیں بھی آزمائشیں اور رکاٹیں ہیں۔

تو اُن رکاٹوں کا نام، ان کی اقسام اور ان کی گنتی تو اگرچہ ممکن نہیں، لیکن اُن سب کو ایک نام ضرور دیا جا سکتا ہے اور وہ ہے دنیا کی لذتیں۔

آخرت کی فکر اور موت کی یاد اُن لذتوں کو چکنا چور کر دیتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے،

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ يَعْنِي الْمَوْتِ" (جامع ترمذی: ۲۳۰۷)

''لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔''

تو فکرِ آخرت اور ذکرِ موت نہایت ہی مفید اور ضروری ہے۔ فکرِ آخرت اور ذکر موت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ دنیا سے کنارہ کش ہو جائیں، اور اس کی قطعاً فکر نہ کریں، دنیا کی فکر ضرور کریں، مگر جتنی فکر دنیا کے لئے کرتے ہیں کم از کم اتنی فکر تو آخرت کے لئے بھی ہونی چاہیے، اگرچہ حقیقت پسندی اور عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت کی زیادہ فکر کی جائے، کیونکہ دنیا عارضی بھی ہے اور ادھوری بھی، جبکہ آخرت دائمی بھی ہے اور مکمل بھی۔

یعنی آخرت کی نعمتیں کامل اور مکمل اور دائمی ہیں اور دنیا کی نعمتیں ناقص اور ادھوری ہیں، اور پھر دنیا کی نعمتوں سے محرومی آخرت کی کامیابی پر ہرگز اثر انداز نہیں ہوتی، لیکن اگر آخرت کی فکر ترک کر دی جائے کہ جس کا مطلب آخرت کے لئے کوشش ترک کرنا ہے تو یہ طرزِ فکر اور اندازِ زندگی یقیناً آخرت کی کامیابی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اتنی آسان، عام فہم اور سادہ سی بات ہمیں کیوں سمجھ میں نہیں آتی، اس کے اسباب جاننے کی کوشش کریں تو ان میں سے ایک بڑا سبب دنیا کی کشش ہے، جو کہ ایک بہت بڑا دھوکہ ہے، دنیا کی کشش ایک بہت بڑی حقیقت ہے کوئی عقلمند انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا، دنیا کی کشش سے متعلق آیات و احادیث ہم کئی بار سن چکے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭ ﴾ (آل عمران: ۱۴)

'' لوگوں کے لئے مرغوباتِ نفس مزین کر دیئے گئے ہیں، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں، مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں، حقیقت میں جو بہتر ٹھکانہ ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ متاعِ دنیا جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے انسان کی فطری خواہشات ہیں، مگر اس پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور مزین کر دیا اور خوبصورت بنا دیا ہے، یعنی جو چیز پہلے سے انسان کے لئے پر کشش تھی اسے مزید پر کشش بنا دیا، گویا اس کی کشش کو چار چاند لگا دیئے گئے، تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس میں کس قدر شدید کشش ہو سکتی ہے۔

تو دنیا پر کشش ہے، اس کی ہر چیز پر کشش ہے، تمام نعمتیں پر کشش ہیں، اس شدتِ کشش کی بنا پر انسان بے ساختہ اس کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آزمائش اور امتحان کے لئے جہاں دنیا کو پر کشش بنایا ہے تو وہاں اس سے بچنے کے لئے اس کے نقصانات سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔

﴿ وَهَدَيْنَٰهُ ٱلنَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ ﴾ (البلد: ١٠)

''اور ہم نے دونوں نمایاں راستے اسے دکھا دیئے۔''

یعنی خیر اور شر کا راستہ بتا دیا۔ اور فرمایا:

﴿ إِنَّا خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَٰهُ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ﴿٢﴾ إِنَّا هَدَيْنَٰهُ ٱلسَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴿٣﴾ ﴾ (الدھر: ٢۔٣)

''ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں۔ اور اس غرض کے لئے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اسے راستہ دکھایا، خواہ شکر کرنے والا بنے، یا کفر کرنے والا۔''

یعنی ہم نے اسے سمع و بصر دے کر ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی مکمل راہنمائی بھی کی ہے، اسے شکر کا راستہ بتایا اور ناشکری اور کفر کے راستے سے بھی آگاہ کر دیا۔ اب اس کی مرضی ہے وہ جو بھی راستہ اختیار کرے۔

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَىٰهَا ﴿٨﴾ ﴾ (الشمس: ٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اس کا فجور اور تقویٰ دونوں اس پر الہام کر دیئے۔''

تو دنیا کو اللہ تعالیٰ نے امتحان کے لئے پر کشش بنایا ہے تو دوسری طرف اس کے نقصانات سے آگاہ بھی کر دیا ہے۔مگر کچھ قوتیں ایسی ہیں جو دنیا کو انسان کے لئے پر کشش بنا کر پیش کرتی ہیں مگر صحیح بات سے آگاہ نہیں کرتیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے دھوکے کے مترادف قرار دیا ہے۔

چنانچہ ان سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ ﴾ (فاطر: ٥)

''اے لوگو! یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے پس دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے، اور نہ وہ بڑا دھوکے باز یعنی شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے پائے۔''

دنیا کا دھوکہ یہ ہے کہ انسان اس کی کشش سے گھائل ہو کر سمجھ بیٹھے کہ سب کچھ یہی ہے اور اگر آخرت ہے بھی تو جیسے اس دنیا میں مزے کر رہا ہے ایسے ہی وہاں بھی مزے کرے گا۔

﴿ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ ﴾ (الکھف: ٣٦)

''تاہم اگر کبھی مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اِس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا۔''

اور شیطان بے شمار طریقوں سے انسان کو دھوکہ دیتا ہے، مگر اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے کا مطلب ہے کہ کچھ لوگوں کو تو کچھ یوں دھوکہ دے کہ اس کائنات کا کوئی خالق نہیں ہے، یہ دنیا خود بخود چل رہی ہے، اور کچھ لوگوں کو کچھ اس طرح دھوکہ دے کہ گناہ کی فکر نہ کرو، اللہ بڑا غفور و رحیم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کا غلط مفہوم پیش کر کے انہیں دھوکہ دے۔

دنیا کو انسان کے لئے مزین کرنے والی ایک قوت شیاطین الجن کے ساتھ ساتھ شیاطین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الانس بھی ہیں کچھ لوگوں پر بطور سزا ایسے لوگوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔

﴿وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾﴾ (فصلت : ۲۵)

''اور ہم نے ان پر ایسے ساتھی مسلط کر دیئے تھے جو انہیں آگے اور پیچھے ہر چیز خوشنما بنا کر دکھاتے تھے اور ان پر بات ثابت ہوگئی، ان قوموں کے ساتھ ساتھ جو جنوں اور انسانوں میں سے ان سے پہلے گزر چکی تھیں بے شک وہ خسارہ اٹھانے والے تھے۔''

اور یہ اللہ تعالیٰ کی مستقل سنت ہے کہ برے لوگوں کو، بری خواہشات رکھنے والے انسانوں کو کبھی اچھے ساتھی نہیں دلواتا، بلکہ ان کی اپنی خواہشات اور رجحانات کے مطابق انہیں برے ساتھی دیتا ہے۔

پھر جیسے جیسے وہ برائی کی پستیوں میں اترتے جاتے اور اس کی دلدل میں پھنستے جاتے ہیں اتنے ہی بدتر سے بدتر انسان اور شیاطین ان کے ہم نشین بنتے جاتے ہیں۔

تو یہ قانون فطرت ہے کہ برے لوگوں کو برے ساتھی ملتے ہیں اور جو برے لوگوں اور برے وزیروں اور مشیروں میں گھر جائے تو خیر کا کام کیسے کرسکتا ہے۔

کسی اچھے اور شریف انسان کے ساتھ اتفاقاً اگر کوئی برا ساتھی آ بھی جائے تو وہ زیادہ دیر تک اس کے ساتھ نہیں چل سکتا۔

دنیا بے شمار طریقوں سے انسان کو دھوکہ دیتی ہے، دنیا میں بے جان چیزوں کی کشش انسان کو اپنی طرف مائل تو کرتی ہے مگر اس کی جاندار چیزیں بالخصوص انسان زیادہ کشش اور اثر رکھتے ہیں۔

اور انسان میں نفس امارہ تو اسے بہت زیادہ برائی کی طرف مائل کرنے والا اور اس کا حکم دینے والا اور رغبت دلانے والا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب اس قدر کشش در کشش میں انسان گھرا ہوا ہو اور کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہو، تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ انسان کس قدر بڑی مصیبت اور آزمائش میں مبتلا ہے۔

دنیا کس طرح انسان کے لئے تباہی کا باعث بنتی ہے اور کیونکر اس سے بچا جا سکتا ہے، آئندہ خطبات میں یہ جاننے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ آپ نے دلائل کی روشنی میں جانا کہ انسان بری طرح دنیا کی کشش میں پھنسا ہوا ہے، مگر اس سے کس طرح نکلنا ہے کوئی بتلانے والا نہیں، ہماری طرف سے اس کے لئے کوشش نہیں، کس قدر بے بسی ہے، کس قدر ہماری حالت قابل رحم ہے، بس اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کے طلبگار ہیں۔ دنیا کے ساتھ انسان کو اس قدر شدید لگاؤ ہے کہ اسے کم کرنا آسان نہیں ہے، محض وعظ و نصیحت کافی نہیں اگر خود کوشش نہ کی جائے لہٰذا خود کوشش کرنا ہوگی اور اس کے لئے ہمیں اس بات کا اہتمام کرنا ہوگا کہ موت کو یاد کرنے کے مواقع تلاش کئے جائیں کہ موت ہی ایک ایسی حقیقت ہے کہ جب یہ آتی ہے بلکہ جب اس کے آثار آتے ہیں تو دنیا کی تمام نعمتیں، تمام کششیں، تمام رعنائیاں، تمام دھوکے دم توڑ جاتے ہیں، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے تمام سہارے ٹوٹ جاتے ہیں تمام خواہشات مرجھا جاتی اور ماند پڑ جاتی ہیں، تمام رابطے اور واسطے چکنا چور ہو جاتے ہیں، تمام سفارشیں اور تعلقات بے اثر ہو جاتے ہیں، تمام نعمتیں جو کہ انسان کو دھوکے میں مبتلا کرنے والی ہوتی ہیں بے معنی ہو جاتی ہے۔

موت کو یاد کرنے کا مطلب: قبر کے احوال، حشر اور نشر کے احوال، قیامت کے مناظر، میزان اور پل صراط پر پیشی اور اس طرح کے دیگر احوال و مناظر کو یاد کرنا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکرِ آخرت ضروری کیوں؟

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝ ﴾ (فاطر : ٥)

یومِ آخرت پر ایمان، ارکانِ ایمان میں سے ایک ہے، اور صحت ایمان کے لئے شرط لازم ہے، یوم آخرت کا انکار کفر اور سراسر گمراہی ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کو متعدد مقامات پر ایک ساتھ ذکر کیا ہے، اُن میں سے ایک یہ ہے:

﴿ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ ﴾ (النساء: ١٣٦)

’’جس نے اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روزِ آخرت سے کفر کیا، وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا۔‘‘

یومِ آخرت پر ایمان کا مطلب ہے کہ دل میں اس بات کا پختہ یقین کہ اللہ تعالیٰ نے موت سے متعلق، اس سے پہلے اور اُس کے بعد واقع ہونے والے احوال و واقعات کے بارے میں قرآن پاک میں، یا رسول کریم ﷺ نے احادیث مبارکہ جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ حق اور سچ ہے اور اس پر ایمان ہے اور اس میں علاماتِ قیامت، نزع کے وقت پیش آنے والے احوال، موت، فتنہ القبر ، عذابِ قبر، نعیم القبر ، صور پھونکا جانا، بعث بعد الموت، قیامت کے دن پیش آنے والے واقعات: حشر اور حساب کی تفصیلات، جنت اور اس کی نعمتیں اور اُن میں سے سب سے بڑی نعمت، اللہ تعالیٰ کا دیدار، جہنم اور اس کا عذاب اور اس کی سزاؤں میں سے سب سے بڑی سزا اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محرومی، یہ سب باتیں ایمان بالیوم الآخر میں شامل ہیں اور اس یقین، ایمان اور اعتقاد کے مطابق عمل کرنا آخرت پر ایمان کہلاتا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور یوم آخرت پر یقین اور ایمان جب کسی کے دل میں پختہ اور راسخ ہو جاتا ہے تو پھر اس کے ثمرات ظاہر ہوتے ہیں:

ان میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی سنجیدہ اور متوازن ہو جاتا ہے اور نہایت احتیاط سے اور پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے، اعمال صالحہ میں التزام، احتیاط، مداومت، مواظبت اور پابندی کرنے لگتا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝﴾

(الانعام: ۹۲)

"جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔"

یوم آخرت پر ایمان اور یقین کے فوائد وثمرات میں سے ایک فائدہ اور ثمرہ یہ ہے کہ آخرت کی فکر انہیں دامن گیر رہتی ہے اور وہ انہیں خواب غفلت میں کھونے نہیں دیتی، دنیا کی کشش انہیں اپنی طرف مائل نہیں کر پاتی، کیونکہ وہ آخرت کے ذکر اور فکر میں مشغول رہتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کا ذکر اور ان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝﴾ (ص: ٤٦)

"ہم نے انھیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔"

یعنی ان کی بزرگی اور ان کے امتیازی اعمال صالحہ کا سبب یہ تھا کہ فکر آخرت انہیں ان اعمال پر ابھارتی، جوش پیدا کرتی اور مائل کرتی تھی۔ تو فکرِ آخرت انسان کو بے راہ روی سے بچاتی ہے، اُس کی گفتگو، اس کے چال چلن، اس کے رہن سہن، اس کے لین دین اور اس کے تمام معاملات کو متوازن اور متناسق بنا دیتی ہے۔

اور فکرِ آخرت سے غفلت کو دنیا کی رعنائیوں میں کھو جانے کا سبب قرار دیا، چنانچہ سرزنش کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿إِلَّا قَلِيلٌ ﴾ (التوبۃ : ۳۸)

’’کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔‘‘

دنیا کی زندگی میں بار بار انسان کے سامنے ایسے حالات و واقعات پیش آتے ہیں جہاں انسان کو دنیا اور آخرت کے درمیان موازنہ کرنا پڑتا ہے، دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا پڑتا ہے، تو جن کے دل فکرِ آخرت سے خالی ہوتے ہیں وہ دنیا کی طرف لپکتے اور اسے آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔

اور جن کے دل فکرِ آخرت سے معمور ہوتے ہیں، تو ان کے نزدیک دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت آخرت کے مقابلے میں ہیچ اور بے حیثیت ہوتی ہے۔

گذشتہ خطبات میں فکرِ آخرت کی ضرورت واہمیت پر بات ہو رہی تھی، قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم نے اس کی ضرورت واہمیت کو جانا اور سمجھا، اور بنیادی طور پر ہر مسلمان اس کی ضرورت کو سمجھتا ہے، کیونکہ یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ دنیا کی طرف کیوں کھچا چلا جاتا ہے، اس کے بھی بعض اسباب کا ذکر ہوا، جس کا خلاصہ ہے کششِ دنیا۔

دنیا کی کشش کتنی شدید ہے یہ بھی گذشتہ جمعے ہم نے جاننے کی کوشش کی، اب جاننا یہ ہے کہ اس کشش سے کس طرح بچا جاسکتا ہے۔

اس کا ایک حل اور سب سے بڑا حل تو یہ ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا جائے، جیسا کہ گذشتہ جمعے ذکر ہوا۔

اور اس ضمن میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ دنیا کی اور شیطان کی چالوں کو سمجھا جائے، کیونکہ یہی دو چیزیں فکرِ آخرت کی راہ میں حائل ہوتی ہیں، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴾ (فاطر:۵)

’’لوگو! اللہ کا وعدہ یقیناً برحق ہے، (یعنی وعدۂ آخرت) لہٰذا دنیا کی زندگی تمہیں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ وہ بڑا دھوکے باز (یعنی شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے پائے۔''

دنیا کی کشش محسوس نہ کرنا مطلوب ہے اور نہ یہ ممکن ہے اور نہ یہ نیکی ہے اور نہ یہ خوبی ہے۔ بلکہ دنیا کی کشش کے حوالے سے مطلوب یہ ہے کہ جائز حد تک اس سے ضرور لطف اندوز ہوں، مگر حد سے تجاوز نہ کریں، دنیا میں سرتاپا کھو نہ جائیں۔ چنانچہ اس کے لئے دنیا کی حقیقت اور اس کی حیثیت کو سامنے رکھنا ہوگا، اسے سمجھنا ہوگا۔

قرآن وحدیث میں خوب دنیا کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے اور مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے۔ دنیا کی زندگی کو متاع الغرور کہا گیا ہے، یعنی دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے، کیوں کہ انسان اس سے دھوکہ کھا جاتا ہے۔

دنیا کی حقیقت اور اس کی حیثیت کو مثال کے ذریعے کس طرح واضح کیا ہے، فرمایا:

﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰ ﴾ (الحدید: ۲۰)

''خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل تماشا اور زیب وزینت اور رونق ہے اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی ہو تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہوگئے۔ پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی، پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے اور آخرت میں بہت سخت عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے بڑی بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی بس اتنی سی دنیا کی حقیقت ہے، گویا کہ سمجھایا یہ جارہا ہے کہ یہاں یوں تو دل کے بہلانے کے سامان بہت ہیں، مگر یہاں کی ہر چیز عارضی ہے، یہاں لہلہاتی کھیتی ہے، یہاں بہار ہے، خزاں ہے اور دل کو خوش کرنے کے سامان بہت ہیں مگر عارضی اور ادھورے اور حقیر اور آخرت کے مقابلے بہت ہی کم۔

جو اس دنیا کو اپنی منزل سمجھ بیٹھتا ہے، جو اس دنیا کی زینت کو اس کی حیثیت سے زیادہ اہمیت دیتا ہے وہ دھوکے میں مبتلا ہے۔ دنیا کی حقیقت اور حیثیت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ﴾ (الحدید: ۲۰)

"جبکہ آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔"

اب فیصلہ عقلمند انسان نے کرنا ہے، کہ اس چند روزہ زندگی کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں اور قوتیں صرف کرنی ہیں یا آخرت کے روز عذابِ شدید سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت حاصل کرنے کی فکر کرنی ہے۔

حدیث میں اس دنیا کی رونق اور زینت کو ایک دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ" دنیا میٹھی اور سرسبز ہے۔

دنیا کی زینت اور کشش کو دو چیزوں سے تشبیہ دی، میٹھی اور سرسبز، چکھنے میں میٹھی، مزے دار، اور دیکھنے میں سرسبز و شاداب۔

اور انسانی فطرت یہ ہے کہ اگر کوئی چیز دیکھنے میں بھلی اور پرکشش لگے تو انسان اس کی خواہش کرنے لگتا ہے۔ اور جب کوئی چیز کھانے میں لذیذ ہو، دیکھنے میں پرکشش ہو، تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کی خواہش کس قدر شدید ہوگی۔

پھر آپ جانتے ہیں کہ آدمی مقدور بھر اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے اور کچھ لوگ اس کے حصول کے لئے حدیں پار کر جاتے ہیں اور وہ جائز اور ناجائز کی پرواہ نہیں کرتے، یہی وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نقطہ ہے جہاں انسان کو ٹھہرنا ہے، یہی مقام غور ہے، اس کے حصول کی کوشش کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے۔

" وَإِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا ، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ "

"اللہ تعالیٰ تمہیں یکے بعد دیگرے اس میں آزماتا چلا جائے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو!

لہٰذا فرمایا:

" فَاتَّقُوْا الدُّنْيَا وَاتَّقُوْا النِّسَاءَ " (صحيح مسلم: ٢٧٤٢)

"دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو۔"

عورتیں بھی دنیا میں شامل ہیں، مگر ان کا بالخصوص الگ سے ذکر فرمایا، اس کی اہمیت کے پیش نظر۔

دنیا کی کشش کے حوالے سے ایک اور حدیث ملاحظہ کرتے ہیں:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ أَكْثَرَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مَا يُخْرِجُ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ))

فرمایا: "میں تمھارے متعلق جس چیز سے زیادہ ڈرتا ہوں جو زمین کی برکتیں اللہ تعالیٰ تمھارے لیے نکال دے گا۔"

((قِيلَ وَمَا بَرَكَاتُ الْأَرْضِ))

عرض کیا گیا: زمین کی برکتیں کیا ہیں؟

((قَالَ : زَهْرَةُ الدُّنْيَا))

فرمایا: دنیا کی چمک دمک اور زینت۔

((فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ هَلْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ))

تو ایک شخص نے عرض کیا: کیا خیر سے شر برآمد ہوتا ہے؟

((فَصَمَتَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ))

تو نبی کریم ﷺ خاموش ہو گئے، یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر وحی نازل ہورہی ہے۔

((ثُمَّ جَعَلَ يَمْسَحُ عَنْ جَبِيْنِهِ ، فَقَالَ : أَيْنَ السَّائِلُ؟))

پھر اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگے، پھر فرمایا: سوال کرنے والا کہاں ہے؟

((قَالَ : أَنَا))

تو اس نے کہا: میں ہوں۔

((قَالَ اَبُوْسَعِيْدٍ : لَقَدْ حَمِدْنَاهُ حِيْنَ طَلَعَ ذَلِكَ))

ابوسعید کہتے ہیں: جب یہ بات نکلی تو ہم نے اس شخص کی تعریف کی۔

یعنی پہلے تو ہم سمجھے کہ اس شخص نے اپنے اس سوال سے آپ ﷺ کو گویا کہ ناراض کر دیا ہے، مگر آپ ﷺ کا جواب سن کر ہمیں خوشی ہوئی، اور وہ جواب یہ تھا:

((قَالَ : لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ))

فرمایا: خیر سے خیر ہی پیدا ہوتا ہے۔

البتہ دنیا کے حصول میں جس احتیاط کی ضرورت ہے اس کی وضاحت یوں فرمائی:

((إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ))

فرمایا: یہ مال، سرسبز وشاداب اور شیریں ہے۔

((وَإِنَّ كُلَّ مَاأَنْبَتَ الرَّبِيْعُ يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْيُلِمُّ إِلَّا آكِلَةَ الْخَضِرَةِ أَكَلَتْ حَتَّى إِمْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اِسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ فَاجْتَرَّتْ وَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَأَكَلَتْ))

بہار جو کچھ اُگاتی ہے وہ ہلاک کر دیتی ہے یا ہلاکت کے قریب کر دیتی ہے، سوائے اس جانور کے جو اس طرح کھاتا ہے کہ جب اس کی کوکھ بھر جاتی ہے تو سورج کی طرف منہ کر کے جگالی کرتا ہے، لید اور بول کرتا ہے، پھر اس کے بعد آتا ہے اور کھاتا ہے، یعنی پہلے کھایا ہوا ہضم کرتا ہے اور پھر اس کے بعد کھاتا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَإِنَّ هَـذَا الْـمَـالَ حُلْوَةٌ مَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ بِحَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَةُ هُوَ))

اور یہ مال بڑا میٹھا ہے، جس کسی نے اسے جائز اور حلال طریقے سے حاصل کیا اور جائز اور حلال جگہوں پر خرچ کیا، تو وہ تو بہترین امداد اور اعانت ہے۔

((وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ))

(صحیح بخاری : ٦٤٢٧)

''اور جس نے اسے ناجائز طریقے سے حاصل کیا، تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔''

اور جو آدمی کھاتا چلا جائے اور سیر نہ ہو، اس کا انجام کیا ہوسکتا ہے، وہ آپ کو اندازہ ہی ہوگا، اور وہ اس حدیث میں بیان کردیا گیا ہے کہ:

((إِنَّ كُلَّ مَاأَنْبَتَ الرَّبِيْعُ يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْ يُلِمُّ))

کہ بہار جو کچھ اُگاتی ہے یا تو پیٹ پھلا کر ہلاک کر دیتی ہے یا ہلاکت کے قریب کر دیتی ہے، اور ایسے واقعات تو تاریخ میں موجود ہیں کہ زیادہ کھانے سے کسی کی موت واقع ہو گئی ہو چاہے بے خیالی سے اور غیر ارادی طور پر ہو۔ اور ویسے بھی اگر غور کریں تو آدمی کا معدہ اصل میں تو اس کی مٹھی کے برابر ہوتا ہے، اور اس کے پھیلاؤ کی بھی یقیناً ایک حد ہوتی ہے ،اس کے بعد وہ پھٹ جائے گا۔

لہٰذا جس طرح کھانے کی ہوس کو معدے کے پھیلاؤ کی حد تک کم ازکم محدود کرنا ضروری ہے، اسی طرح دنیا کے حصول کی حرص کو جائز طریقے سے کمانے اور جائز کاموں میں خرچ کرنے کی دوحدوں میں محدود کرنا ضروری ہے۔ ورنہ نقصان یقینی ہے۔ ان حدود کو تجاوز کرنے سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکرِ آخرت اور اخروی کامیابی

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝ ﴾ (فاطر : ۵)

گذشتہ خطبات میں فکر آخرت کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے، کیونکہ فکر آخرت اخروی کامیابی کے لیے جو کہ حقیقی کامیابی ہے، ضروری ہے۔

اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ کسی چیز کی فکر ہی انسان کو اس کے حصول کی کوشش کے لئے آمادہ کرتی ہے، جب کہ بے فکر انسان جامد اور غیر متحرک ہوتا ہے، وہ اگر کچھ کرتا بھی ہے تو بے مقصد، بے حکمت اور بغیر کسی ہدف اور منزل کے، اس کی حرکات وسکنات خواہشاتِ نفس کے تابع ہوتی ہیں۔

اور کسی چیز کی فکر نہ ہونا یا تو لاعلمی اور بے خبری کی بنا پر ہوتا ہے، یا بے حسی کی بناء پر یا عدمِ ضرورت کے سبب یا لاابالی پن اور بے پروائی کی وجہ سے۔

تو ہم فکر آخرت کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش میں کتنے کامیاب ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بعد ہر انسان اپنے بارے میں بہتر اندازہ کرسکتا ہے، لیکن مجموعی طور پر بظاہر یہ لگتا ہے کہ ہمیں بات سمجھ میں نہیں آئی، کیونکہ اگر بات سمجھ میں آجائے تو کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور نظر آتی ہے، مگر ہمارے طرزِ زندگی میں کوئی محسوس اور قابلِ التفات تبدیلی دکھائی نہیں دی۔

اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ میرا احساس اور گمان ہے کہ فکر آخرت کی بات سمجھ نہیں آئی تو میرے اس احساس اور گمان میں بھی حسن ظن ہے، کیونکہ اگر میں یہ سمجھوں کہ بات سمجھ میں آگئی ہے مگر اس کے باوجود اُس کے مطابق عمل نہیں کر رہے تو یہ اک نہایت ہی سنگین اور خطرناک صورت حال کی علامت ہوگی، اس کے برعکس اگر میں یہ کہوں کہ ہمارے طرزِ عمل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں کوئی مثبت تبدیلی رونما نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں سرے سے بات ہی سمجھ میں نہیں آئی تو یہ بات قدرے بہتر ہوگی، کیونکہ اس کا مطلب ہوگا کہ یہ میری کم مائیگی اور بے بضاعتی اور بے ڈھب اور بے اثر انداز بیان کی وجہ سے ہے کہ میں ٹھیک طرح سے بات سمجھا نہیں پایا۔

ورنہ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ آخرت کی حقیقت سمجھ آجانے کے باوجود دل اُس طرف مائل نہیں ہوتا اور عمل کی توفیق نہیں ہوتی، تو یہ ایک انتہائی خطرناک بات ہوگی۔

اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے محروم کرکے انسان کو خود اس کے حوالے کردیا ہے اور یہ بہت بڑی بدنصیبی ہوگی کہ کوئی توفیق سے محروم کردیا جائے۔

اور توفیق بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد اور اعانت ہوتی ہے، توفیق اس کے معاملات کو سنوارنا، آسان کرنا اور اس کے لیے مددگار اسباب مہیا کرنا ہے، انسان کے اپنے بس میں تو کچھ نہیں ہے، وہ محض اپنی قوت و طاقت اور اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر کچھ کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہو۔

اور حدیث میں سکھلائی گئی ایک دعا کے الفاظ اس بات کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں جسے آپ ﷺ نے ((کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّةِ)) بتلایا ہے کہ وہ الفاظ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہیں اور وہ ہیں ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ'' کہ ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنے کی کوئی استطاعت ہے اور نہ قوت مگر اللہ کے ساتھ۔''

گناہ اور معصیت کی حالت سے، نیکی اور اطاعت وفرمانبرداری کی حالت میں بدلنے کی کوئی ہمت وسکت ہے اور نہ قوت و طاقت مگر اللہ کے ساتھ، غربت و افلاس اور فقروفاقہ سے، غنی اور تونگری کی حالت میں تبدیلی کی کوئی طاقت ہے اور نہ قوت، مگر اللہ کے ساتھ۔ ذلت ورسوائی کی حالت سے، عزت وعظمت میں بدلنے کی کوئی استطاعت ہے اور نہ قوت، مگر اللہ کے ساتھ۔ غرضیکہ کسی بھی ایک حسی یا معنوی حالت سے دوسری حالت میں اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق کے بغیر ہرگز ہرگز بدلا نہیں جاسکتا، اور جب کوئی توفیق سے محروم کردیا جائے تو آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوسکتا ہے۔ اور تب انسان کی یہ حالت نہایت ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قابل رحم ہوگی، کیونکہ اس کی یہ حالت اس وقت دو چند سنگین ہوجاتی ہے۔ جب ایک طرف توفیق سے محروم کردیا جاتا ہے اور دوسری طرف اسے اس کے نفس کے حوالے کردیا جاتا ہے اور انسان کا نفس اسے کس طرف لے کر جاتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کررکھا ہے کہ:

﴿ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌۢ بِالسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيٓ ﴾ (یوسف:۵۳)

"نفس یقیناً بدی پر اکساتا ہے، الا یہ کہ کسی پر میرے رب کا رحم ہوجائے۔"

تو جس پر سے اللہ تعالیٰ اپنی توفیق کا ہاتھ اٹھالے اور اسے اس کے نفس کے حوالے کردے، اس کی بدبختی اور بدنصیبی میں کیا شک رہ جاتا ہے۔

لہٰذا ایک طرف اللہ تعالیٰ کی توفیق کی طلب اور اس کا اقرار واعتراف اور اللہ پر بھروسہ ہونا چاہیے، جیسا کہ شعیب علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ ایک مکالمے میں اللہ تعالیٰ کی توفیق کا اعتراف اور اس پر بھروسے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾ ﴾ (ھود:۸۸)

"میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور ہر معاملے میں اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

تو ایک طرف اللہ کی توفیق کی تمنا اور دوسری طرف اپنے نفس کے حوالے نہ کئے جانے کی اللہ کے حضور درخواست جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا سکھلائی ہے:

"اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ"

"اے اللہ! میں تیری رحمت کی امید کرتا ہوں، مجھے آنکھ کے جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اور میرے تمام معاملات خود ہی سنوار دینا، تیرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔'' (سنن ابی داؤد: ۵۰۹۰)

اور پھر یہیں بس نہیں ہوتی، بلکہ جب انسان اللہ کی توفیق سے محروم کردیا جاتا ہے اور اپنے نفس کے حوالے کردیا جاتا ہے تو پھر مصیبتوں، پریشانیوں، الجھنوں، آزمائشوں اور بدنصیبیوں کی دلدل میں پھنستا ہی چلا جاتا ہے۔

شیطان جو پہلے سے ہی انسان کا سخت ترین دشمن ہے، اسے مزید مسلط کردیا جاتا ہے، انسان کی غفلت کی پاداش میں۔ جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝۳۶﴾

(الزخرف : ٣٦)

'' جو شخص رحمان کے ذکر سے تغافل برتتا ہے، ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں اور وہ اس کا رفیق بن جاتا ہے۔''

﴿وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۷﴾

(الزخرف : ٣٧)

'' وہ شیاطین ایسے لوگوں کو راہِ راست پر آنے سے روکتے ہیں، اور وہ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک جارہے ہیں۔''

شیطان کی فریب کاریوں میں پھنسے ہوئے ہونے کے باوجود اپنے تئیں سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ ٹھیک جارہے ہیں۔ اور آپ نے کبھی ملاحظہ کیا ہوگا کہ نفلی نیکیوں کی توفیق حاصل ہونا تو دور کی بات، بعض لوگ فرائض کو نظر انداز کرکے بھی اپنے آپ کو راہِ راست پر سمجھ رہے ہوتے ہیں۔

نماز روزے کی بات کی جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب مولویوں کا بنایا ہوا دین ہے، اصل دین یہ ہے کہ لوگوں کو دھوکہ نہ دو، کسی سے ظلم و زیادتی نہ کرو، انسانیت کی خدمت کرو وغیرہ۔

چند نیکیوں کا ذکر کرکے کہ جن پر وہ پورا بھی نہیں اترتے، اپنے آپ کو راہِ راست پر سمجھ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

لیتے ہیں، جبکہ حقیقت میں وہ پوری طرح شیطان کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔

بات پھر وہیں پہ آتی ہے کہ ہماری ان تمام تر کوتاہیوں کی وجہ دین سے دوری اور آخرت کی حقیقت سمجھ نہ آنا ہے کہ ہم دنیا کی کشش اور اس کی رعنائیوں میں کھوئے ہوئے ہیں اور بری طرح اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بڑی سے بڑی مصیبت اور آزمائش بھی ہمیں دین کی طرف پلٹنے میں مدد نہیں دیتی، کیونکہ ہم اُس کا کوئی نہ کوئی حسی سبب قرار دے دیتے ہیں۔

کوئی فوت ہو جائے تو بھی آخرت کی طرف ذہن نہیں جاتا بلکہ اس کی موت کے اسباب پر گفتگو کرنے لگتے ہیں، گویا کہ ہمارے طرز زندگی میں آخرت نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آخرت کی حقیقت سمجھ میں آجائے، جس طرح کہ اس کے سمجھنے کا حق ہے اور اس پر پختہ یقین اور ایمان حاصل ہو جائے، صرف علم نہیں، کیونکہ یقین اور ایمان کے بغیر علم نہ صرف یہ کہ فائدہ نہیں دیتا، بلکہ نقصان ضرور دیتا ہے۔

تو اگر آخرت کی حقیقت سمجھ میں آجائے تو یقیناً آدمی کے طرز عمل میں تبدیلی آتی ہے اور خوب سے خوب تر کی طرف تبدیلی کا یہ سفر جاری رہتا ہے۔

آیئے ذرا غور کرتے ہیں کہ جنہیں آخرت کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے اور جو اس پر پختہ یقین رکھتے ہیں ان کے رویوں اور طرز زندگی میں کیا تبدیلی آتی ہے اور اُن کے شب و روز کیسے گزرتے ہیں؟

آخرت پر ایمان اور یقین کی ضرورت و اہمیت اور تاکید و ترغیب قرآن و حدیث میں بہت زیادہ بیان کی گئی ہے۔

جیسا کہ آخرت پر یقین رکھنے والوں کا ایک جگہ ذکر یوں فرمایا:

﴿وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۟ؕ﴾ (البقرہ: ٤)

''اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ (ﷺ) کی طرف اتارا گیا اور جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے اُتارا گیا۔ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں“

پھر ایسے لوگوں کا مختلف ناموں اور مختلف صفات کے ساتھ ذکر کیا گیا، جیسا کہ فرمایا:

﴿ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (البقرہ : ۵)

”ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

انہی لوگوں کو مؤمنوں کے نام سے بھی یاد کیا۔

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ ﴾

(المؤمنون : ۲۔۱)

”یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔“

انہیں عباد الرحمٰن بھی کہا:

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۝ ﴾ (الفرقان: ٦٣ تا ٦٦)

”رحمٰن کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جب جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں: تم کو سلام ہو۔ جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔ جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب جہنم کے عذاب سے ہم کو بچالے، اس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے وہ تو بڑا ہی برا مستقر اور مقام ہے۔“

اسی طرح قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اہل ایمان کی صفات اور طرز عمل بیان کیا گیا ہے، جن میں سے ایک یہ ہے:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿١٦﴾﴾ (السجدہ: ١٦)

''ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں۔''

سوال یہ ہے کہ یہ اور اس طرح کی اہل ایمان کی جو دیگر صفات بیان ہوئی ہیں، جن میں راتوں کو ان کا بے قرار رہنا اور سجود و قیام میں راتیں گزارنا، کیا آخرت کی حقیقت کو سمجھے بغیر تھا؟

یقیناً نہیں! بلکہ یہ ان کی آخرت کی حقیقت کی گہری سمجھ رکھنے کی علامت ہے۔ آخرت کی حقیقت کو سمجھنے سے آدمی کی زندگی میں کیا انقلاب پیدا ہوتا ہے اور کس طرح بے چین و بے قرار ہوجاتا ہے، اس کے شب و روز کیسے گزرتے ہیں، آپ نے جان لیا۔

اب ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں کہ کیا ہمیں بھی آخرت کی سمجھ آئی ہے؟

یہ حقیقت اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ آخرت کی سمجھ کا انسان کے طرز زندگی میں تبدیلی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے، یعنی ایسی تبدیلی جو آخرت کے تقاضوں کے مطابق ہو، اور وہ ہے عملِ صالح کی جانب پیش رفت، اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کا فضلِ خاص ہے جسے نصیب ہوجائے، چنانچہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا إِسْتَعْمَلَهُ))

''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کام لیتا ہے۔''

((فَقِيْلَ : كَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! ؟))

عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اور اللہ تعالیٰ کیسے کام لیتا ہے؟

((قَالَ : يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ)) (ترمذي : ٢١٤٢)

فرمایا: اسے موت سے پہلے عمل صالح کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اور یہ سراسر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی عنایت ہے وہ جسے چاہے عطا کر دے، یہ اس کی تقسیم ہے، وہ جسے چاہے، جو چاہے، جتنا چاہے عطا کر دے، جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ ، كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ))

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق تقسیم کر دیے ہیں، جس طرح تمہارے درمیان تمہارے ارزاق تقسیم کر رکھے ہیں۔''

((وَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يُعْطِي الْمَالَ مَنْ أَحَبَّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ ، وَلَا يُعْطِي الْإِيْمَانَ إِلَّا مَنْ يُحِبُّ)) (الأدب المفرد : ٢٧٥)

''اور بے شک اللہ تعالیٰ مال دیتا ہے جسے پسند کرتا ہے یا نہیں پسند کرتا، اور ایمان صرف اس کو دیتا ہے جسے پسند کرتا ہے۔''

یاد رہے کہ یہاں اخلاق سے مراد صرف حسن تکلم ہی نہیں، بلکہ پورا طرز زندگی ہے اس میں عبادات بھی ہیں اور معاملات بھی ہیں، لہٰذا اپنے اپنے نصیب پر نظر ڈالو کہ اخلاق بھی ہمارے نصیب میں آئے ہیں کہ نہیں، اور اگر نہیں! تو پھر یقیناً فکر مند ہونے کی ضرورت ہے، اور اس کے لیے ایسی ہی بھرپور کوشش کی ضرورت ہے جس طرح ہم دنیا کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکرِ آخرت سے عمل کی توفیق ملتی ہے

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ﴾ (فاطر : ۵)

آخرت کے لئے انسان کو کیوں فکر مند ہونا چاہیے، کتنا فکر مند ہونا چاہیے اور کیسے فکر مند ہونا چاہیے، گذشتہ خطبات میں ہم نے اس سے متعلق کچھ جاننے کی کوشش کی تھی۔

فکرآخرت کی ضرورت واہمیت جاننے اور سمجھنے کے باوجود انسان کا دل اس طرف کیوں مائل نہیں ہوتا اور کیوں وہ اس پر عمل درآمد کے لئے آمادہ نہیں ہوتا، اس کے اسباب کا بھی ذکر ہوا، مگر فکر آخرت کی حقیقت اور اس کی ضرورت واہمیت کے بارے میں کچھ مزید گفتگو کی ضرورت ہے تا کہ بات دل میں پختہ اور راسخ ہوجائے، کیونکہ جس قدر اس کی حقیقت کا فہم و ادراک حاصل ہوگا اور جس قدر یقین پختہ ہوگا اسی قدر اس کے مطابق عمل کی رغبت اور آمادگی پیدا ہوگی اور اسی قدر آدمی اس مسئلے کو سنجیدہ لے گا اور اسی قدر ذمہ داری، پابندی اور ذوق و شوق سے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے گا۔

تو آیئے فکر آخرت کے حوالے سے چند مزید بنیادی باتیں جانتے ہیں، گذشتہ جمعے آخرت کی حقیقت سمجھ آجانے کے بعد اس سے اعراض کرنے، اسے نظرانداز کرنے اور پس پشت ڈالنے کا طرزعمل قرآن وحدیث کی روشنی میں نہایت خطرناک اور سنگین عمل معلوم ہوا، آج اس بات کو ایک دوسرے پہلو سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس عقیدے پر ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دنیا وآخرت میں عدل کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں اور ذرہ برابر کسی پر ظلم نہیں کرتے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کے عدل ہی کا مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درمیان فیصلے کرتے ہوئے اُن پر حجت تمام کئے بغیر انہیں سزا کا مستحق نہیں ٹھہرائیں گے۔

اور حجت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس انبیاء ورسل علیہم السلام کو اپنا پیغام دے کر بھیجتا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵)

''اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں، جب تک کہ ایک رسول نہ بھیج دیں۔''

اور فرمایا:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۶۵﴾ (النساء: ۱٦٥)

''خوشخبریاں دینے والے اور ڈرانے والے رسول بنا کر بھیجے تاکہ اُن کے مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہرحال غالب رہنے والا اور حکیم ودانا ہے۔''

چنانچہ جب تک کسی پر اللہ کی طرف سے حجت قائم نہ ہوجائے، اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہیں دیتے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ چار قسم کے لوگ ایسے ہیں جو قیامت کے دن اللہ کے حضور حجت قائم نہ ہونے کا عذر پیش کریں گے اور اللہ سے بڑھ کر بھلا عذر کس کو پسند ہوسکتا ہے؟ حدیث میں ہے:

''وَلَا اَحَدَ اَحَبُّ اِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ''

''اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو عذر پسند نہیں ہے۔''

''وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ بَعَثَ الْمُبَشِّرِيْنَ وَالْمُنْذِرِيْنَ''

(صحیح البخاری: ٧٤١٦)

اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خوشخبریاں دینے والے اور ڈرانے والے بھیجے ہیں۔''

تو چار قسم کے لوگ قیامت کے دن اپنا اپنا عذر پیش کریں گے، حدیث میں ہے:

((أَرْبَعَةٌ يَحْتَجُّوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)):

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

''چار قسم کے لوگ قیامت کے دن اپنا عذر پیش کریں گے۔''

((رَجُلٌ اَصَمُّ لا یَسْمعُ شَیْئاً))

ایک بہرا آدمی جو کچھ نہیں سن سکتا

((وَرَجُلٌ اَحْمَق))

اور ایک پاگل شخص

((وَرَجُلٌ هَرِمٌ))

اور ایک بوڑھا اور عمر رسیدہ آدمی

((وَرَجُلٌ مَاتَ فِیْ فَتْرَةٍ))

''اور ایک وہ شخص جو وقفے کے زمانے میں فوت ہوا'' یعنی رسولوں کی بعثت کے درمیانی عرصے میں۔

جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ہزار سال، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان بھی تقریباً ہزار سال، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان پندرہ سو سال کا وقفہ اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے۔

((فَاَمَّا الْاَصَمُّ فَیَقُوْلُ: رَبِّ لَقَدْ جَاءَ الْاِسْلَامُ وَمَا اَسْمَعُ شَیْئاً .))

''بہرا کہے گا: اے میرے رب! اسلام آیا اور میں تو کچھ سن ہی نہیں سکتا تھا۔''

((وَاَمَّا الْاَحْمَقُ فَیَقُوْلُ: رَبِّ! لَقَدْجَاءَ الْاِسْلَامُ وَالصِّبْیَانُ یَخْذِفُوْنِي بِالبَعْرِ .))

''پاگل کہے گا: اے میرے رب! اسلام آیا مگر میں تو پاگل تھا کہ بچے مجھے مینگنیاں مارا کرتے تھے۔''

((وَاَمَّا الهَرِمُ فَیَقُوْلُ: رَبِّ! لَقَدْجَاءَ الْاِسْلَامُ وَمَا اَعْقِلُ شَیْئاً .))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''بوڑھا کہے گا: اے میرے رب! اسلام آیا اور میں تو بڑھاپے کی وجہ سے کوئی سمجھ بوجھ ہی نہیں رکھتا تھا، یعنی خیر اور شر میں تمیز نہیں کرسکتا تھا۔''

((وَاَمَّا الَّذِیْ مَاتَ فِی الْفَتْرَۃِ فَیَقُوْلُ: رَبِّ! مَا اَتَانِیْ لَكَ رَسُوْلٌ .))

''اور وہ شخص جو رسولوں کی بعثت کے درمیانی وقفے میں فوت ہوا ہوگا وہ کہے گا: اے میرے رب! میرے پاس تو تیرا کوئی رسول ہی نہیں آیا۔''

((فَیَأْخُذُ مَوَاثِیْقَهُمْ لَیُطِیْعُنَّهُ .))

اللہ تعالیٰ اُن سے عہد لے گا کہ وہ اُس کی اطاعت کریں گے، یعنی اگر اب رسول بھیجوں تو اطاعت کروگے نا!

((فَیُرْسِلُ اِلَیْهِمْ رَسُوْلًا اَنِ ادْخُلُوا النَّارَ .))

''تب اللہ اُن کے پاس رسول بھیجے گا جو انہیں حکم دے گا کہ آگ میں داخل ہوجاؤ۔''

((قَالَ: فَوَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ، لَوْ دَخَلُوْهَا لَكَانَتْ عَلَیْهِمْ بَرْدًا وَسَلَامًا .)) (مسند احمد: ١٦٣٠١)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر وہ اس آگ میں داخل ہوگئے تو وہ آگ ان کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگی۔''

اب یہاں ایک حجت تو عمومی ہے، جو تمام انسانوں کے لئے ہے کہ انبیاء و رسل علیہم السلام یا ان کے متّبعین کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا پیغام، دین اسلام ان تک پہنچا کہ نہیں۔ اگر کسی ذریعے سے بھی پیغام اُن تک پہنچ گیا، تو ان پر حجت قائم ہوگئی۔

اگر پیغام تو پہنچ گیا مگر انہوں نے اسے قبول نہ کیا، یا اس سے دشمنی اور مخالفت کی تو وہ کافر اور عذاب کے مستحق ٹھہرے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اگر کسی طرح سے بھی پیغام دین نہ پہنچا، حجت قائم نہ ہوئی، تو وہ کافر تو پھر بھی ٹھہرے مگر عذاب کے مستحق نہیں ٹھہرے کیونکہ ان پر ابھی حجت قائم نہیں ہوئی، چنانچہ قیامت کے دن ان پر حجت تمام کرکے ان کا امتحان لیا جائے گا، اور وہ امتحان کتنا سخت ہوگا آپ نے جانا، کہ دہکتی ہوئی آگ میں کودنے کو کہا جائے گا۔

اور دوسری حجت خصوصی ہے، یعنی بحیثیت مسلمان، دین اسلام کو قبول کرنے کے بعد کسی اعتقادی یا عملی مسئلے میں اگر کوئی گمراہی کا شکار ہوتا ہے تو اگر تو وہ لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے کرتا ہے تو وہ معذور تصور کیا جائے گا اور آخرت میں اس کا معاملہ اللہ کے ہاں اس کی مرضی اور مشیئت پر ہوگا۔لیکن اگر وہ حجت قائم ہونے کے بعد کسی بدعملی اور گمراہی کا شکار ہوتا ہے تو مسئلے کی نوعیت کے حساب سے اس پر کفر کا بھی اطلاق ہوسکتا ہے۔

تاہم اس وقت جو بات ہمارے لئے قابل تشویش اور باعث فکرمندی ہونی چاہیے وہ یہ کہ دین کے جن بہت سارے مسائل کے بارے میں جو کہ ہم بچپن سے سنتے چلے آرہے ہیں، ہم پر حجت قائم ہوچکی ہے، کیا ہم ان پر پورا اتر رہے ہیں اور سرخرو ہورہے ہیں۔

مثال کے طور پر ہمیں نماز کی فرضیت کا علم ہے، اور ہم نے یہ حدیث بھی بارہا سن رکھی ہے کہ:

((بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ)) (ترمذي : ٢٦٢٠)

''مسلمان بندے اور کفر کے درمیان ترک نماز کا فرق ہے''

اور اس کے ساتھ ہم نے بے نمازی اور نمازوں میں سستی کرنے والوں کا انجام بھی سن رکھا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، کہ آپ ﷺ اکثر اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا کرتے:

((هَلْ رَأَى اَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْ رُؤْيَا))

تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟

((فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُصَّ))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو جو بیان کرنا چاہتا اللہ کی مشیئت سے بیان کرتا

((وَاِنَّہٗ قَالَ لَنَا ذَاتَ غَدَاۃٍ))

اور ایک روز آپ ﷺ نے خود ہی بیان فرمایا:

((اِنَّہُ اَتَانِي اللَّیْلَۃَ آتِیَانِ ، وَاِنَّھُمَا ابْتَعَثَانِيْ ، وَاِنَّھُمَا قَالَا لِيْ ، اِنْطَلِقْ وَاِنِّي اَنْطَلَقْتُ مَعَھُمَا .))

''آج رات میرے پاس دو فرشتے آئے تھے، انہوں نے مجھے جگا کر کہا چلئے، تو میں اُن کے ساتھ ہولیا۔''

((وَاِنَّا اَتَیْنَا عَلٰی رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ ، وَإِذَاآخَرُ قَائِمٌ عَلَیْہِ بِصَخْرَۃٍ .))

''ہم ایک آدمی کے پاس پہنچے جو لیٹا ہوا تھا اور دوسرا شخص پتھر لئے اس کے پاس کھڑا تھا۔''

((وَاِذَا ھُوَ یَھْوِيْ بِالصَّخْرَۃِ لِرَأْسِہِ فَیَثْلَغُ رَأْسُہُ ، فَیَتَدَھْدَہُ الحَجَرُ ھَاھُنَا .))

''وہ پتھر کے لیے جھکتا اور مار کر اس کا سر ٹکڑے کر دیتا ہے اور پتھر لڑھک کر دور جا پڑتا ہے۔''

((فَیَتْبَعُ الحَجَرَ فَیأْخُذُہُ ، فَلَا یَرْجِعُ اِلَیْہِ حَتّٰی یَصِحَّ رَأْسُہُ کَمَا کَانَ .))

''وہ پتھر کے پیچھے جا کر اسے اٹھا کر لاتا ہے، اس کے واپس آنے تک اس کا سر پہلے کی طرح ٹھیک ہو چکا ہوتا ہے۔''

((ثُمَّ یَعُوْدُ عَلَیْہِ فَیَفْعَلُ بِہٖ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّۃَ الاُوْلٰی .))

''پھر وہ اس پر واپس آتا اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا جو پہلی بار کیا تھا۔''

قَالَ: ((قُلْتُ لَھُمَا: سُبْحَانَ اللّٰہِ مَاھٰذَانِ؟))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے فرشتوں سے پوچھا: سبحان اللہ! ان دونوں کا کیا معاملہ ہے؟''

((قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقْ .))

فرمایا: ان دونوں نے کہا: ''ابھی آگے تشریف لے چلیں۔''

اسی طرح فرشتوں نے آپ ﷺ کو کچھ اور مناظر دکھائے اور پھر آخر میں ہر ایک کی تفصیل بتائی، اور کہا:

((اَمَّا الرَّجُلُ الاَوَّلُ الَّذِیْ اَتَیْتَ عَلَیْهِ یُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ .))

''پہلا آدمی جس کے پاس آپ آئے، جس کا سر کچلا جاتا تھا۔''

((فَاِنَّهُ الرَّجُلُ یَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَیَرْفُضُهُ وَیَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَکْتُوْبَهِ .)) (مسند احمد: ۲۰۰۹۴، صحیح بخاری : ۷۰۴۷)

''وہ ایک ایسا آدمی ہے جو قرآن کریم یاد کر لینے کے بعد اسے نظر انداز کر دیتا تھا یعنی جتنا بھی اس کو یاد تھا، اس پر عمل نہیں کرتا تھا اور فرض نماز کے وقت سویا رہتا تھا۔''

تو بے نمازی کا انجام ہم نے سن لیا، ہم پر حجت قائم ہوگئی، اسی طرح سود کے حرام ہونے کا حکم بھی ہمیں معلوم ہو چکا ہے ایسے ہی دھوکہ دہی، لوٹ مار، کریڈٹ کارڈ فراڈ کی ممانعت کا بھی ہمیں علم ہے۔ حرام چیزوں کی خرید وفروخت، پورک، لاٹو، سگریٹ، بیئر وغیرہ کی خرید وفروخت اور ان کا استعمال بھی قرآن وحدیث کے واضح دلائل کی روشنی میں حرام ہے یہ بھی ہمیں معلوم ہے اور ہم پر حجت قائم ہو چکی ہے، مگر تعجب ہے! کہ یہ سن کر اور جان کر انجام کے خوف سے کبھی ہمارے رونگٹے کھڑے نہیں ہوئے، جسم میں کپکپی طاری نہیں ہوئی، آنکھوں سے آنسو نہیں ٹپکے اور دل اللہ کے ڈر سے جھکے نہیں ہیں۔

کیسی سنگدلی اور قسوتِ قلبی ہے کہ اتنا کچھ جاننے بوجھنے کے باوجود دنیا کی دلدل سے نکل نہیں پاتے اور اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جہاں ایک طرف حجت کا قائم ہو جانا انتہائی فکرمندی کی بات ہے، وہاں دوسری طرف اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل اور کرم سے ہمیں نیکی کی طرف بڑھنے اور برائی سے باز رہنے کی رہنمائی فرمائی ہے ورنہ دنیا میں، بالخصوص اس دور میں جب کہ ہر طرف گمراہی، بے حیائی اور فحاشی کا دور دورہ ہے گمراہ کرنے والے افراد، گروہ اور لیڈر بکثرت موجود ہیں جو لوگوں کو ان کے اصلی اور حقیقی مسئلے سے ہٹا کر دوسروں کی پگڑیاں اچھالنے میں لگا رہے ہیں اور اپنی کرتوتوں پر شرمندہ ہونے کو تیار نہیں۔

چنانچہ آپ ﷺ نے گمراہ کرنے والے لیڈروں کے فتنے کو ایک انتہائی شدید فتنہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

((إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِيْ اَلْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ)) (ترمذي : ۲۲۲۹)

''مجھے اپنی امت کے بارے میں گمراہ کرنے والے حکمرانوں اور لیڈروں کا ڈر ہے۔''

شاید اکثر لوگ اس بات کی سنگینی کو سمجھ نہیں پاتے کہ عوام کی اصلاح اور بگاڑ میں علماء، حکمران اور لیڈران اور کسی بھی فیملی، کسی گروہ اور کسی بھی ادارے کے نگران اور سربراہ کا کتنا حصہ اور کردار ہے۔ یقیناً اصلاح اور بگاڑ کے تمام اسباب و وسائل اور ذرائع سے بڑھ کر ہے۔ فکر آخرت کی راہ میں رکاوٹ بننے والے بہت سارے عوامل میں سے یہ ایک سب سے خطرناک عامل ہے۔

اللہ کرے کہ یہ بات ہمیں سمجھ میں آ جائے، اور بات، حقیقت یہ ہے کہ ہمیں خود ہی سمجھنی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق کے بعد ورنہ ایک داعی، مبلغ اور مصلح کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے۔

منادی کرنے والا اور ہانک لگانے والا تو ہانک لگا کر گزر جائے گا، وہ آواز کڑوی لگے یا ناگوار گزرے ہمیں ہر حال میں اس پر غور کرنا ہے، یہ بات انتہائی اہم ہے کہ اکثر لوگ حجت قائم ہوتی ہوئی سمجھ نہیں پاتے، وہ کسی کی بات کو محض اک تقریر اور خطاب سمجھ رہے ہوتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب کہ وہ حقیقت میں اُن پر حجت کی مہر ثبت کی جا رہی ہوتی ہے، حجت قائم کرنے کے لئے اب کوئی نبی نہیں آنے والا، ہمیں میں سے کوئی ہماری خدمت اور اصلاح کے لئے مأمور کر دیا جاتا ہے۔

اس کی بات سے جہاں ہم پر حجت قائم ہو رہی ہوتی ہے وہاں خود اس پر بھی حجت قائم ہو رہی ہوتی ہے، بلکہ ایک ہاتھ اس سے بھی زیادہ، کہ اس پر یہ بھی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ جو بات کرے ایمانداری سے اور خالص قرآن وحدیث کی روشنی میں کرے، اور خالص اللہ کی رضا کے لئے کرے اور اپنی خطابت کے جوہر دکھانے کے لئے نہ کرے۔

ہمیں تقدیر نے یہاں لا جمع کیا ہے، مجھ پر خالص قرآن وحدیث کی تعلیمات کو آپ تک پہنچانے اور اس پر عمل کرنے کی ذمہ داری اور آپ پر اسے سن کر چھان پھٹک کر اس پر عمل کرنے کی ذمہ داری ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنی ذمہ داری نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارے لئے کون سا ذریعہ ہماری ہدایت اور رہنمائی کا سبب بنتا ہے اور ہمیں کس کی رہنمائی کا سبب بننا ہے، یہ سب کچھ تقدیر میں پہلے سے لکھا جا چکا ہے، لہٰذا ہمیں موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے، ہماری رہنمائی کا عمل تسلسل کے ساتھ جاری ہے، پس ہمیں اسے سمجھنا ہے۔

ہمیں خود فریبی سے بچنا ہے اور جو چند نمازیں پڑھ کر سمجھ بیٹھتے ہیں کہ بس اب سیدھے جنت میں چلے جائیں گے تو یہ خود فریبی اور دھوکہ ہے جو ہم اپنے آپ کو دے رہے ہیں، اپنے گناہوں کو نظر انداز کرنا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ یہ حدیث سامنے رہے تو یہ حسن ظن اور خود فریبی کافور ہو جائے گی۔

حدیث میں ہے کہ:

((مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ)) (صحيح البخاري: ١٣٧٨)

نبی ﷺ کا دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے فرمایا: ”ان دونوں کو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

عذاب ہو رہا ہے اور یہ بھی نہیں کہ کسی بڑی بات پر عذاب ہو رہا ہے، ان میں سے ایک پیشاب (کے چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا پھرتا تھا۔''

اب اندازہ کیجیے کہ کچھ ایسے کام کہ جنھیں ہمارے معاشرے میں کوئی بڑی بات نہیں سمجھا جاتا، جب ان پر عذاب ہو رہا ہے، تو وہ کام جو عقلاً، شرعًا اور قانونًا جرم اور گناہ قرار دیے گئے ہیں جن کا ارتکاب سرِعام کیا جاتا ہے، ان کے انجام سے بے فکر ہو کر بیٹھ جانا، اور سمجھ لینا کہ ہم سیدھے جنت میں چلے جائیں گے، یہ آخرت کے معاملے میں غیر سنجیدگی اور محض خوش فہمی کی علامت ہے۔

آخرت کے حوالے سے فکر مند ہونا انسان کی عقلمندی، دوراندیشی اور سنجیدگی کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکرِ آخرت، عقلمندی، دور اندیشی اور سنجیدگی کی علامت

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝﴾ (فاطر : ٥)

گذشتہ چند جمعوں سے آخرت کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور سمجھنے سے مراد ایسی سمجھ ہے جو دل میں اتر جائے، جو دل میں گھر کر جائے، جس کے مطابق عمل کیے بغیر چارہ نہ رہے، ایسی سمجھ جو دو اور دو چار کی طرح واضح اور روشن ہو، کہ جہاں ہم اپنے آپ کو دھوکہ نہ دے سکیں۔

جو شخص دو اور دو چار کی حقیقت کو سمجھتا ہے کیا اُس نے کبھی دو اور دو تین یا دو اور دو پانچ کا حساب لگا کر اپنے آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے؟ ہر گز نہیں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ غلط حساب لگا کر وہ اپنے آپ کو دھوکہ تو دے سکتا ہے مگر حقیقت نہیں بدل سکتا۔

تو آخرت کی حقیقت کو اس طرح سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، اللہ کرے کہ ہمیں سمجھ میں آجائے۔

دور کی حقیقت کو دور اندیش ہی سمجھتا ہے، جبکہ کوتاہ بین کی نظر نزدیک کے مفادات پر ہوتی ہے۔ دنیا کا مطلب قریب والی زندگی اور اُخروی یا آخرت کا معنی: بعد والی یا دوسری زندگی، کوتاہ نظری اور دور اندیشی کے فرق کو آپ یقیناً سمجھتے ہوں گے اور جانتے ہوں گے کہ دور اندیش کے مقابلے میں کوتاہ نظر ایک ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے اصلی، حقیقی اور دائمی مفادات کو نظر انداز کر کے ادنی، سطحی، حقیر، ادھورے اور عارضی مفادات کو اختیار کرتا ہو اور عاقبت نا اندیش ہو۔

ہم میں سے کون کتنا دور اندیش ہے اور کون کتنا کوتاہ نظر اور عاقبت نا اندیش ہے اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بعد انسان خود بھی اپنے بارے میں جان سکتا ہے کیونکہ انسان اپنے آپ کو خوب سمجھتا ہے ﴿بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾﴾ انسان خود ہی اپنے آپ کو خوب جانتا ہے چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔

کوتاہ نظری انسان کی ایک فطری کمزوری ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾﴾ (القیامہ ٢٠ ـ ٢١)

''اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز (یعنی دنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔''

اس فطری کمزوری پر کیا ہم نے کبھی قابو پانے کی کوشش کی اور پھر کیا ہمیں اس میں کچھ کامیابی ہوئی؟ مجموعی طور پر تو اس کا جواب نفی میں ہی نظر آتا ہے البتہ انفرادی طور پر یقیناً بہت سے لوگ اس فطری کمزوری پر قابو پانے میں کامیاب ہوتے ہوں گے یعنی دنیا کے بجائے آخرت سے محبت رکھتے ہوں گے۔

تاہم دنیا سے محبت ہی فکر آخرت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((مَنِ ادَّعَى أَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَ حُبِّ الدُّنْيَا وَحُبِّ خَالِقِهَا فِيْ قَلْبِهِ فَقَدْ كَذَبَ)) (فيض القدير : ٤٢٦٩)

''جو شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ اس کے دل میں دنیا کی اور اس کے خالق کی محبت دونوں پائی جاتی ہیں تو اس نے جھوٹ بولا۔''

یعنی جس دل میں دنیا کی محبت ہو اس میں آخرت کی محبت ہو نہیں ہو سکتی اور جس دل میں آخرت کی محبت اس میں دنیا کی محبت نہیں رہ سکتی، اور دنیا کی محبت بھی ایک فطری کمزوری ہے، جیسا کہ متعدد آیات واحادیث اس پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ﴿٨﴾﴾ (العاديات : ٨)

''وہ مال کی محبت میں بہت ہی سخت ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ﴿ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ﴾ (الهمزة : ٢)

''وہ مال جمع کرتا اور گن گن کر رکھتا ہے''

اور یہ شدت محبت کا ہی نتیجہ ہے۔

اور حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيرِ شَابًّا فِي اثْنَتَيْنِ : فِي حُبِّ الدُّنْيَا وَطُوْلِ الْأَمَلِ))(صحيح بخاری : ٦٤٢٠)

''بوڑھے انسان کا دل دو چیزوں میں ہمیشہ جوان رہتا ہے: دنیا کی محبت اور لمبی امیدوں میں۔''

دنیا کی محبت ان معنوں میں یقیناً بری نہیں ہے اور نہ منع ہے کہ دنیا کی جائز اور مباح چیزوں سے جائز حد تک استفادہ کیا جائے اور شوق سے کیا جائے، بلکہ دنیا کی نعمتیں اصل میں ہیں ہی مسلمان کے لئے جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾ (الاعراف :٣٢)

''ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا ہے ، اور کس نے اللہ کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں ، کہو! یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصتاً انھی کے لیے ہوں گی۔''

تو دنیا کی نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے لیے ہیں، پھر دوسروں کے لیے بالتبع ہیں۔

تو دنیا کی محبت بری اس وقت قرار پاتی ہے جب حد سے تجاوز کر جائے جب دنیا کی محبت میں جائز اور ناجائز کا فرق ختم ہو جائے، جائز اور حلال طریقے سے کمائی ہوئی دولت کو جائز طریقے سے استعمال کریں گے تو اس کے نقصانات سے بچ سکیں گے ورنہ وہ سراسر وبال جان ہو گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام میں دولت حاصل کرنے کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، جتنی چاہیں دولت جمع کرلیں مگر اسلام کے مقرر کردہ اصولوں کے تابع ہو کر۔

قارون کا ذکر تو آپ نے قرآن پاک میں پڑھا ہوگا، اس کے پاس دولت کی کتنی بڑی مقدار ہو سکتی ہے اس کا اندازہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے لگا سکتے ہیں:

﴿وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ﴾

(القصص: ٧٦)

''اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ اُن کی کنجیاں طاقتور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی۔''

اللہ تعالیٰ نے دولت جمع کرنے کی اُس پر کوئی پابندی نہیں لگائی کوئی سرزنش نہیں کی بلکہ اس کے استعمال کا طریقہ بتلایا ہے، چنانچہ اُن نصیحتوں کا ذکر فرمایا جو اس ضمن میں اُس کی قوم نے اسے کیں۔

اُس کی قوم نے اسے پانچ نصیحتیں کیں، ہر دولت مند شخص کے لئے اُن کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

اس کی قوم کے لوگوں نے اُس سے کہا:

❁: ﴿لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ (القصص: ٧٦)

''پھول نہ جا، اللہ تعالیٰ پھولنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

خوشی سے ایسا پھولنا کہ وہ خوشی اسے فخر و مباہات پر آمادہ کردے اور آخرت سے غافل کردے۔

❁: ﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ (القصص: ٧٧)

''جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اُس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر یعنی صدقہ خیرات کر، اللہ کی راہ میں خرچ کر۔''

❁: ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ (القصص: ٧٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔''

یعنی یہ نہیں کہتے کہ سارے کا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کردے، بلکہ دنیا میں بھی اس سے مستفید ہو، اور اس سے آخرت بھی بنا۔

❁: ﴿وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (القصص: ۷۷)

''اور احسان کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا۔''

یعنی لوگوں کے ساتھ نیکی کرتے وقت یہ مت بھول کہ اللہ تعالیٰ کا تجھ پر احسان ہے، دولت حاصل کرنا اور پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تیرا اپنا کمال نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ کا تجھ پر احسان ہے۔

❁: ﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ﴾ (القصص: ۷۷)

''اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر۔''

دولت کے طبعی نتائج ونقصانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دولت آنے پر عموماً انسان کے خیالات، اس کی زبان اور اس کے طرزِ عمل میں منفی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ وہ خواہشات نفس کی تکمیل کے لئے کسی قسم کی اخلاقی، قانونی اور شرعی پابندیوں کو خاطر میں نہیں لاتا اور لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کی پرواہ بھی نہیں کرتا اور یہ تمام چیزیں فساد فی الارض کے زمرے میں آتی ہیں، کوئی بالواسطہ فساد فی الارض کا سبب بنتی ہیں اور کوئی بلا واسطہ۔

اگر کوئی شخص قرآن پاک کی بیان کردہ ان نصیحتوں کے مطابق مال و دولت کو استعمال نہیں کرتا تو مال کے نقصانات سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

اب جیسے مال کی محبت جب اس درجہ ہوجائے کہ انسان کو بخل اور کنجوسی پر آمادہ کردے تو اس کے نقصانات یقینی ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

'' وَاتَّقُوا الشُّحَّ: فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ: حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ''

(صحیح مسلم: ۲۵۷۸)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

" بخل سے بچو کہ بخیلی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ بخل نے انہیں خون بہانے اور حرمتوں کو پامال کرنے پر آمادہ کیا۔"

انسان کو دولت سمیٹنے کا شوق ہو، مگر اسے دولت حاصل کرنے کی شروط، حدود اور پابندیوں کا علم نہ ہو، استعمال کا طریقہ معلوم نہ ہو اور اس کے نقصانات سے آگاہی نہ ہو، یہ تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے اور اپنی تباہی و بربادی کو دعوت دینے اور خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔

مال ودولت کا شوق، حرص، لالچ اور شدتِ محبت انسان کے لئے کس قدر نقصان دہ ہوسکتا ہے، غور فرمایئے، آپ ﷺ نے اسے ایک تشبیہ کے ذریعے یوں بیان فرمایا ہے، فرمایا:

" مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهِ " (سنن ترمذی: ٢٣٧٦)

" دو بھوکے بھیڑیئے جنہیں بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور گلّے میں چھوڑا گیا ہو وہ اتنا نقصان نہیں پہنچاتے، جتنا مال و دولت اور چودھراہٹ کا حرص، لالچ اور شوق آدمی کے دین کو نقصان پہنچاتا ہے۔"

کوئی ایک بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ میں گھس جائے تو وہ کیا تباہی مچائے گا آپ بھیڑیے کی سرشت سے اس کا اندازہ کر سکتے ہیں، چہ جائیکہ دو بھیڑیئے ہوں اور وہ بھی بھوکے، بے چاری کمزور اور معصوم بکریوں کا کتنا نقصان ہوگا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔

مگر مال و دولت کی حرص اور لالچ اور شہرت اور نمودونمائش کی خواہش آدمی کے دین کو کتنا نقصان پہنچاتی ہے، اس کے مقابلے میں اُن بھیڑیوں کا کیا ہوا نقصان کچھ بھی نہیں۔

دنیا کی ضرورت سے زیادہ اور شدید محبت کے نقصانات میں سے ایک یہ بھی ہے، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَ فَرَّقَ عَلَيْهِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شَمْلَهُ ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَاقُدِّرَلَهُ))

(صحيح الترمذي : ٢٤٦٥)

جس کی زندگی کا سب سے بڑا اور بنیادی مقصد دنیا حاصل کرنا ہو، اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں میں فقر و افلاس ڈال دیتے ہیں اور اس کے معاملات منتشر اور تتر بتر کر دیتے ہیں اور دنیا اس کو صرف اتنی ہی ملتی ہے، جتنی اس کے لئے تقدیر میں لکھ دی گئی ہے۔

فقر و افلاس آنکھوں میں کر دینے کا مطلب ہے کہ دولت تو اس کے پاس ہوتی ہے مگر آنکھیں نہیں بھرتیں اور چونکہ وہ قناعت سے محروم ہوتا ہے، اس لئے وہ دوسروں کے ساتھ اپنے آپ کا موازنہ کرتے ہوئے ہر وقت غربت و افلاس کا رونا روتا رہتا ہے۔

اور دولت کا اور دنیا کے حرص و لالچ اور شدتِ محبت کا ایک نقصان جو کہ شاید سب سے بڑا نقصان ہو، یہ ہے، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((قُمْتُ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ))

"میں نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ جنت میں داخل ہونے والے عام لوگ (یعنی اکثر لوگ) غرباء و مساکین ہیں۔"

((وَأَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ)) (صحیح بخاری : ٥١٩٦)

"اور خوشحال اور مالدار لوگوں کو روک لیا گیا ہے۔" یعنی انہیں حساب کتاب کے لئے روک لیا گیا ہے کہ کیسے کمایا اور خرچ کہاں کیا۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ:

((يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّهَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِخَمْسِمِائَةِ عَامٍ نِصْفِ يَوْمٍ)) (ترمذی : ٢٣٥٣)

"کہ غریب اور فقیر لوگ جنت میں امیروں سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں جو کہ آدھا دن ہے۔"

اس کا مطلب یہ نہیں کہ امیر لوگ اگر نیک بھی ہوں تو بھی غریب لوگ ان سے پہلے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنت میں جائیں گے، بلکہ امیر لوگ اگر نیکیوں میں بھی غریب لوگوں سے بڑھ کر ہوں گے اور دولت کو بھی آخرت کے لئے استعمال کرتے ہوں گے تو وہ غریبوں سے پہلے جنت میں جائیں گے مگر عموماً ایسے بہت کم ہوتا ہے، کیونکہ جب دولت آتی ہے تو اس کے نقصانات بھی ساتھ آتے ہیں۔

آپ تازہ ہوا کے لئے کھڑکی کھولتے ہیں اور تازہ ہوا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، مگر جب کھڑکی کھلی ہوتی ہے تو گرد غبار بھی اس کے ساتھ آتا ہے، اگر آپ ساتھ ساتھ صفائی کرتے رہیں تو گھر صاف ستھرا رہتا ہے، ورنہ آہستہ آہستہ گرد جم جاتی ہے۔

بہت سے غریب لوگ، بلکہ تقریباً تقریباً تمام ہی غریب لوگ امیر ہونے کی خواہش دل میں رکھتے ہیں اور شدید خواہش رکھتے ہیں مگر وہ امیر لوگوں کے مسائل کو نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہوں تو پھر یہ خواہش کرتے ہوں گے کہ وہ امیر بھی ہو جائیں اور انہیں وہ مسائل بھی پیش نہ آئیں، مگر ایسا نہیں ہوتا، بلکہ کچھ غریبی کے مسائل ہیں اور کچھ امیری کے مسائل ہیں، اس دنیا میں ہر آدمی کو کسی نہ کسی مسئلے کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے، خوشحالی اور اس کے مسائل، یا غربت اور اس کے مسائل، اس میں پِک اینڈ چُوز کا آپشن نہیں ہے، یہ چیزیں پیکیج میں آتی ہیں، آپ کو جو سوال نامہ دیا گیا ہے آپ نے اس کو حل کرنا ہے اور سوال آپ کی مرضی کے نہیں ہو سکتے۔

جائز طریقے سے اپنے مسائل کو حل کرنے کی کوشش ضرور کریں اور ناجائز طریقے سے حل کرنے کی کوشش کریں گے تو اس کا مطلب ہوگا کہ آپ امتحان میں فیل ہو گئے ہیں۔

اسی طرح امیر لوگوں کو اگر اللہ تعالیٰ نے دولت کی فراوانی اور خوشحالی سے نوازا ہے تو اسی حساب سے ان کے سامنے مسائل بھی رکھ دیے ہیں۔

اگر کوئی شخص ہر قیمت پر امیر ہونا چاہے تو اس کو بہت مہنگا بھی پڑ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اسے دنیا کا امیر ترین انسان بنا دے مگر نعمت ایمان اس سے چھین لے تو کیا اسے قبول ہوگا یا اگر مسلمان ہی رہے مگر نماز روزے کی توفیق چھین لے تو کیا وہ پسند کرے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ غریبوں اور مسکینوں کی پریشانیوں کو خوب سمجھتا ہے مگر بندہ نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اس میں کیا خیر رکھ رکھی ہے۔

حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ لَيَحْمِي عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ مِنَ الدُّنْيَا وَهُوَ يُحِبُّهُ ، كَمَا تَحْمُوْنَ مَرِيْضَكُمْ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ تَخَافُوْنَهُ عَلَيْهِ))

(مسند احمد : ٢٣٦٢٢)

"اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بندے کو دنیا سے بچاتا ہے، جبکہ وہ دنیا کو پسند کرتا ہے، جیسے تم اپنے بیمار کو کھانے پینے سے روکتے اور منع کرتے ہو، تمہیں اس کے نقصان کا ڈر ہوتا ہے۔"

کثرتِ مال یقیناً اک آزمائش اور امتحان ہے، ایک دلدل اور بھنور ہے، بھول بھلیاں ہیں اس سے باسلامت بچ نکلنا آسان کام نہیں ہے، لہٰذا عقلمندی یہی ہے کہ اس کے ساتھ ضرورت کے مطابق معاملہ کیا جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے اہل ایمان کے لیے ہمدردی اور خیر خواہی کرتے ہوئے دعا فرمائی، فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ مَنْ آمَنَ بِكَ وَشَهِدَ أَنِّي رَسُوْلُكَ فَحَبِّبْ إِلَيْهِ لِقَاءَكَ ، وَسَهِّلْ عَلَيْهِ قَضَاءَكَ وَأَقْلِلْ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا))

"اے اللہ! جو تجھ پر ایمان لایا اور گواہی دے کہ میں تیرا رسول (ﷺ) ہوں، تو اپنی ملاقات اسے محبوب بنا دے، اپنے فیصلے اس کے لیے آسان بنا دے اور دنیا میں سے اسے کم کم دے۔"

((وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِكَ وَلَمْ يَشْهَدْ أَنِّي رَسُوْلُكَ فَلَا تُحَبِّبْ إِلَيْهِ لِقَاءَكَ وَلَا تُسَهِّلْ عَلَيْهِ قَضَاءَكَ ، وَأَكْثِرْ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا)) (مجمع الزوائد : ١٠١٢٨٩ ، صحيح الترغيب : ٣٢٠٩)

اور جو تجھ پر ایمان نہیں لایا، اور اس بات کی گواہی نہیں دی کہ میں تیرا رسول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(ﷺ) ہوں، اسے اپنی ملاقات محبوب نہ بنا، اس کے لیے اپنے فیصلے آسان نہ بنا، اور اسے دنیا بہت زیادہ دے۔''

لہٰذا دنیا کے حصول کے حوالے سے اللہ کی تقسیم اور اس کے فیصلوں پر راضی رہنا مسلمان کے لیے آسان ہونا چاہیے چنانچہ تقدیر پر راضی رہیں اور امتحان اور آزمائش میں کامیاب ہونے کی کوشش کریں۔ دوسروں کے حالات، رہن سہن، عہدہ و منصب، عزت وتوقیر دیکھ کر منہ میں پانی بھر آتا ہے، مگر آپ نہیں جانتے کہ وہ لوگ کتنی بڑی آزمائش اور امتحان میں ہیں۔

دنیا کی ہر نعمت انسان کے لیے امتحان ہے، چاہے اس کا تعلق دنیا سے ہو یا دین سے، مثال کے طور پر دعوتِ دین کا کام کتنا اچھا ہے کہ اس کے اچھا ہونے میں یقیناً کوئی شک نہیں ہے، ایک تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿٣٣﴾﴾ (فصلت: ٣٣)

''اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔''

اور اس لیے بھی کہ یہ کام کرنے والوں کو انبیاء (علیہم السلام) کا وارث قرار دیا گیا ہے، مگر یہ بھی امتحان ہے کہ آدمی اس کام کو نیک نیتی سے کرتا ہے یا شہرت کے لیے کرتا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر، اس کی تقسیم پر اور اس کے فیصلوں پر راضی رہنا چاہیے، یہ مسلمان کے لائق اور سزاوار ہے اور یہی اس کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانی زندگی پر فکرِ آخرت کے اثرات

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴾ (فاطر : ۵)

فکرآخرت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس حقیقت سے آگاہ اور خبردار کرتے ہوئے کہ:

﴿ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ﴾ (فاطر : ۵)

’’یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق اور سچ ہے۔‘‘

قیامت کا برپا ہونا، نشر یعنی مُردوں کا قبروں سے اٹھایا جانا اور حشر یعنی میدان قیامت میں لوگوں کا جمع کیا جانا ایک اٹل حقیقت ہے، فرمایا:

﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴾

(فاطر : ۵)

’’دیکھو! تمہیں دنیا اور شیطان اس بارے میں کہیں دھوکے میں مبتلا نہ کردیں‘‘

یعنی ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کی رعنائیوں میں کھوکر اور شیطان کی چالوں میں آکر آخرت کی حقیقت کو فراموش کر بیٹھو۔

تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو آخرت سے غافل کردینے والی دو بڑی، بنیادی اور مرکزی چیزوں سے واضح اور دوٹوک الفاظ میں خبردار کردیا ہے۔

شیطان انسان کو بہکاتا، ورغلاتا اور دھوکے میں ڈالتا ہے یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہوئے:

﴿ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ﴾ (النساء : ۱۲۰)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”وہ لوگوں سے وعدے کرتا اور انہیں امیدیں دلاتا ہے۔“

یعنی جب وہ کسی کو غلط راستے کی طرف لے جانا چاہتا ہے تو وہ اسے سبز باغ دکھاتا ہے، منکرات اور محرّمات کو مزین کرتا اور خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے، کامیابی کے وعدے کرتا اور انہیں امیدیں دلاتا ہے۔

شیطان جوکہ ہمہ وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے، جو اس کے معمولات زندگی سے واقف ہے اور دن رات ان کا مشاہدہ کرتا ہے اس کے میلان طبع، اس کی خواہشات اور اس کی پسند اور ناپسند کو خوب سمجھتا ہے وہ اپنی اِن معلومات اور مشاہدے کی بناء پر اسے مشورے دیتا، وعدے کرتا اور امیدیں دلاتا ہے۔

﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲۰﴾ (النساء ۱۲۰)

”مگر شیطان کے سارے وعدے سراسر دھوکہ اور فریب ہوتے ہیں۔“

تو شیطان کا طریقۂ واردات تو سب کو معلوم ہے، مگر دنیا اور ساز و سامانِ زندگی انسان کو کیسے دھوکہ دیتے ہیں وہ تو انسان کے دل میں وسوسے نہیں ڈالتے۔

تو دنیا انسان کو شیطان کی طرح دھوکہ نہیں دیتی اس کے دل میں وسوسے نہیں ڈالتی، مگر انسان خود ہی دنیا سے دھوکہ کھاتا ہے دنیا کی کشش انسان کے دل کو گھائل کر دیتی ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۱۸۵﴾ (آل عمران: ۱۸۵)

”اور دنیا کی زندگی تو محض سامانِ فریب ہے۔“

تو یہ دنیا تو محض سامانِ فریب ہے، دنیا کی زینت، اس کی کشش، اس کا حسن و جمال، اس کی رعنائیاں، اس کا شوق، اس کی خواہش اور چاہت انسان کو دھوکے میں مبتلا کر دیتی ہے، انسان اس کے حصول کو اپنی حقیقی کامیابی اور سعادت سمجھنے لگتا ہے، اس ناقص، عارضی اور زوال پذیر دنیا کے حصول پر اترانے اور گھمنڈ کرنے لگتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ یہ دنیا تو آزمائش اور امتحان ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

انسان دنیا کی نعمتوں کے ساتھ شدتِ لگن کے سبب اور ان کی لطف اندوزی میں مگن ہوکر اپنے محسن حقیقی کو بھول جاتا ہے، نعمتوں میں کھو جاتا ہے اور منعِم کو بھول جاتا ہے اور یہی بات اصل میں خرابی کا باعث ہے ورنہ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا منع نہیں ہے، وہ تو ہیں ہی لطف اندوز ہونے کے لئے

﴿وَمَآ أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا﴾ (القصص: ٦٠)

''تم لوگوں کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض متاعِ حیاتِ دنیوی اور اس کی زینت ہے۔''

﴿وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (القصص: ٦٠)

''اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی تر ہے، کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔''

یعنی بات صرف اتنی سی ہے کہ تم لوگ دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہو، اسے سب سے بہتر اور دائمی سمجھ بیٹھتے ہو۔ زبان سے کوئی شخص دنیا کو بہتر اور ہمیشہ رہنے والی نہ بھی کہتا ہو مگر اس کا دنیا کے ساتھ تعلق کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

جب دنیا کو آخرت پر، نماز روزے پر اور دین پر ترجیح دے گا تو اس کا مطلب واضح طور پر یہ ہوگا کہ وہ دنیا کو آخرت سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والی سمجھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسے بندوں پر تعجب کا اظہار کر رہے ہیں کہ جو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی اس زیب و زینت کو ترجیح دیتے ہوں اور تعجب کے انداز میں مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

یہ دنیا جو مصیبتوں کا گھر ہے، مسائل کا گڑھ ہے، دکھوں، پریشانیوں، تکلیفوں، بیماریوں، آزمائشوں، لڑائی جھگڑوں، نفرتوں، دشمنیوں اور عداوتوں کی آماجگاہ ہے۔ یہاں ظلم و ستم ہے، غنڈہ گردی ہے، لوٹ مار ہے، ذہنی اور جسمانی اذیتیں ہیں، فتنے ہیں، فسادات ہیں، قدرتی آفات ہیں، یہ دنیا جہاں کی ہر چیز عارضی ہے، ناقص اور ادھوری ہے، اور زوال پذیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، کوئی اسے آخرت کے مقابلے میں ترجیح دے تو کیسے عقلمند ہوسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی بے وقعتی اگر سمجھ میں آجائے تو آخرت کی حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے۔

اگر کوئی آدمی اس پر غور کرنے کی کوشش کرے تو بات سمجھ میں آسکتی ہے، مگر وہ تو دنیا کو جمع کرنے میں مگن ہے، اس کی لذتوں میں کھویا ہوا ہے، اسے اتنی ہوش اور فرصت ہی نہیں کہ وہ ایسی باتوں پر غور کرسکے۔

اسے اپنے محسن و منعم کا شکر ادا کرنے کی کبھی فکر نہیں ہوئی، کیونکہ وہ تو اسے اپنی محنت کی کمائی سمجھ رہا ہوتا ہے، وہ تو سمجھ رہا ہوتا ہے کہ اس دولت کے لئے اس نے بارہ بارہ گھنٹے کام کیا ہے، اپنا خون پسینہ بہایا ہے، یہ خالص اس کی اپنی محنت، تجربے اور علم و دانش کا نتیجہ ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے نتیجے میں اسے اس کا مستحق سمجھا ہے اور یہ مال و دولت اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔

جیسا کہ قارون نے کہا تھا:

﴿ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِىٓ ﴾ (القصص : ۷۸)

”یہ سب کچھ تو مجھے اُس علم کی بناء پر دیا گیا ہے جو مجھ کو حاصل ہے۔“

اللہ فرماتے ہیں:

﴿ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِۦ مِنَ ٱلْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ﴾ (القصص: ۷۸)

”کیا اُس کو یہ علم نہ تھا کہ اللہ اُس سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو اُس سے زیادہ قوت اور جمعیت رکھتے تھے، (یعنی بغیر حساب کتاب کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا) یعنی مال و دولت کسی کے لئے اگر اللہ کی رضا اور خوشنودی کی علامت ہوتا تو اس سے پہلے جو قومیں مال و دولت اور افرادی قوت میں اس سے بھی زیادہ طاقت ور تھیں انہیں کیوں تباہ و برباد کرتا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تو آدمی جب مال و دولت کو اپنی محنت کا نتیجہ سمجھتا ہے یا دوسری نعمتوں کا خود کو حق دار سمجھتا ہے تو پھر اللہ کا شکر ادا کرنے کی طرف اس کا دھیان نہیں جاتا۔

اور اللہ کو بندے سے یہی شکوہ اور گلا ہے کہ وہ نعمتوں میں کھو گیا ہے اپنے محسن اور منعم کو بھول گیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡإِنسَٰنُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ ٱلۡكَرِيمِ ۝٦ ﴾ (الإنفطار: ٦)

اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے اُس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔''

﴿ ٱلَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّىٰكَ فَعَدَلَكَ ۝٧ فِيٓ أَيِّ صُورَةٖ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝٨ ﴾

(الانفطار: ٧-٨)

''جس نے تجھے پیدا کیا، پھر ٹھیک ٹھاک کیا، تجھے متناسب بنایا، اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ کر تیار کیا۔''

یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ تو اللہ تعالیٰ کی ان بے شمار نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتا، مگر تو دنیا کے بہکاوے اور دھوکے میں ایسا آ گیا کہ الٹا اپنے رب سے منہ ہی موڑ لیا۔

تجھے اپنی محنت پر ناز ہے، اپنی قابلیت پر فخر ہے، اپنے عہدہ و منصب پر غرور ہے، حالانکہ یہ سب کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل خاص کا نتیجہ ہے، مگر چلو! کبھی اس طرف بھی سوچ لیا ہوتا کہ تجھے پیدا کس نے کیا ہے، کس نے بنایا سنوارا ہے، کس نے یہ قوتیں، صلاحیتیں اور قابلیتیں عطا کی ہیں۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر دیر تک اپنے آپ کو سنوارتا اور خوش ہوتا ہے، کبھی غور کیا کہ یہ شکل تمہیں کس نے عطا کی ہے، اتنا خوبصورت اور متناسب تجھے کس نے بنایا ہے؟

﴿ وَٱلتِّينِ وَٱلزَّيۡتُونِ ۝١ وَطُورِ سِينِينَ ۝٢ وَهَٰذَا ٱلۡبَلَدِ ٱلۡأَمِينِ ۝٣ لَقَدۡ خَلَقۡنَا ٱلۡإِنسَٰنَ فِيٓ أَحۡسَنِ تَقۡوِيمٖ ۝٤ ﴾ (التين: ١ ـ تا ـ ٤)

''ہمیں قسم ہے انجیر اور زیتون کی، اور طور سینا کی اور اس پُر امن شہرِ مکہ کی ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔''

تو پھر کیا بات ہے اور کیسی احسان فراموشی ہے ﴿مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾ تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکا دیا ہے، یقیناً اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ﴿كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ﴾ تم لوگ جزا اور سزا کے دن کو جھٹلا بیٹھے ہو۔

تو یہ ہے انسان کا سب سے بڑا مسئلہ کہ وہ آخرت کو بھلا بیٹھا ہے، مگر سن لو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقیناً حق اور سچ ہے، قیامت کا دن آ کر رہے گا اور حساب کتاب ہو کر رہے گا۔

﴿فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ۝﴾ (الاعراف: ٦-٧)

''ہم یقیناً اُن لوگوں سے باز پرس کریں گے جن کی طرف ہم نے پیغمبر بھیجے ہیں اور خود پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے کہ انہوں نے پیغام رسانی کا فرض کہاں تک انجام دیا اور انہیں اس کا کیا جواب ملا۔ پھر ہم ان سب کے سامنے اپنے علم سے سب کچھ بیان کر دیں گے، آخر ہم کہیں غائب تو نہیں تھے۔''

تو انسان کی تمام کوتاہیوں، غفلتوں، احسان فراموشیوں اور بے راہ رویوں کا اصل سبب یہ ہے کہ ان کا آخرت پر سرے سے یقین نہیں ہے، یا پختہ یقین نہیں ہے۔

اور جب انسان کو بات سمجھ میں آجائے اور دل میں بیٹھ جائے، اور اس پر پختہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر اس کے طرزِ عمل میں تبدیلی آتی ہے اور فوری تبدیلی آتی ہے۔

آپ نے دیکھا نہیں کہ فرعون کے جادوگر جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے آئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے:

﴿فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۝ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۝ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ قَالُوا لَا ضَيْرَ ۖ إِنَّا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَن كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾﴾ (الشعراء: ٤٥ تا ٥١)

''تو موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا عصا پھینکا تو وہ ان کی رسیوں اور لاٹھیوں کو اوران کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرگیا۔تو یہ دیکھ کر سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور بول اٹھے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر، موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔فرعون نے کہا: تم ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمھیں اس کی اجازت دیتا، معلوم ہوگیا کہ یہی تمہارا سردار ہے جس نے تمھیں جادوگری سکھائی تھی۔اچھا اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواتا ہوں اور کھجور کے تنوں پر تم کو سولی دیتا ہوں، پھر تمھیں پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔انھوں نے جواب دیا: کچھ پرواہ نہیں، ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کردے گا کیوں کہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں۔''

اورایک دوسرے مقام پر ہے:

﴿قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا ۖ فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾﴾ (طه: ٧٢)

''جادوگروں نے جواب دیا:قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، یہ ہرگزنہیں ہوسکتا کہ ہم روشن نشانیاں سامنے آجانے کے بعد بھی تجھے ترجیح دیں، تو جو کرنا چاہے کر لے، تو زیادہ سے زیادہ بس اس دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرسکتا ہے۔''

تو فرعون کے جادوگروں کو جب بات سمجھ میں آگئی اور دل میں گھر کرگئی، تو کتنی دیر لگی تبدیلی آنے میں؟ چند لمحے!اور کتنی بڑی تبدیلی آئی؟اندازہ کیجئے: پہلے ایک انتہا پر تھے اور تبدیلی کے بعد یکایک دوسری انتہاء پر چلے گئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بات سمجھ میں آنے سے چند لمحے پہلے ان کی حالت کیا تھی اور کس انتہا پر تھے؟ چند لمحے پہلے وہ فرعون سے کہہ رہے تھے:

﴿ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء: ٤١)

"اگر ہم غالب رہے تو کیا ہمیں انعام ملے گا؟"

﴿ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء: ٤٢)

"اس نے کہا: ہاں! اور پھر تم مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔"

مگر جب بات سمجھ میں آگئی تو انعام تو گیا بھاڑ میں، وہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

اب اس واقعے کی روشنی میں اگر ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور دیکھیں کہ ہمیں کہاں تک بات سمجھ میں آئی ہے تو شاید سر شرم سے جھک جائیں کہ ہم سال ہا سال سے اللہ کا پیغام سنتے چلے آرہے ہیں اور ابھی تک ہمارے طرز زندگی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، جو اس بات کی علامت ہے کہ ہمیں بات سمجھ میں نہیں آئی۔

اب ایسے الفاظ کہاں سے لائیں اور کیسا اسلوب اختیار کریں کہ ہمیں بات سمجھ میں آجائے، قرآن وحدیث سے بڑھ کر تو کوئی بات اور کوئی اسلوب اثر انداز نہیں ہو سکتا، چنانچہ حکم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی وعید اور تنبیہ سے ڈرے اسے قرآن کے ذریعے نصیحت کرو۔

﴿ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ ﴾

(ق: ٤٥)

"آپ کا کام ان سے جبراً بات منوانا نہیں ہے، بس آپ اس قرآن کے ذریعے سے ہر اُس شخص کو نصیحت کر دو جو میری تنبیہ سے ڈرے۔"

اور اگر قرآن کی بات بھی سمجھ نہیں آتی تو ڈر یہ ہے کہ کہیں خطرے کا الارم نہ بج چکا ہو۔

اور خطرے کا الارم کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اٰیَةٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡا بِهَا ۚ وَ اِنۡ یَّرَوۡا سَبِیۡلَ الرُّشۡدِ لَا یَتَّخِذُوۡهُ سَبِیۡلًا ۚ وَ اِنۡ یَّرَوۡا سَبِیۡلَ الۡغَیِّ یَتَّخِذُوۡهُ سَبِیۡلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِیۡنَ ﴿۱۴۶﴾ (الاعراف: ١٤٦)

''میں اپنی آیات سے اُن لوگوں کی نگاہیں پھیر دوں گا جو بغیر کسی حق کے زمین پر تکبر کرتے ہیں اور اگر ہر نشانی دیکھ لیں تو بھی اس پر ایمان نہیں لاتے اور اگر بھلائی کا راستہ دیکھ لیں تو اسے راستہ نہیں بناتے اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے راستہ بنا لیتے ہیں، یہ اس لیے کہ بے شک انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غافل تھے۔''

اور خطرے کی گھنٹی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈھیل دے دیتا ہے اور خطرے کی گھنٹی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دل سخت کر دیتا ہے اور خطرے کی گھنٹی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی بے راہ روی پر اسے مزید نعمتوں سے نوازتا چلا جاتا ہے۔اسی طرح اور بہت سے خطرات ہیں۔لہٰذا جو شخص آخرت پر یقین رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ عمل صالح کرے۔

﴿فَمَنۡ كَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾﴾ (الکہف: ١١٠)

''پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور زندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکرِ آخرت سے اعراض کا انجام گمراہی

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۞﴾ (فاطر : ۵)

گذشتہ چند جمعوں سے فکرِ آخرت کے حوالے سے بات ہورہی تھی اورفکرِ آخرت کے حوالے سے بات کرنا یقیناً ہماری زندگی کا سب سے اہم موضوع ہے، حتی کہ دیگر موضوعات بھی بالواسطہ اسی موضوع سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بالآخر اسی نقطے پر آکر ٹھہرتے ہیں لیکن بلاواسطہ اور مسلسل اتنے دنوں سے اس موضوع پر گفتگو کرنے کا مقصد تو یہ تھا کہ دلوں کی مٹی ذرا نم ہو، تاکہ کاشت کے قابل بن جائے۔

اور آپ جانتے ہیں کہ بنجر، پتھریلی اور خشک زمین پر کچھ اُگایا نہیں جاسکتا، جبکہ زرخیز زمین کو بھی کاشتکاری کے قابل بنانے کے لئے نم اور تر کرنا اور اسے ہموار کرنے کے لئے ہل اور کراہ چلانا اور پھر سہاگہ دینا ضروری ہوتا ہے اور پودوں کی نشوونما کے لئے زمین کا مناسب وتر اور بُھر بُھری ہونا اور جڑی بوٹیوں سے پاک ہونا درکار ہوتا ہے۔

تو کیا ہمارے دلوں کی زمین میں کچھ ایسی تبدیلی آئی ہے اور کچھ ایسے اوصاف پیدا ہوگئے ہیں کہ ہم اسے کاشتکاری کے قابل سمجھ سکیں یا ابھی تک ویسی ہی سخت، خشک اور ناہموار ہے؟

اگر کیفیت ایسی ہی ہے تو یہ بڑی سنگین اور خطرناک صورت حال ہے، کیونکہ دلوں کی سختی کا مطلب ہوتا ہے کہ دل نصیحت وموعظت کو قبول نہیں کرتے، اصلاح احوال کی اُمید دم توڑ چکی ہے اور دل پر بدنصیبی کا لیبل لگا کر سردست سربمہر کردیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی بدبختی اور بدنصیبی سے محفوظ فرمائے۔آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو دل ہدایت کو قبول نہیں کرتے، نصیحت کے سامنے اپنے دروازے بند کر لیتے ہیں وہ اتنے سخت ہوتے ہیں کہ پتھر کی سختی بھی اُن کے سامنے کم ہوتی ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دلوں کی سختی کا ذکر کیا ہے، بنی اسرائیل کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی متعدد نشانیاں دکھائیں اور فرمایا:

﴿وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ (البقرۃ : ۷۳)

"اور وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔"

مگر وہ راہ راست پر نہ آئے، اپنی بدعہدیوں اور نافرمانیوں سے باز نہ آئے۔ایک نشانی اللہ تعالیٰ نے یوں دکھائی کہ بنی اسرائیل میں ایک قتل ہوا، تو اس قتل کی گتھی سلجھانے کے لیے اور قاتل کو بے نقاب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس گائے کا کوئی ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم پر لگاؤ تو وہ زندہ ہو جائے گا چنانچہ جب گائے ذبح کر کے اس کا ٹکڑا لگایا گیا تو وہ زندہ ہوا اور اس نے بتادیا کہ اسے فلاں نے قتل کیا ہے، یہ بتانے کے بعد پھر وہ اسی حالت میں چلا گیا تو قاتل نے انکار کر دیا اور کہا کہ اس نے قتل نہیں کیا، اس واضح نشانی کے بعد بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا، اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کے دلوں کی سختی کا کیا عالم ہوگا ، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی سختی کو اک تشبیہ کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴾

(البقرہ : ۷٤)

"مگر ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد آخرکار تمہارے دل سخت ہوگئے، پتھروں کی طرح سخت، بلکہ سختی میں کچھ اُن سے بھی بڑھے ہوئے، کیونکہ پتھروں میں سے تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹ بہتے ہیں، کوئی پھٹتا ہے اور اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں سے پانی نکل آتا ہے اور کوئی اللہ کے خوف سے لرز کر گر بھی پڑتا ہے۔''

تو پتھر اس قدر سخت ہونے کے باوجود بھی اللہ کے خوف سے کانپتے اور گر پڑتے ہیں، مگر بے فکر انسان اس سنگ سے بھی زیادہ سنگدل ہے، تو ایسا دل جو نصیحت قبول نہیں کرتا وہ سخت ہے، اور سخت دل نصیحت قبول کرتا ہے اور نہ کسی تنبیہ اور تہدید کا اثر لیتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ فَلَوْلَآ إِذْ جَآءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا۟ وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴾ (الانعام : ٤٣)

''پس جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو انہوں نے ہماری منت سماجت کیوں نہ کی، ہمارے سامنے عاجزی کیوں اختیار نہ کی، اور ہمارے حضور گڑگڑائے کیوں نہ؟ مگر اُن کے دل سخت ہوگئے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں شیطان نے اسے ان کی نظروں میں مزین کر دیا۔''

گویا انہیں اطمینان دلایا ہے کہ تم بالکل صحیح کر رہے ہو یعنی جو کچھ تم کر رہے ہو یہی اصل کرنے کا کام ہے، یہی وقت کا تقاضا ہے اور اسی میں ملک وقوم کی خدمت ہے، اس لئے لگے رہو اپنی اور اپنے بچوں کی فکر اور آخرت کا ذکر چھوڑو یہ سب کتابی باتیں ہیں۔

اور پھر ایسی بے رخی اور بے اعتنائی کا انجام کچھ یوں ہوتا ہے کہ:

﴿ فَلَمَّا نَسُوا۟ مَا ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَٰبَ كُلِّ شَىْءٍ حَتَّىٰٓ إِذَا فَرِحُوا۟ بِمَآ أُوتُوٓا۟ أَخَذْنَٰهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ﴾ (الانعام : ٤٤)

''اور پھر جب انہوں نے اُس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے اُن کے لئے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب وہ اُن بخششوں میں جو اُنہیں عطا کی گئی تھیں خوب مگن ہوگئے، تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور اب حال یہ تھا کہ وہ ہر خیر سے مایوس تھے۔''

جن کے دلوں میں نفاق کا روگ ہو یا وہ سخت ہوں، تو اُن کے دل خصوصی طور پر شیطان

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کی آماجگاہ، اس کا نشانہ اوراس کا ہدف ہوتے ہیں، شیطان کے وسوسے، اس کے خیالات اور اس کے شکوک وشبہات سب سے زیادہ انہی دلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

﴿ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴾ (الحج : ۵۳)

''یہ اس لئے کہ شیطان کے خلل اور رخنے اندازی اوراس کی ڈالی ہوئی خرابی کو فتنہ بنادیا جائے اُن لوگوں کے لئے کہ جن کے دلوں میں نفاق کا روگ ہو یا جن کے دل سخت ہوں۔''

تو دلوں کی سختی ایک نہایت ہی خطرناک معاملہ ہے چنانچہ دل کی سختی کو قرآن پاک میں نہایت ہی شدید اور سنگین الفاظ میں بیان کیا گیا ہے فرمایا:

﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰي نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (الزمر: ۲۲)

''کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا۔ تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل اللہ کی نصیحت سے اور سخت ہوگئے۔''

تو یہ بات تو واضح ہے کہ دل اگر سخت ہوتو اس پر نصیحت اثر نہیں کرتی، آخرت کی باتیں دل میں نہیں بیٹھتیں، تو دلوں کی سختی ایک بہت بڑی بیماری ہے، بہت بڑی آزمائش اور ایک بہت بڑی سزا ہے۔

دل کی سختی ایک بہت بڑی بیماری اور آزمائش اس لئے ہے کہ آدمی کو اُس کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ اس بیماری میں مبتلا ہے، حتیٰ کہ بتانے پر بھی اُس کا احساس نہیں ہوتا اور نہ وہ ماننے کو تیار ہوتا ہے؟

تاہم اگر کوئی ایمانداری سے اور سنجیدگی سے اس کا جائزہ لینا چاہے اور جاننا چاہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہیں وہ دل کی سختی کی بیماری میں مبتلا تو نہیں ہے تو وہ خود بھی جان سکتا ہے، ورنہ وہ کسی روحانی امراض کے ماہر سے بھی رابطہ کر سکتا ہے۔

دلوں کی سختی جانچنے کے خواہشمند حضرات کے لئے اس کی چند علامات کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر اپنے اپنے دل کی سختی جانچنے کے لئے، کہ دوسروں کے دلوں کی سختی جانچنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا، بلکہ نقصان ہی ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے دلوں کی سختی سے غافل ہو جائیں گے۔

اس بیماری کی علامات میں سے ایک علامت ہے: آنکھوں کا جامِد اور خشک ہو جانا، آنکھوں میں آنسو نہ آنا، آنکھوں میں قحط پڑ جانا۔

اور امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَمَتَى أُقْحِطَتِ الْعَيْنُ مِنَ الْبُكَاءِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ، فَاعْلَمْ أَنَّ قَحْطَهَا مِنْ قَسْوَةِ الْقَلْبِ)) (بدائع الفوائد: ۱۲۰۰)

اور جب اللہ کے ڈر سے آنکھوں سے آنسو ٹپکنے بند ہو جائیں تو پھر جان لو کہ آنکھوں کا وہ قحط اور خشک سالی دل کی سختی کی وجہ سے ہے۔

ہم اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کہیں ہماری آنکھیں بھی اللہ کے خوف سے بہنے والے آنسوؤں کے حوالے سے قحط سالی کا شکار تو نہیں ہیں؟

اللہ کے ڈر سے آخری بار ہماری آنکھوں سے کب کوئی آنسو ٹپکا؟ اللہ کے ڈر سے بہنے والے آنسوؤں کی بات کر رہا ہوں میں اُن آنسوؤں کی بات نہیں کر رہا جو بھرے مجمعے میں لمبی لمبی دعائیں کرتے ہوئے بہائے جاتے ہیں، یا کسی منبر پر کھڑے ہو کر رقت بھری آواز کی صورت میں دکھائے جاتے ہیں، بلکہ ان آنسوؤں کی بات کر رہا ہوں جو رات کی تاریکی میں اور تنہائی اور خلوت میں خالص اللہ کے ڈر سے بہنے لگتے ہیں، کتنا خوش قسمت ہے وہ انسان اور کتنی خوش نصیب ہے وہ آنکھ کہ اللہ کے ڈر سے جس سے کوئی آنسو ٹپک پڑیں۔

وہ سات خوش نصیب انسان کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنہیں اپنا سایہ نصیب فرمائیں گے ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے کہ اللہ کے ڈر سے جس کی آنکھ سے آنسو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاری ہو گئے ہوں۔

" وَرَجُلٌ ذَكَرَاللّٰه َخَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ " (صحيح بخاری : ٦٦٠)

" اور ایک وہ شخص کہ خلوت میں جب اُس نے اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔"

کوئی دنیادار اور سنگدل انسان ایسی آنکھ کی قدر و قیمت کیا جانے اور اس سے بہنے والے ایک آنسو کا، جو خالص اللہ کے خوف سے بہا ہو، مقام و مرتبہ کیا سمجھے!

آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَيْنَانِ لَاتَمَسُّهُمَا النَّارُ: عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) (ترمذي : ١٦٣٩)

" دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں جہنم کی آگ نہ چھوسکے گی: ایک وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے رو پڑی ہو اور ایک وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔"

اور فرمایا:

((لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ)) (ترمذي : ١٦٣٣)

" وہ شخص جو اللہ کے ڈر سے رو پڑا ہو جہنم میں نہیں جائے گا جب تک دودھ تھنوں میں نہیں لوٹ جاتا، یعنی ہرگز جہنم میں نہیں جائے گا۔"

مگر افسوس کہ آج اُن آنسوؤں کے قدر دان خال خال ہی نظر آئیں گے، وہ ہمارے اسلاف ہی تھے جو اللہ کے ڈر سے بہنے والے آنسوؤں کی قدر و قیمت سمجھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَأَنْ أَدْمَعَ دَمْعَةً مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِأَلْفِ دِيْنَارٍ)) (شعب الايمان : ٨١٦)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''مجھے اللہ تعالیٰ کے ڈر سے ایک آنسو بہانا، ایک ہزار دینار صدقہ کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔''

آج ہم میں سے کتنے ہیں جنہیں کبھی اللہ کے ڈر سے آنسو بہانے کی سعادت نصیب ہوئی ہو، یا اس کے حصول کی کبھی کوشش کی ہو، یا کبھی اس کی ضرورت محسوس کی ہو، شاید کم ہی ایسے خوش نصیب ہوں گے جنہوں نے کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس ہو۔

خیر یہ تو ایک الگ موضوع ہے، بات ہورہی تھی دل کی سختی کی کہ اگر کوئی جاننا چاہے کہ اُس کا دل سختی کا شکار ہے یا نہیں، تو وہ اُس کی علامات دیکھ کر اپنا حال معلوم کر لے، اور اُن علامات میں سے ایک آنکھوں میں قحط پڑ جانا ہے۔

اور ایک علامت وعظ ونصیحت کا اثر نہ ہونا ہے، حکم یہ ہے کہ جو اللہ کی تنبیہ سے ڈرتا ہو اسے قرآن سے نصیحت کی جائے۔

﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾ (ق : ٤٥)

''جو اللہ کی وعید اور تنبیہ سے ڈرے اسے قرآن سے نصیحت کیجئے۔''

اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کی اہمیت اور شرف وفضیلت کا اندازہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن اہل ایمان کی تعریف کی ہے کہ قرآن سن کر جن کے دل کانپ جاتے ہیں اور ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ (الانفال : ٢)

''ایمان والے تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔''

اور اس کے برعکس کچھ وہ لوگ ہیں جن پر قرآن کا کچھ اثر نہیں ہوتا، ان کی اس کیفیت پر افسوس کا اظہار کرتے اور انھیں وعید سناتے ہوئے فرمایا:

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞ ﴾ (الجاثیه : ۷)

"تباہی ہے ہر اُس جھوٹے بداعمال شخص کے لئے جس کے سامنے اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور وہ اُن کو سنتا ہے پھر ازراہِ تکبر اپنی اسی حالت پر مصر رہتا ہے گویا کہ اُس نے ان کو سنا ہی نہیں۔"

تو نصیحت کی باتیں سن کر اور قرآن سن کر اثر نہ لینا دل کی سختی کی ایک علامت ہے اور اسی طرح دیگر متعدد نشانیوں میں سے ایک نشانی اور علامت یہ بھی ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے حالات و واقعات اور حوادث زمانہ سے نصیحت نہیں لیتا جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۞ ﴾ (التوبة: ١٢٦)

"کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ یہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، مگر اس پر بھی نہ توبہ کرتے اور نہ سبق لیتے ہیں۔"

اسی طرح اور بھی علامات ہیں، مگر ہمیں کچھ اسباب کا جائزہ بھی لینا ہے کہ دلوں کی سختی کے اسباب و وجوہات کیا ہیں۔

دلوں کی سختی کے اسباب تو بہت زیادہ ہیں جیسے لمبی لمبی امیدوں میں گم رہنا، نماز باجماعت کا اہتمام نہ کرنا، قرآن پاک کی تلاوت نہ کرنا، خرید وفروخت میں حلال اور حرام کی تمیز نہ کرنا، لوگوں کو حقیر جاننا، مال ودولت پر اترانا، برے دوستوں کی صحبت اختیار کرنا وغیرہ۔

غرضیکہ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں مگن ہونا اور آخرت کو بھول جانا، جن کے پاس دولت ہے وہ تو اس کے نشے میں اور اس کی لذت میں گم رہتے ہیں اور جن کے پاس نہیں ہے وہ اس کے حصول کی سعی وجہد میں اور اس کے تصور میں گم رہتے ہیں۔

دلوں کی سختی کا علاج: انہی کوتاہیوں کو دور کرنا ہے یعنی لمبی لمبی امیدیں نہ باندھیں، نماز باجماعت کی پابندی کریں، قرآن پاک کی تلاوت پابندی سے کریں، نوافل کا اہتمام کریں، چاہے تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں، اخلاص کے ساتھ ادا کی گئی دو رکعتیں بھی اللہ کے حضور اتنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قیمت پاتی ہیں کہ انسان تصور نہیں کرسکتا۔

مثلاً فجر کی دوسنتوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی قدر و قیمت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا)) (بخاری : ۲۸٤۰)

''فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔''

اور فجر کی سنتیں فرض نہیں ہیں بلکہ نوافل میں آتی ہیں البتہ بہت زیادہ اہمیت ، فضیلت اور اجر وثواب کی حامل ہیں ، جیسا کہ حدیث میں ہے ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ مِنْهُ تَعَاهُدًا عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ)) (بخاري : ۱۱٦۳)

''آپ ﷺ نوافل میں سے فجر کی دو رکعتوں سے زیادہ کسی چیز پر سخت پابندی نہیں کرتے تھے۔''

غرضیکہ دلوں کی سختی دور کرنے کے لیے کوئی بھی نیک اعمال کیے جاسکتے ہیں ، چاہے وہ کتنے چھوٹے اور بظاہر معمولی ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ حدیث میں ہے ، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَتُحِبُّ أَنْ يَلِيْنَ قَلْبُكَ ، وَتُدْرِكَ حَاجَتَكَ؟ إِرْحَمِ الْيَتِيْمَ وَامْسَحْ رَأْسَهُ وَأَطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِكَ ، يَلِنْ قَلْبُكَ ، وَتُدْرِكْ حَاجَتَكَ)) (صحيح الجامع : ۸۰)

''کیا تم چاہتے ہو کہ تمھارا دل نرم ہو اور تمھاری ضرورتیں پوری ہوں؟ یتیم کے ساتھ شفقت کرو اس کے سر پر ہاتھ پھیرو اور اپنے کھانے میں سے کھانا کھلاؤ، تمھارا دل نرم ہوگا اور تمھاری حاجتیں پوری ہوں گی۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

اقول قولي هذا واستغفر الله العظيم لی ولكم ولسائر المسلمين من كل ذنب انه هو الغفور الرحيم ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکرِ آخرت سے انسان کو مقصدِ حیات کے سمجھنے اور ترجیحات کے تعین میں مدد ملتی ہے

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّ وَعۡدَ ٱللَّهِ حَقّٞۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ ٱلۡحَيَوٰةُ ٱلدُّنۡيَاۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِٱللَّهِ ٱلۡغَرُورُ ۝٥ ﴾ (فاطر : ۵)

اس حقیقت سے ہر شخص آگاہ ہے کہ انسان کی زندگی میں پرائرٹیز، اولویات اور ترجیحات نہایت ضروری ہیں، کہ ترجیحات اگر نہ ہوں تو دنیا کا سارا نظام بے ربط، بے ہنگم اور درہم برہم ہو جائے۔

ترجیحات انسان کی ضرورت ہے،زندگی کے ہر شعبے میں ضروری ہے اور اس ضرورت کا احساس اور اس کی سمجھ انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ترجیحات آدمی کی سوچ،اس کے عقیدے اور نظریے اور اس کے اہداف و مقاصد کی غماز اور عکاس ہوتی ہیں ۔ترجیحات سے انکار اور اعراض ممکن نہیں،صرف اختیار مختلف ہوتا ہے کہ کوئی شخص کون سی ترجیحات اختیار کرتا ہے۔

ترجیحات کی اصل میں تو بنیاد اور معیار عقیدہ ونظریہ اور ایمان ہوتا ہے،مگر بعض کے ہاں ترجیحات کی بنیاد محض اس کی خواہشات ہوتی ہیں ۔ترجیحات آدمی کی اپنے اہداف و مقاصد کے ساتھ سنجیدگی اور اخلاص یا لاابالی پن اور عدم اخلاص کی علامت ہوتی ہیں اور اس کی دانشمندی یا حماقت کی ترجمانی کرتی ہیں۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ترجیح کیا ہوتی ہے؟

ترجیح کا مطلب ہے: دو چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا،کسی ایک کو اختیار کرنا، دو رائے میں سے ، دو کاموں یا دو باتوں میں سے کسی ایک کو پسند کرنا ، اپنا وزن کسی ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پلڑے میں ڈالنا، اس کی طرف مائل ہونا، جھک جانا، اپنی قوتیں اور صلاحتیں، اپنے اختیارات، اپنا وقت، اپنا پیسہ، اپنی سوچ، اور فکر اور اپنے جذبات دو چیزوں میں سے کسی ایک کے لیے وقف کر دینا، ترجیح دینا کہلاتا ہے۔ترازو کے دو پلڑوں میں سے کسی ایک کا بھاری ہونا، اس کا راجح ہونا کہلاتا ہے۔جیسا کہ حدیث میں ہے؛آپ ﷺ نے فرمایا:

((تُوْضَعُ الْمَوَازِيْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَتُوْزَنُ الْحَسَنَاتُ وَالسَّيِّئَاتُ فَمَنْ رَجَحَتْ حَسَنَاتُهُ عَلَى سَيِّئَاتِهِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ ، وَمَنْ رَجَحَتْ سَيِّئَآتُهُ عَلَى حَسَنَاتِهِ دَخَلَ النَّارَ)) (فتح الباري ، ج: ١٣ ، ص: ٥٣٩ ـ مختصر تاريخ دمشق : ٢١٤٥٢ ، السلسلة الضعيفة : ١٣١٦٧)

قیامت کے دن ترازو قائم کیے جائیں گے، ان میں حسنات وسیأت تولی جائیں گی، پس جس کی نیکیاں اس کے گناہوں پر ایک دانے کے برابر بھاری، غالب اور راجح ہو گئیں تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔اور جس کے گناہ اس کی نیکیوں پر راجح ہوئے وہ جہنم میں داخل ہو جائے گا۔

تو ترجیح کا مطلب ہے دو کاموں میں سے ایک کی طرف مائل ہونا، جھک جانا، اہمیت دینا اور مقدم رکھنا۔

ترجیح دنیا کہ کاموں میں بھی ہوتی ہے اور دین کے کاموں میں بھی ہوتی ہے، ترجیح اچھے کاموں میں بھی ہوتی ہے اور برے کاموں میں بھی ہوتی ہے، اور ترجیح اچھے اور برے کاموں کے درمیان بھی ہوتی ہے۔ترجیح انسان کی ضرورت بھی ہے اور اس کی ایک بہت بڑی خوبی بھی ہے بشرطیکہ اس کا صحیح استعمال ہو، کیونکہ صحیح ترجیح انسان کو خوب سے خوب تر اور بلند سے بلند تر کی طرف لے کر جاتی ہے۔

ترجیح کی ضرورت انسان کو زندگی کے ہر شعبے میں پڑتی ہے، اعلیٰ کو ادنیٰ پر اولویت دینے کے لیے، مفید کو غیر مفید پر، اہم کو غیر اہم پر، فرض کو نفل پر، افضل کو مفضول پر، اصل کو فرع پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور آخرت کو دنیا پر مقدم کرنے کے لیے ترجیح کی ضرورت ہوتی ہے۔

خوب پر خوب تر کو ترجیح دینا، اور خراب پر خراب تر سے بچنے کو ترجیح دینا انسان کی فطرت میں موجود ہے، آپ کسی بچے کو بھی جو تھوڑی سی سمجھ بوجھ رکھتا ہو دو چیزوں میں سے ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیں تو وہ ان میں سے زیادہ اچھی والی چیز کو ہی اختیار کرے گا، اگرچہ اسے یہ اندازہ کرنے میں کہ ان میں سے زیادہ اچھی کون سی ہے غلطی لگ سکتی ہے، تو جب کوئی بچہ بھی ترجیح کی حقیقت کو سمجھتا اور محسوس کرتا ہے۔ تو پھر کوئی سمجھدار آدمی کیونکر اس صلاحیت اور وصف سے لاعلم اور عاری رہ سکتا ہے۔

دو چیزوں میں سے زیادہ اچھی چیز کو صرف وہ شخص اختیار نہیں کرتا جسے اس کے زیادہ اچھے اور بہتر ہونے کا علم نہ ہو، یا کوئی کم عقل شخص، جو اچھی اور زیادہ اچھی میں فرق نہیں کر سکتا یا کوئی بدنصیب یا بدبخت جو تجاہل سے کام لے رہا ہو، یعنی جان بوجھ کر انجان بنا ہوا ہو، باقی ہر شخص خوب سے خوب تر کو پسند کرتا اور ترجیح دیتا ہے۔

اچھی اور بری چیز میں فرق کر لینا کوئی کمالِ عقل نہیں ہے، بلکہ اصل عقلمندی یہ ہے کہ آدمی دو اچھی چیزوں میں سے زیادہ اچھی چیز کو سمجھتا ہو، اور دو بری چیزوں میں سے زیادہ بری چیز کو پہچان سکتا ہو جیسا کہ کہتے ہیں کہ:

((لَيْسَ الْعَاقِلُ الَّذِيْ يَعْلَمُ الْخَيْرَمِنَ الشَّرِّ))

عقلمند وہ نہیں ہے جو خیر اور شر کی پہچان رکھتا ہے۔

((وَلَـكِنَّ الْعَاقِلُ الَّذِيْ يَعْلَمُ خَيرَ الْخَيْرَيْنِ وَشَرَّ الشَّرَّيْنِ)) (مجموع الفتاوى لابن تيمية ، ج: ٢٠ ، ص: ٥٤)

بلکہ عقلمند وہ ہے جو خیر کی باتوں میں زیادہ خیر کی بات کو سمجھتا ہو اور دو بری چیزوں میں سے زیادہ بری چیز کو پہچانتا ہو۔

آج ہمارا انفرادی طور پر، اور اجتماعی طور پر مِن حَيث الأُمَّة سب سے بڑا، یا کم از کم بہت بڑے بڑے مسائل میں سے ایک بہت بڑا مسئلہ ہماری ترجیحات کے اختلال اور عدم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

توازن کا شکار ہوتا ہے۔

کس کس شعبے کی کس کس ترجیح کی بات کریں، زندگی کے تمام شعبوں میں تقریباً تمام ہی ترجیحات عدم توازن کا شکار ہیں۔

مثال کے طور پر جسم کی صحت وسلامتی اور تندرستی کی ضرورت واہمیت پر کسی کو اعتراض اور انکار نہیں ہوسکتا اور اس غرض کے لیے سپورٹس، ایکسرسائزز اور دیگر فزیکل ایکٹیوٹیز کا اہتمام یقیناً قابل اعتراض نہیں ہے۔لیکن جسمانی صحت وتندرستی کے نام پر ایسے کھیلوں کا اہتمام کرنا جن سے دین کے تقاضے متاثر ہوتے ہوں، بلکہ یکسر نظر انداز کیے جاتے ہوں کسی صورت مثبت ترجیح نہیں ہوگی۔

جسمانی صحت کو اور اس کے لیے کسی کھیل کو اگر اتنا ہی اہم مان لیا جائے جتنا کہ اس کو اہمیت دی جاتی ہے تو کیا اسے روحانی صحت پر ترجیح دی جاسکتی ہے؟

جسمانی صحت کے لیے جس قدر ذاتی اور قومی ذرائع اور وسائل استعمال کیے جاتے ہیں اگر ان کھیلوں کے اہتمام کو جسمانی صحت کے لیے ہی تسلیم کرلیا جائے تو کیا اتنا ہی اہتمام اور اہمیت روحانی صحت کو بھی دی جاتی ہے؟ جبکہ اصولاً،عقلاً اور شرعاً روحانی صحت ہر لحاظ سے جسمانی صحت پر مقدم ہے،حتٰی کہ انسان کو کھانے پینے کی ضرورت سے بھی زیادہ دین کی اور دین کی سلامتی کی ضرورت ہے۔

کھیل کود کو اس قدر ترجیح کہ اس سے انسانی زندگی کے بہت سے معاملات اور بنیادی حقوق متاثر ہوں اور ان میں دین کا کہیں نام ونشان تک نہ ہو، بلکہ اس کو ضروری ہی نہ سمجھا جاتا ہو،تو ایسی ترجیح کو آپ کیا نام دیں گے؟

آج کھیل اور کھلاڑیوں کے ساتھ تعلق اور لگاؤ دیوانگی کی حد تک ہے،اور اس کے نتیجے میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ایک الگ کہانی ہے، دنیا میں کھلاڑیوں کو جو عزت، جو مقام ومرتبہ اور جو اہمیت دی جاتی ہے،کسی عالمِ دین کو اس کے عشرِ عشیر بھی اہمیت نہیں دی جاتی ہے، بلکہ قابلِ ذکر ہی نہیں سمجھا جاتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی کھلاڑی، کوئی ایکٹر، کوئی گلوکار فوت ہو جائے تو پورا ملک سوگوار ہوتا ہے، اور اس کی مدح سرائی کے قصیدے پڑھے جانے لگتے ہیں، لیکن کوئی عالم فوت ہو جائے تو اس کی وفات کی خبر کو بھی وقت اور پیسے کا ضیاع سمجھا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

ایسا اس لیے ہے کہ ہماری ترجیحات میں نہ صرف یہ کہ عدم توازن ہے بلکہ ترجیحات الٹ پلٹ ہو گئی ہیں، اور ان کا معیار ہی بدل گیا ہے۔

ہماری ترجیحات دین اور فکرِ آخرت پر مبنی نہیں بلکہ ہماری ترجیحات کا مرجع اور مرکز و محور ہماری خواہشات ہیں اور قرآن پاک نے اس ضمن میں ایک قاعدہ بیان کر رکھا ہے، فرمایا:

﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَآءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ۝﴾

(القصص: ۵۰)

”اے پیغمبر ﷺ اگر یہ لوگ آپ کی بات نہیں مانتے تو جان لیجئے کہ یہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہو گا جو اللہ کی رہنمائی کے بغیر اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہو۔“

یعنی اگر آدمی کی ترجیحات دین کے مطابق نہیں تو پھر وہ خواہشاتِ نفس کے مطابق ہیں۔

جس قوم کا یہ حال ہو، اور مجموعی طور پر یہ حالت ہو کہ قوم کے تمام افراد، پوری حکومت، تمام اخبارات، ٹی وی چینلز کھیل پر گفتگو کرتے ہوئے نظر آئیں، اس کے انعقاد کے لیے تمام وسائل جھونک دیے جائیں، ہزاروں افراد کو سیکیورٹی پر مامور کر دیا جائے، ٹرانسپورٹیشن فری کر دی جائے، کروڑوں روپیہ خرچ کر دیا جائے، اور ٹکٹوں کے حصول کے لیے قطاریں لگ جائیں۔

آپ کیا سمجھتے ہیں کہ دنیا میں ان کی ترجیحات کا مقصد اور معیار کیا ہو گا؟

افسوس! آج مسلمانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے، اور اکثریت یوں بھی راہ راست پر کم ہی ہوتی ہے اور جو راہ راست پر ہوتے ہیں پھر ان میں سے بھی بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو دنیا میں زہد و تقویٰ کی مثال اور طلب آخرت کے میدان میں ایک نمونہ ہوتے ہوں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس حوالے سے آپ ﷺ نے ایک عمومی تناسب بیان فرمایا ہے، فرمایا:

((إِنَّمَا النَّاسُ كَإِبِلٍ مِائَةٍ لَا يَجِدُ الرَّجُلُ فِيهَا رَاحِلَةً))

(صحيح الترمذي : ٢٨٧٢)

معیاری لوگوں کا تناسب لوگوں میں ایسے ہی ہے جیسے سو اونٹ ہوں اور ان میں مشکل سے کوئی ایک اونٹ سواری کے قابل پایا جائے۔

اونٹوں میں کسی اونٹ کو اچھا قرار دینے اور اسے سواری کے قابل کہنے کا مطلب ہے، کہ وہ خوبیوں، صلاحیتوں، قابلیتوں اور اچھی صفات والا ہے اور ایسا اونٹ کہ جو مضبوط اور طاقت ور ہو، بوجھ اٹھانے کے قابل ہو، اس میں قوتِ برداشت ہو، صبر اور تحمل ہو، تیز رفتار ہو، پھرتیلا ہو، سرکش نہ ہو (کہ سوار ہونے والے کو سوار نہ ہونے دے) بلکہ مالک کے سامنے نرم اور فرمانبردار ہو اور وفادار ہو، یقیناً سو اونٹوں میں بھی بمشکل پایا جانے والا ہے، گویا کہ جانوروں میں یہ تناسب ایک اور سو کا ہے، یعنی کوئی ایک جانور دوسرے جانوروں سے خوبیوں کے لحاظ سے سو گنا بہتر اور مفید ہوسکتا ہے، جب کہ انسانوں میں یہ تناسب ہزار گنا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ شَيْءٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفٍ مِثْلِهِ إِلَّا الْإِنْسَانُ))

(المعجم الكبير للطبراني : ٦٠٩٥)

''کوئی چیز اپنے جیسی ایک ہزار چیزوں سے بہتر نہیں ہوسکتی سوائے انسان کے۔''

یعنی انسان کے اندر اتنا پوٹینشل موجود ہے اور اُس کے اندر ایسی ایسی خوبیاں، صلاحیتیں، صفات، قوتیں اور خصلتیں پائی جائیں کہ اپنے جیسے ایک ہزار لوگوں سے بہتر ہوسکتا ہے۔

لیکن افسوس کہ آج کا مسلمان ایک ہزار گنا کسی سے بہتر تو کیا ہوگا، سو گنا بھی نہیں ہے، سو گنا ہی ہوجاتا تو ہم کم از کم جانوروں کے برابر ہی ہوجاتے۔

اور پھر یہ جو بہتری ہے، اس کا مطلب اپنی ذات کے لئے بہتر ہونا نہیں، بلکہ دوسروں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لئے بہتر ہونا ہے، اور اس میں اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر ہونا بھی ہے، بلکہ اس کو تو بہتری کا معیار مقرر فرما دیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي))

(ترمذي : ٣٨٩٥)

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر اور اچھا ہے، اور میں تم میں سے اپنے اہل خانہ کے لیے اچھا ہوں۔''

ایسے ہی حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللّٰه أَنْفَعُهُمْ وَأَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ سُرُوْرٌ تُدْخِلُهُ عَلَى مُسْلِمٍ ، أَو تَكْشِفُ عَنْهُ كُرْبَةً ، أَوْتَقْضِي عَنْهُ دَيْنًا ، أَوْ تَطْرُدَ عَنْهُ جُوْعًا ، وَلَأَنْ أَمْشِيَ مَعَ أَخِي الْمُسْلِمِ فِيْ حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ فِيْ الْمَسْجِدِ شَهْرًا)) (صحيح الجامع : ١٧٦)

''جو لوگ دوسروں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ اعمال میں سے ایک یہ ہے کہ تم کسی مسلمان کو کوئی خوشی اور مسرت پہنچاؤ، یا اس سے کوئی تنگی دور کر دو، یا اس کی طرف سے قرض ادا کر دو، یا اس کی بھوک مٹا دو، اور میں اپنے کسی مسلمان بھائی کے ساتھ اس کے کسی کام کے لیے چل کر جاؤں، مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں مسجد میں پورا مہینہ اعتکاف کروں۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں مفید و مثبت ترجیحات اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو ہماری دنیا و آخرت کے لیے فائدہ مند اور بہتر ہو۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکرِ آخرت سے بے فکر انسان اپنے لیے غلط ترجیحات متعین کر لیتا ہے

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝ ﴾ (فاطر : ٥)

ترجیح انسان کی زندگی کا ایک نہایت ہی اہم عمل، روش، طرز زندگی اور اسلوبِ حیات ہے، جو کہ دنیوی اور اخروی زندگی کے لئے یکساں طور پر اہمیت رکھتا ہے، جیسا کہ گذشتہ خطبے میں ہم نے جانا۔

غلط ترجیحات کے نتیجے میں دنیوی زندگی کے نقصانات تو سہے جا سکتے ہیں، مگر انسان اخروی زندگی کے خسارے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

دنیوی زندگی میں غلط ترجیحات کی بے شمار مثالوں میں سے ایک مثال یوں سمجھئے کہ کوئی کینسر کا مریض، جو کینسر کی آخری سٹیج میں ہو، اگر اسے ساتھ میں کوئی نزلہ، زکام، کھانسی جیسی معمولی بیماری بھی لاحق ہو، کہ جو قابل برداشت بھی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود بخود ٹھیک بھی ہوجاتی ہے، اور وہ شخص کینسر کے علاج کو نظر انداز کر کے فلو (FLU) کے علاج کے لئے فکر مند ہو اور اسے کینسر کے علاج پر ترجیح دے، تو آپ ایسی ترجیح کو کیا نام دیں گے؟

نرم سے نرم الفاظ میں اسے غلط ترجیح کہیں گے اور سخت الفاظ میں اس شخص کو احمق اور نادان کہیں گے۔

آپ جانتے ہیں کہ آدمی جب بیمار ہوتا ہے تو عموماً ایسی چیز کی خواہش کرتا ہے جو اسے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے، مگر وہ مصر ہوتا ہے کہ اسے وہی چاہیے، جبکہ اس کے گھر والے اس سے ہمدردی اور خیر خواہی کرتے ہوئے اسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اُس سے بچاتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰه لَيَحْمِي عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ مِنَ الدُّنْيَا وَهُوَ يُحِبُّهُ، كَمَا تَحْمُوْنَ مَرِيْضَكُمْ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ تَخَافُوْنَهُ عَلَيْهِ))

(مسند احمد : ٢٣٦٢٢)

”اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کو دنیا سے بچاتا ہے جبکہ وہ اسے پسند کرتا اور چاہ رہا ہوتا ہے، جیسا کہ تم اپنے بیمار کو کھانے پینے سے بچاتے ہو اس کے نقصان سے ڈرتے ہوئے۔“

یوں تو دنیوی معاملات میں غلط ترجیح کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کا موازنہ، آخرت کے معاملات میں غلط ترجیح سے ہونے والے نقصانات سے ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔

کیونکہ دنیا تو جیسی تیسی گزر ہی جائے گی، اچھی گزرے یا بری اور پھر آخرت کی نعمتوں کی ایک جھلک یا آخرت کی تکلیفوں کی ایک جھلک دیکھ لینے کے بعد دنیا کی نعمتیں یا اس کی تکلیفیں تو گویا کافور ہوجائیں گی۔ مگر آخرت کی زندگی جیسی تیسی نہیں گزرے گی بلکہ غلط ترجیح کے نتیجے میں وہاں انجام بھگتنا ہوگا۔ (إلا ما رحم ربي)

تو دنیا کے معاملے میں غلط ترجیح کے نقصان کا موازنہ، آخرت کے معاملے میں غلط ترجیح کے نقصان سے ہرگز نہیں کیا جاسکتا، یہ صرف بات سمجھانے کے لئے ہے کہ آخرت کے معاملات میں غلط ترجیح آدمی برداشت نہیں کرسکتا۔

سوال یہ ہے کہ ترجیح کا تعین کیسے ہوتا ہے، ترجیح متعین کرنے کا ذمہ دار کون ہے اور اس کے اسباب وعوامل کیا ہیں۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اپنی ترجیح متعین کرنے کا ذمہ دار انسان خود آپ ہے، چاہے اس کے اسباب وعوامل کچھ بھی ہوں اور یہ کہ اس ضمن میں اس کا کوئی بھی عذر ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ قیامت کے دن منکرین حق جب جہنم میں اپنا عذر پیش

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہوئے کہیں گے:

﴿وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ۝ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ۝﴾ (الاحزاب: ٦٧، ٦٨)

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی بات مانی اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کی، انہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا اور گمراہ کر دیا، اور درخواست کریں گے کہ اے ہمارے رب! انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت فرما۔''

اور ایک دوسرے مقام پر ہے:

﴿قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ۝ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ۝﴾ (الاعراف: ٣٨، ٣٩)

اللہ فرمائے گا: ''جاؤ تم بھی اسی جہنم میں چلے جاؤ جس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے گروہِ جن وانس جا چکے ہیں ہر گروہ جب جہنم میں داخل ہوگا، تو اپنے پیش رو گروہ پر لعنت کرتا ہوا داخل ہوگا، حتی کہ جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ہر بعد والا گروہ پہلے گروہ کے بارے میں کہے گا، اے ہمارے رب! یہ لوگ تھے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا، لہٰذا انہیں آگ کا دہرا عذاب دے، ارشاد ہوگا: ہر ایک کے لئے دہرا ہی عذاب ہے، مگر تم جانتے نہیں ہو، اور پہلا گروہ دوسرے گروہ سے کہے گا: تم کو ہم پر بھلا کون سی فضیلت حاصل تھی، اب اپنی کمائی کے نتیجے میں عذاب کا مزہ چکھو۔

یعنی اگر ہم پر الزام یہ ہے کہ ہم چونکہ دنیوی زندگی میں تم سے پہلے آئے تھے، لہٰذا تم ہمارے رہن سہن اور طور طریقوں سے متاثر ہوئے، ہمارے عقائد ونظریات تمہاری گمراہی کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سبب بنے، تو یہ معاملہ خاص تمہارے ساتھ ہی تو نہیں ہوا اسی طرح ہماری گمراہی کا سبب ہم سے پہلے آنے والے بنے۔

اور یوں ہر گروہ کسی نہ کسی کا خلف ہے تو کسی نہ کسی کا سلف بھی ہے، چنانچہ دونوں کو دہرا عذاب ہوگا، ایک خود گمراہ ہونے کا اور دوسرا دوسروں کو گمراہ کرنے کا۔

اور کوئی شخص محض اس بناء پر سزا سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ اپنی گمراہی اور بے راہ روی کا الزام دوسروں کو دے اور انہیں ذمہ دار ٹھہرائے، البتہ قرآن و حدیث میں یہ بات وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ کسی کی گمراہی کا سبب بننے والا بھی اس کی سزا پائے گا۔

تو ترجیحات کے تعین کا ذمہ دار ہر انسان خود آپ ہے، البتہ اُس کے کچھ اسباب وعوامل ضرور ہیں، جن میں سے سب سے پہلا اور بنیادی سبب گھر کا ماحول اور تربیت ہے، پھر دوست واحباب کی محفلیں اور صحبتیں، نظام تعلیم، معاشرہ اور ایک نہایت اہم سبب ہے حکومت وقت۔

اور آج اس دور میں کچھ دیگر اسباب بھی شامل ہو چکے ہیں اور وہ یقیناً سب سے زیادہ مہلک، خطرناک اور تباہ کن ہیں اور وہ ہیں:

سوشل میڈیا اور ٹریڈیشنل میڈیا، اگرچہ وہ بھی گورنمنٹ کے انڈر ہی آتے ہیں، جو کہ بظاہر Independant لگتے ہیں۔

تاہم انسان کی ترجیحات کو متعین کرنے میں ان تمام عوامل کا اپنا اپنا حصہ ہے، لیکن حکومت وقت پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، بشرطیکہ ملک میں اسلامی نظام حکومت رائج ہو، نظام خلافت ہو، جمہوری حکومت میں تو اصلاح معاشرہ ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ حکومت اگر مثال کے طور پر میڈیا پر پابندیاں لگانا چاہے گی، تو کیبل آپریٹرز اور میڈیا ہاؤسز احتجاج کریں گے اور عوام مظاہرے کرے گی اور دھرنے دے گی اور سیاسی جماعتیں انہیں سپورٹ کریں گی، تو نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

میڈیا کو جب تک بے حیائی پھیلانے اور لوگوں کے اخلاق تباہ کرنے کی آزادی حاصل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے تب تک تو کلی طور پر معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں ہے۔

البتہ انفرادی طور پر، اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کے بعد اگر کوئی شخص اپنی ذاتی کوششوں سے میڈیا سے دور رہتے ہوئے، گھر کا ماحول دینی بناتے ہوئے اور دیندار لوگوں کے ساتھ منسلک رہتے ہوئے اپنی اور اپنے اہل خانہ کی اصلاح کرنا چاہے تو اس کی اصلاح کی اُمید کی جا سکتی ہے۔

میڈیا کس طرح لوگوں کی ترجیحات کے تعین اور ان کی ذہن سازی میں کردار ادا کرتا ہے، یہ ایک الگ موضوع ہے، لیکن حکومت اگر صالح افراد پر مشتمل ہو اور نیک نیتی سے اصلاح معاشرہ کے حوالے سے کچھ کرنا چاہے تو اس کے پاس دوسرے آپشنز بھی موجود ہوتے ہیں، شرط یہ ہے کہ قیادت صالح ہو، صالح قیادت کا اپنا بھی ایک رنگ ہوتا ہے جو کہ عوام پر مثبت اثر چھوڑتا ہے، اسی طرح بُری قیادت کا بھی ایک رنگ ہوتا ہے جو لوگوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

مقولہ مشہور ہے کہ: (النَّاسُ عَلَى دِيْنِ مُلُوكِهِمْ)

لوگ اپنے حکمرانوں کے طور طریقوں پر ہوتے ہیں، عوام اپنے حکمرانوں کے کردار سے متاثر ہوتے ہیں۔

خلیفہ ولید بن عبد الملک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں جو جو کام کیے، ان میں سے ایک نمایاں کام تعمیرات کے حوالے سے تھا، ہسپتال بنائے، سڑکیں بنائیں اور مسجدیں بنائیں، ان کے دور میں جو لوگ آپس میں باتیں کرتے تو اُن کی گفتگو میں تعمیرات کی طرف رجحان زیادہ ہوتا اور ایک دوسرے سے پوچھتے کہ تم نے کون سی عمارت بنائی اور کیا تعمیر کیا۔

ان کے بھائی سلیمان بن عبد الملک عورتوں کی طرف رجحان رکھتے تھے، چنانچہ ان کے دور میں لوگ گفتگو کرتے ہوئے عورتوں کا ذکر کرتے، کہ تم نے کتنی شادیاں کیں اور تمہارے پاس کتنی لونڈیاں ہیں وغیرہ۔

اُن کے بعد اُن کے کزن عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا دور آیا، جو کہ عادل، متقی و پرہیز گار اور زاہد و عابد خلیفہ تھے، ان کے دور میں لوگ باتیں کرتے ہوئے ایک دوسرے سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پوچھتے کہ آج تم نے کتنا قرآن پڑھا ہے، کتنی عبادت کی اور کیا کیا وظائف کئے اور آج ہمارے دور کے حکمرانوں کی ترجیحات: کھیل کود، ناچ گانا، ہلا گلا، موج مستی، حزب اقتدار ہو یا حزب اختلاف سب ایک ہی ڈگر پر چل رہے ہیں۔

چنانچہ عوام کا دین و مذہب وہی ہوتا ہے جو حکومتوں کا ہوتا ہے، آپ نے دیکھا کہ پورے کا پورا ملک کھیل تماشے کے پیچھے پڑا ہوا ہے، حتی کہ دین دار، نمازی اور پرہیز گار لوگ بھی کھیل پر ہی گفتگو کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

نوجوان جو کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں، مستقبل کے معمار ہوتے ہیں، تختِ اقتدار کے جانشین ہوتے ہیں، انہیں کیا سکھایا جارہا ہے، ان کی تربیت کیا ہو رہی ہے، پوری قوم کی ترجیحات بدل کے رکھ دی گئی ہیں۔

کسی قوم کا مستقبل دیکھنا ہو تو اس کے نوجوان طبقے کے کردار کو دیکھیں، ان کی خواہشات کو دیکھیں، ان کی ترجیحات کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس قوم کا مستقبل کیسا ہوگا۔

دنیا کی تاریخ کو بدلنے کا سہرا ہمیشہ نوجوانوں کے سر رہا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا شَابًّا ، وَلَا أُوْتِيَ الْعِلْمَ عَالِمٌ إِلَّا وَهُوَ شَابٌّ)) (تفسير ابن كثير / سورة الانبياء ، المعجم الأوسط للطبراني : ٦٤٢١)

اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا ہے جوانی کے عالم میں مبعوث فرمایا ہے اور جس عالم کو بھی علم حاصل ہوا ہے جوانی کے عالم میں ہی ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝٥٨ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥٩ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾ (الانبياء : ٥٨ تا ٦٠)

"چنانچہ اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور صرف ان کے بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں، انھوں نے آکر بتوں کا یہ حال دیکھا تو کہنے لگے: ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا؟ بڑا ہی کوئی ظالم تھا وہ، بعض لوگ بولے: ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا جس کا نام ابراہیم (علیہ السلام) ہے۔"

تو دین کا کام ہو یا دنیا کا نوجوان ہی سب سے آگے آگے ہوتے ہیں، نوجوانوں کو ترجیحات کے تعین میں مدد نہ دینا کسی بھی حکومت کی غفلت اور کوتاہی ہوتی ہے۔

کسی بھی شخص کے لئے صرف تعلیم کافی نہیں ہوتی، جب تک اس کی تربیت کا اہتمام نہ کیا جائے اگر تربیت نہ کی جائے تو اس کا علم نہ صرف یہ کہ اس کو فائدہ نہیں دیتا بلکہ نقصان پہنچاتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے نوجوانوں کی تربیت کا خصوصی اہتمام فرمایا: اور انہیں توجیہات اور ہدایات دیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ شَبَابًا لَانَجِدُ شَيْئًا"

"ہم نوجوان لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے اور مفلوک الحال تھے۔"

((فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ)) (بخاري : ٥٠٦٦)

آپ ﷺ نے فرمایا: اے نوجوانوں کی جماعت! "جو تم میں سے نکاح کی طاقت رکھتا ہو تو وہ ضرور نکاح کرے کیوں کہ یہ نظروں کو نیچی کرنے اور شرم گاہ کی حفاظت کیلئے زیادہ مؤثر ہے اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے کہ وہ ہیجان کو توڑ دیتا ہے۔"

اور آپ جانتے ہیں کہ اگر اس حوالے سے نوجوانوں کی تربیت نہ کی جائے، انہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہدایات نہ دی جائیں تو معاشرہ جس رخ پر چل نکلے گا آپ بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں، بلکہ مشاہدہ کررہے ہیں کہ قوم کس راستے پر جارہی ہے۔

اور جب کسی قوم کے رہنما خود برائی میں ملوث ہوں گے اور دنیا میں ان کی بدکاریوں کے چرچے ہوں گے، تو اس قوم کی نوجوان نسل تباہی کی طرف نہیں جائے گی تو کیا ہوگا۔

اور جب کسی قوم کے رہنما کو پوچھا جائے کہ شادی کب کریں گے تو وہ اس کا اوٹ پٹانگ جواب دے، تو آپ یقیناً سمجھ سکتے ہیں کہ وہ نوجوانوں کو کیا پیغام دے رہا ہے۔

خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ لوگوں کی مثبت ترجیحات کے تعین میں حکومت اور قوم کے دیگر رہنماؤں کا ایک بہت بڑا کردار ہوسکتا ہے، بشرطیکہ خود ان کی اپنی ترجیحات صحیح اور سیدھی ہوں۔

اور آپ جانتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں، اسلام کا پیغام دنیا تک پہنچانے والوں کی اکثریت نوجوان ہی تھے۔

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ۳۷ سال کے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۲۷ سال کے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ۳۴ سال کے حضرت علی رضی اللہ عنہ تقریباً دس سے بارہ سال کے، اسی طرح دیگر متعدد صحابہ کرام ۱۵ سال سے تیس سال کی عمر کے نوجوان تھے اور انہوں نے کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے، وہ واقعات آج تاریخ وسیر کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

تو نوجوان جو کسی بھی قوم کا سرمایہ اور اس کا مستقبل ہوا کرتے ہیں، ان کے خیالات، ان کے افکار ونظریات، ان کا رنگ ڈھنگ، ان کا چال چلن اور ان کا طرزِ زندگی دیکھ کر اُس قوم کے مستقبل میں جھانکا جاسکتا ہے، تو آج اُمت مسلمہ کے بالعموم اور پاکستان کے نوجوان طبقے کے بالخصوص خیالات ونظریات، رجحانات وترجیحات، طورطریقے اور ناز وانداز دیکھ کر ذرا ان کے مستقبل میں جھانک کر بتلایئے تو سہی کہ ان کا مستقبل کیسا ہوگا۔

للہ اُن پر ترس کھایئے اور رحم کیجیے، اور درست سمت ترجیحات متعین کرنے مین ان کی مدد کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آئیڈیل ازم ایک گمنام حقیقت

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ﴾ (الانعام : ۹۰)

یہ دنیا جو دارالامتحان اور دارالابتلاء ہے، مصیبتوں، تکلیفوں اور آزمائشوں کا گھر ہے، جو دکھوں، غموں اور پریشانیوں کی آماجگاہ ہے۔

یہ دنیا کہ جہاں نشیب وفراز ہیں، پگڈنڈیاں اور کھایاں ہیں، بھول بھلیاں ہیں، پیچ در پیچ راستے ہیں، ظلمات اور تاریکیاں ہیں جہاں دھوکے اور خود غرضیاں ہیں، ظلم وستم ہیں، جہاں بہت سے انسانی شکل میں بھیڑیئے اور درندے بستے ہیں، جہاں شیاطین الجن والاِنس ہیں اور جہاں نفس امارہ بھی ہے۔

اس دنیا میں سیدھی اور صاف ستھری، امن وامان والی، ہمدردی اور خیر خواہی والی، پیار محبت والی، ایثاروقربانی والی اور طمانیت والی زندگی گزارنا کتنا کٹھن، دشوار اور مشکل ہے اندازہ کرنا شاید کسی کے لئے بھی مشکل نہ ہو۔

ایسی زندگی کے لئے انسان کو جہاں بہت زیادہ محنت ومشقت، اور سعی وجہد کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں اسے ایک آئیڈیل اور مثالی شخصیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ جس کی رہنمائی میں اور جسے اپنے لئے نمونہ اور مشعلِ راہ بنا کر وہ زندگی گزار سکے۔

جب کوئی شخص کسی کو اپنا آئیڈیل بنالیتا ہے تو پھر وہ شخصیت پوری طرح اس کے دل و دماغ اور اس کے افکار ونظریات پر چھا جاتی ہے اور پھر آدمی کا ہر عمل اس آئیڈیل شخصیت کے طرز زندگی کا پرتو اور عکس ہوتا ہے۔

اور ہر شخص کا کوئی نہ کوئی آئیڈیل ضرور ہوتا ہے کہ جس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ انسان کی فطری خواہش اور ضرورت ہے اور انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر ایسے ہی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔

سب سے پہلی آئیڈیل شخصیت انسان کی اس کے والدین ہوتے ہیں کہ جن کی گود میں پرورش پاتا ہے، ان کا رہن سہن، ان کا اندازِ گفتگو، ان کا طرز بودو باش اس کے ذہن میں نقش ہوجاتا ہے، پھر جیسے جیسے اس کا حلقہ احباب وسیع ہوتا جاتا ہے، معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، شعور میں پختگی اور افکار و نظریات میں تبدیلی آتی ہے، پسند اور ناپسند کا معیار بدلتا ہے تو اس کی آئیڈیل شخصیت کا انتخاب بھی بدل جاتا ہے۔

لفظِ آئیڈیل اور مثالی کا مفہوم تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ایسا شخص جو اپنے رویوں میں ایک مثال اور نمونہ ہو کہ جس کے نقش قدم پر چلا جائے۔

ایسا آئیڈیل شخص کہ جس کی ہر معاملے میں آنکھیں بند کر کے اقتداء کی جا سکے دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی نہیں ہے اور ان کے سر فہرست آپ ﷺ کی ذات اقدس ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام جیسا کامل اور حقیقی آئیڈیل کوئی نہیں ہوسکتا۔

ہاں جزوی اور اجمالی آئیڈیل ہوسکتے ہیں اور وہ بھی کامل نہیں جزوی آئیڈیل کا مطلب ہے کہ کسی ایک صفت اور خوبی میں یا کسی ایک شعبے میں کوئی شخص کسی کا آئیڈیل ہوسکتا ہے، اور عملی دنیا میں ایسا ہوتا بھی ہے ہر شخص کسی نہ کسی معاملے میں شعوری یا غیر شعوری طور پر کسی آئیڈیل کی تلاش میں ہوتا ہے، اور اگر اس کی یہ تلاش اور خواہش قرآن و حدیث سے ٹکراتی نہ ہو تو اس میں انسان کو آزادی اور اختیار حاصل ہے۔

مثال کے طور پر مرد کو ایک آئیڈیل بیوی کی تلاش اور خواہش ہوتی ہے اور عورت کو آئیڈیل خاوند کی، اگر اُن کے آئیڈیل ازم اور مثالیت کا معیار قرآن و حدیث سے ٹکراتا ہو تب تو ایسے آئیڈیل کی تلاش اور خواہش ناجائز ہے۔

جیسا کہ کوئی مرد ایسی بیوی کی خواہش کرے کہ جو ٹاپ ماڈل گرل ہو، یا بہترین ایکٹریس ہو یا گلوکارہ ہو، تو چونکہ ایسی خواہش یقیناً قرآن و حدیث سے ٹکراتی ہے، لہٰذا ایسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صفات والی آئیڈیل بیوی کی تلاش جائز نہ ہوگی، اسی طرح عورت کو اگر اس قسم کے خاوند کی تلاش ہو تو اس کے آئیڈیل ازم اور مثالیت کا معیار بھی قرآن و حدیث سے مطابقت نہ رکھنے کی وجہ سے ناجائز قرار پائے گا۔

لیکن اگر مرد کے نزدیک آئیڈیل بیوی کا معیار اس کا خوبصورت ہونا، مالدار ہونا اور حسب ونسب والی ہونا ہو تو یہ جائز ضرور ہے مگر ترجیح اس کو ہے کہ:

"فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ" (ابن ماجه : ١٨٥٨)

"آپ ﷺ نے فرمایا: دین دار عورت کو ترجیح دو" اس میں کامیابی پاؤ۔

اسی طرح عورت کو بھی اگر ایسی صفات والے خاوند کی تلاش ہو تو اس میں حرج نہیں، لیکن اس میں آپ ﷺ نے زیادہ تاکید کے ساتھ ہدایات فرمائیں اور مخالفت کی صورت میں وعید بھی سنائی، فرمایا:

"اِذَا خَطَبَ اِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوْهُ"

جب کوئی نکاح کی طلب لے کر تمہارے پاس آئے اور تمہیں اس کا دیندار ہونا اور بااخلاق ہونا پسند ہو تو اس سے شادی کردو۔"

"اِلَّا تَفْعَلُوْا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ"

(ترمذي : ١٠٨٤)

"اگر ایسا نہیں کرو گے تو دنیا میں اس کی وجہ سے فتنہ اور لمبا چوڑا فساد برپا ہوگا۔"

یعنی اگر دنیاداری کو دینداری پر ترجیح دو گے تو معاشرے میں ایک بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

لہٰذا دیندار کو ترجیح دینی چاہیے، اس میں دنیوی فائدے بھی ہیں اور دینی بھی۔ جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں کس طرح کے شخص سے اپنی بیٹی کی شادی کروں؟ تو فرمایا:

((مِمَّنْ يَتَّقِي اللّٰهَ))

جو اللہ سے ڈرتا ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(فَإِنْ أَحَبَّهَا أَكْرَمَهَا ، وَإِنْ أَبْغَضَهَا لَمْ يَظْلِمْهَا) (النفقة على العيال لابن ابی الدنیا ، رقم: ١٢٥ ، شرح السنة للبغوي ، رقم: ٢٢٤١)

اگر اسے پسند ہوگی تو اس کی تکریم کرے گا اور اگر ناپسند ہوگی تو ظلم نہیں کرے گا۔

تو بات یہ ہورہی تھی کہ دنیا کے معاملات میں آدمی اپنا آئیڈیل مقرر کرسکتا ہے بشرطیکہ اس کے آئیڈیل ازم کا معیار قرآن وحدیث سے ٹکراتا نہ ہو اور اسے اپنے لئے آئیڈیل بنانے میں دین کی یا دین کے کسی شعبے کی توہین، تخفیف اور تحقیر نہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں آدمی کو آزادی ہے کہ وہ اپنی پسند ناپسند کے حوالے سے کسی کو اپنا آئیڈیل بنالے۔

جیسا کہ حضرت ثابت بن قیس اور جمیلہ بنت سلول رضی اللہ عنہا کا قصہ مشہور ہے۔ حضرت ثابت جنہیں مغیث بھی کہا جاتا تھا اور حضرت جمیلہ جن کا نام بریرہ بھی تھا، چنانچہ مغیث اور بریرہ کے نام سے قصہ مشہور ہے۔

میاں بیوی دونوں غلام تھے، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نہایت خوبصورت تھیں اور حضرت مغیث نہایت ناپسندید شکل کے تھے البتہ انہیں اپنی بیوی سے شدید محبت تھی، مگر یہ محبت یک طرفہ تھی۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے مکاتبت کرکے آزادی حاصل کرلی، چنانچہ ساتھ ہی انہوں نے حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے بھی آزادی حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا، کیونکہ وہ ان کے آئیڈیل خاوند نہیں تھے۔

وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

((يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَلاَ دِيْنٍ وَلٰكِنِّيْ اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ))

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق میں کسی قسم کا نقص اور کمی نہیں پاتی، مگر میں مسلمان ہوتے ہوئے کفر کو پسند نہیں کرتی۔

مطلب یہ کہ چونکہ میں اسے پسند نہیں کرتی اور اگر اس حالت میں اس کے ساتھ رہوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گی تو خطرہ ہے کہ میں کہیں کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھوں کہ جس سے اسلام کی نفی اور انکار ہوتا ہو۔

اس کا مطلب گناہ کے ارتکاب کا ڈر بھی ہوسکتا ہے اور خاوند کی نافرمانی کا خطرہ بھی۔

حضرت مغیث رضی اللہ عنہ چونکہ ان سے شدید محبت کرتے تھے، چنانچہ وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے اس فیصلے کے بعد مدینہ کی گلیوں میں ان کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے پھرتے تھے، مگر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا چونکہ ان کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی تھیں لہٰذا وہ اپنے موقف پر ڈٹی رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھانا چاہا اور فرمایا:

" فَإِنَّهُ زَوْجُكِ وَ اَبُوْ وَلَدِكِ "

فرمایا: وہ تمہارا خاوند ہے اور تمہارے بچوں کا باپ ہے۔

" قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تَأْمُرُنِيْ بِذَلِكَ؟ "

تو عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ آپ کا حکم ہے؟

" قَالَ: اِنَّمَا اَنَا شَافِعٌ "

فرمایا: نہیں، بلکہ صرف سفارش کررہا ہوں،

" قَالَتْ: لَاحَاجَةَ لِيْ فِيْهِ "

کہا تو پھر مجھے اس میں کوئی رغبت نہیں ہے۔" یعنی اگر آپ کا حکم نہیں ہے تو پھر میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهُ "

کیا تم اس کا باغ واپس کرنے کو تیار ہو؟

" قَالَتْ: نَعَمْ "

کہا: جی ہاں۔

" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً "

(صحیح البخاری: ٥٢٧٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو آپ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: باغ واپس لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔''

اندازہ کریں، ابتداءً بات تو دنیا کے جائز معاملات میں کسی کو اپنا آئیڈیل بنانے کی تھی، مگر اس واقعے میں وہ دین کی شکل اختیار کر گئی، تو یہ ایک جزوی آئیڈیل ہے، یعنی کسی ایک صفت اور خوبی کے حوالے سے، قبول صورت ہونے کے حوالے سے۔

اور ایک آئیڈیل ہوتا ہے: مجموعی طور پر، عمومی طور پر اور اوسط کے اعتبار سے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ "

(سنن ترمذی: ۳۸۹۵)

''تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لئے اچھا ہے اور میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہوں۔''

اب جو شخص بیوی کے لئے اچھا ہے، ضروری نہیں کہ وہ معاملات میں بھی اچھا ہو، عبادات میں بھی اچھا ہو، مگر اس کے اچھا اور آئیڈیل ہونے کا ایک عمومی معیار بیان فرمایا کہ جو گھر والوں کے لئے اچھا ہے وہ ازدواجی زندگی کے لئے ایک اچھا اور آئیڈیل ہے۔

اسی طرح فرمایا:

" اِنَّ خِيَارَكُمْ اَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا " (صحیح البخاری: ٦٠٣٥)

تم میں سے اچھے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔''

اب یہ بھی ضروری نہیں کہ جو اچھے اخلاق والا ہو، وہ دین کے دوسرے تقاضے بھی پورے کرتا ہو، مگر معاشرتی زندگی میں خوشگوار ماحول کی اہمیت کو بیان کرنے کے لئے حسن اخلاق والے کو ایک بہترین انسان قرار دیا ہے، ورنہ حقیقی آئیڈیل اور مثالی وہ ہے جو ہر میدان اور ہر شعبے میں، زندگی کے تمام پہلوؤں سے مثالی ہو، دین اور دنیا کے لحاظ سے مثالی ہو۔

یاد رہے کہ حقیقی مثالی، دنیا کی مادی نعمتوں کے لحاظ سے نہیں ہوتا، بلکہ اخلاق و کردار اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رویوں کے لحاظ سے مثالی ہونے سے مثالی ہوتا ہے۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کامل اور حقیقی مثالی شخص کوئی نہیں ہے۔

لہٰذا جو شخص جتنا دین کے قریب ہوگا اتنا ہی زیادہ مثالی اور آئیڈیل ہوگا اور اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کو، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جو کہ افضل الخلق بعد الانبیاء علیہ السلام ہیں ہمارا آئیڈیل بنایا اور انہی کے نقش قدر پر چلا کر کامیابی حاصل کرنے کا حکم دیا اور جو لوگ ان کے نقش قدم پر چلنے سے اعراض کریں انہیں وعید سنائی۔ فرمایا:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ (البقرة : ۱۳۷)

"پھر اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو تو ہدایت پر ہیں اور اگر وہ منہ پھیریں تو پھر وہ ہٹ دھرمی پر ہیں، لہٰذا اطمینان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں تمہاری حمایت کے لئے کافی ہے، اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہمارے لئے آئیڈیل، مثالی اور نمونہ ہونے میں کوئی شک نہیں اور جو ان کے طریقے سے ہٹ کر چلتا ہے اس کے بھٹکے ہوئے ہونے میں کوئی شک نہیں۔

قرآن وحدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے شرف وفضیلت، ان کے مقام ومرتبے اور ان کے ہمارے لئے ایمان کا معیار ہونے کے بارے میں بہت زیادہ بیان کیا گیا ہے، ان میں سے ایک مسلم شریف کی حدیث ہے: حضرت ابوبردۃ رحمہ اللہ اپنے والد ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اَلنُّجُوْمُ اَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ اَتَى السَّمَاءَ مَاتُوْعَدُ "

"ستارے آسمان کے لئے امن کا باعث ہیں، جب ستارے مٹ جائیں گے تو آسمان پر جس بات کا وعدہ ہے وہ آجائے گا۔"

آسمان کے ستاروں کا آسمان کے امان کی ضمانت ہونے کا معنی یہ ہے کہ جب تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ستارے موجود ہیں قیامت نہیں آئے گی اور جب سورج لپیٹ لیا جائے گا، ستارے بے نور ہوجائیں گے پہاڑ چلائے جائیں گے، تب قیامت قائم ہوجائے گی۔

((وَاَنَا اَمَنَةٌ لِاَصْحَابِیْ فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتٰی أَصْحَابِيْ مَايُوْعَدُوْنَ))

(صحيح مسلم : ۲۵۳۱)

''اور میں اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے لیے امان کا باعث ہوں، اور جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) پر جس چیز کا وعدہ ہے وہ آجائے گا۔''

''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے امان کی ضمانت تھا۔''

اس کی عملی تشریح آپ نے دیکھ لی، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتنے فتنوں نے سر اٹھایا، لڑائیاں ہوئیں، اختلافات پیدا ہوئے۔

((وَأَصْحَابِيْ أَمَنَةٌ لِأُمَّتِيْ فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِی أَتٰی أُمَّتِي مَايُوْعَدُوْنَ)) (مسلم : ۲۵۳۱)

''اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) میری اُمت کے لیے امان ہیں، پس جب میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) چلے جائیں گے تو میری اُمت پر وہ حالات آجائیں گے جن کا وعدہ کیا گیا ہے۔''

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اُمت کے لیے امان تھے اور آپ نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جانے کے بعد مزید کتنے فتنے پیدا ہوئے، کیسی کیسی بدعتیں ایجاد ہویں اور دین کے نام پر بے دینی کے کیسے کیسے رسم و رواج شروع ہو گئے، اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اقول قولي هذا واستغفر الله العظيم لی ولكم ولسائر المسلمين من كل ذنب انه هو الغفور الرحيم .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آئیڈیل ازم اک فطری ضرورت

﴿ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَٰلَمِينَ ﴾ (الأنعام: ٩٠)

گذشتہ جمعے بات ہورہی تھی کہ آئیڈیل ازم ایک گمنام حقیقت ہے، یعنی ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے اکثر لوگ واقف نہیں ہیں، مگر نہ جانتے ہوئے بھی پوری طرح اس کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں، لیکن جان کر جینے سے اس کے فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں اور اس کے نقصانات سے بچا جا سکتا ہے۔

اور آئیڈیل ازم کی حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنا کوئی نہ کوئی آئیڈیل ضرور رکھتا ہے، یہ انسان کی ضرورت بھی ہے اور وہ دل میں اس کی طرف ایک فطری میلان اور رجحان بھی رکھتا ہے۔

اور آئیڈیل ازم کے بارے میں دوسری بڑی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی نہ کسی لحاظ سے خود بھی دوسروں کا آئیڈیل بن رہا ہوتا ہے، جانتے ہوئے یا نہ جانتے ہوئے، چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے وہ کسی نہ کسی کا آئیڈیل ضرور بن رہا ہوتا ہے۔

اور دونوں صورتوں میں آدمی اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہے کہ اگر کسی کو اپنا آئیڈیل بنایا تو کیوں، یعنی کس بنیاد پر اور جو دوسروں کے لئے آئیڈیل بنا تو کس چیز میں۔

دوسروں کو اپنا آئیڈیل بنانے کے بارے میں تو بات ہو چکی کہ ہمارے حقیقی اور الٹی میٹ آئیڈیل تو انبیاء علیہم السلام ہیں اور بالخصوص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾ (الاحزاب: ۲۱)

”یقیناً تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔“

یعنی رسول کریم ﷺ کو اپنا آئیڈیل، اسوہ اور نمونہ ماننے کا زبانی دعویٰ بے شک کوئی کرتا ہو، مگر حقیقتاً اور عملاً وہی اس سے مستفید ہوگا جو اللہ کی ملاقات کا اور یوم آخرت کے وقوع پذیر ہونے کا امیدوار ہو اور یقین رکھتا ہو اور غافل نہ ہو بلکہ کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہو۔

تو رسول کریم ﷺ تو ہمارے حقیقی، حتمی اور لازمی آئیڈیل اور نمونہ ہیں، آپ ﷺ کو اپنا آئیڈیل بنانے یا نہ بنانے کا کسی مسلمان کو اختیار نہیں دیا گیا، بلکہ ہر حال میں اپنا آئیڈیل ماننا ہر اس شخص کے لئے لازمی ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، یعنی جو مسلمان ہو۔

اسی طرح آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی قرآن و حدیث کے حکم کے مطابق اپنا آئیڈیل ماننا لازمی اور ضروری ہے جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرۃ: ۱۳۷)

اگر لوگ اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم (یعنی نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین) ایمان لائے تو تب وہ ہدایت پر ہیں۔

اور حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

” وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً “

میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے

” قَالُوْا: وَمَنْ هِيَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ “

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اور وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟

” قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ “ (سنن ترمذی: ۲۶۴۱)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فرمایا: جس کا منہج اور عقیدہ اور طرز زندگی اس عقیدے کے مطابق ہوگا ''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔''

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا فہم، اُن کا منہج اور عقیدہ ہمارے لئے اسوہ، نمونہ اور معیار ہے، اگر اُس طرز پر ایمان لائیں گے تو ہمارے ہدایت پر ہونے کی سند جاری ہوسکتی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی سخت وعید کا سامنا کرنا پڑے گا، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۱۱۵﴾

(النساء: ۱۱۵)

''جو شخص راہِ ہدایت واضح ہوجانے کے باوجود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرے اور مؤمنوں کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے ہم جہنم میں جھونکیں گے، جو بدترین جائے قرار ہے۔''

اس آیت کریمہ میں جن اہل ایمان کے طریقے کو چھوڑ کر کوئی اور طریقہ اختیار کرنے پر جو وعید سنائی گئی ہے تو اس سے مراد کون اہل ایمان ہیں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اس وقت صرف صحابہ کرام ہی موجود تھے، تو ان کے طریقے کو چھوڑنے پر جہنم کی وعید ہے، لہٰذا ان کی سمجھ ان کا منہج اور ان کا طریقہ اور راستہ ہمارے لئے آئیڈیل، معیار اور اسوہ ونمونہ ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُتَأَسِّيًا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم))

تم میں سے جو کوئی کسی کی پیروی کرنے والا اور اقتدا کرنے والا ہے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی اقتداء کرے۔

((فَإِنَّهُمْ كَانُوْا أَبَرَّ هَذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوْبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا وَأَقْوَمَهَا هَدْيًا وَأَحْسَنَهَا حَالًا))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس لئے کہ وہ اس امت کے صالح ترین دل رکھتے تھے سب سے گہرا علم رکھتے تھے اور سب سے کم تکلف والے تھے سب سے سیدھی اور درست روش والے تھے اور بہترین احوال والے تھے۔

((قَوْمًا إِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ ﷺ فَاعْرِفُوْا لَهُم فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ فِيْ آثَارِهِمْ))

وہ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ کے لئے چنا ان کے مقام ومرتبے کو پہچانو اور ان کی فضیلت کی قدر جانو ان کے طرز زندگی کو اپناؤ ان کے نقش قدم پر چلو۔

((فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ)) (جامع بيان العلم وفضله ، رقم: ١٨١٠)

"وہ یقیناً بالکل سیدھی ہدایت پر تھے۔"

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقش قدم پر چلنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ قرآن و حدیث کا حکم ہے اور اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہی لوگ دین کے محافظ اور امین تھے انہی کے ذریعے ہم تک یہ پیغام پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر انہیں اس کام کے لئے منتخب فرمایا تھا اور صحابی کا عمل حجت ہوتا ہے۔ بشرطیکہ کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ کا اس میں اختلاف ثابت نہ ہو۔

تو آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہمارے لئے آئیڈیل ہیں اور پھر اُن کے بعد دنیا کے معاملات میں جس کو چاہیں اپنا آئیڈیل بنائیں، بشرطیکہ انہیں آئیڈیل بنانا کسی لحاظ سے بھی دین سے متصادم نہ ہو۔

کسی کو اپنا آئیڈیل بنانا، جیسا کہ گذشتہ جمعے بات ہوئی تھی کہ زندگی میں کوئی نہ کوئی آئیڈیل، نمونہ اور مثالی شخصیت ہونا انسان کی ضرورت ہے۔اور اس کی فطرت میں ہے، لہٰذا مثالی شخصیت کی ضرورت کی طرف وہ ایک فطری اور طبعی میلان رکھتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ معاشرے میں یہ ایک معمول کی بات ہے کہ کوئی بڑی عمر کا شخص کسی نوجوان سے کہتا ہے کہ تم فلاں شخص کی طرح بنو یا کوئی بچہ کسی سے کہتا ہے کہ میں تو فلاں شخص کی طرح بنوں گا، تو اس طرح کے تمام الفاظ گویا کہ آدمی کی اس حالت کی ترجمانی کر رہے ہوتے ہیں جس میں وہ اپنے لئے کسی آئیڈیل کی طلب وجستجو کرتا ہے۔

چیزوں کو ایکسپلور کرنے اور ان کی کیفیت اور ماہیت جاننے کی طلب وجستجو اور تجسس اور رغبت انسان کی فطرت میں شدت کے ساتھ موجود ہے، وہ جاننا چاہتا ہے کہ کوئی مشین کس طرح کام کرتی ہے، پودے کس طرح اگتے اور پرندے کیونکر اڑتے ہیں اور جب وہ جان لیتا ہے تو اسے گویا تسکینِ نفس مل جاتی ہے اور اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے۔

اور کچھ ایسی ہی تسکینِ نفس اور اطمینانِ قلب کی خواہش نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے رب سے سوال کرنے پر راغب کیا کہ:

﴿رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ﴾ (البقرہ: ۲۶۰)

"اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے!"

اگرچہ ابراہیم علیہ السلام کو وہ جواب تو نہ ملا جس کی وہ توقع کرتے تھے اور وہ یہ کہ مردہ کو زندہ کرنے کی عملی شکل اور ترکیب کیا ہے۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اس کا اثر اور انجام دکھا دیا، زندہ کرنے کی عملی تشریح نہیں دکھائی بلکہ زندہ کرنے کا اثر دکھایا، کہ جس سے یہ پتہ تو چلتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مردہ چیز کو زندہ کر دیا، مگر یہ پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ کیسے اور یہ اس لئے کہ مردہ کو زندہ کرنے کی عملی ترکیب اور کیفیت کو سمجھنا عقل انسانی کی بساط سے بالاتر ہے، تو زندگی میں آدمی کے لئے اسوہ، نمونہ اور آئیڈیل ہونا بہت سے پہلوؤں سے نہایت ضروری ہے۔

مثلاً: جب ہم کسی بچے کو، یا جو شخص نیا نیا مسلمان ہوا ہو، نماز سکھانا چاہیں تو ضروری ہوتا ہے کہ الفاظ میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی عملی تشریح بھی دکھائی جائے، ورنہ عبادات کے نہایت بسیط، سادہ اور آسان اعمال کو سمجھنا بھی ان کے لئے مشکل ہوتا ہے، جیسا کہ رکوع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وسجود وغیرہ اوراسی طرح نماز کی دیگر حرکات وسکنات اور مناسک حج وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی طالب علم چاہے کتنی ہی سمجھ بوجھ کیوں نہ رکھتا ہو، کتنی ہی فہم و فراست کا مالک کیوں نہ ہو مگر استاد کی بات کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا اور ذہن نشین کرنا اس کے لئے آسان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی عملی وضاحت نہ کی جائے، عملی تشریح کے ذریعے، ہاتھ کے اشاروں اور بورڈ پر ڈائیگرام وغیرہ بنا کر نہ کی جائے، گویا کہ الفاظ سے زیادہ عملی نمونے کا انسان پر اثر ہوتا ہے۔

چنانچہ یہ مقولہ کتنا حقیقت پسندانہ ہے کہ:

((رَجُلٌ فِيْ اَلْفِ رَجُلٍ ، اَقْوَى مِنْ قَوْلِ اَلْفِ رَجُلٍ لِرَجُلٍ))

ہزار آدمی پر کسی ایک آدمی کا ہونا، ہزار آدمیوں کی باتیں کسی ایک آدمی کے لئے ہونے سے زیادہ قوی ہے۔

یعنی ہزار آدمیوں کے نصیحت آموز اقوال لکھ کر کسی ایک آدمی کو تھما دیئے جائیں کہ اُنہیں پڑھے اور اُن پر عمل کرے، وہ ہزار آدمیوں کے ہزاروں اقوال کسی ایک آدمی پر اتنا اثر انداز نہیں ہوتے، جتنا کسی ایک آدمی کا ہزار آدمیوں پر نگران اور منتظم بن کر اُن کی رہنمائی کرنا موثر ہوتا ہے۔

اور آپ معاشرے میں اس کا عملی نمونہ دیکھتے ہیں کہ فورمین، سپروائزر، منیجر، سی ای او، یا حکومتی اداروں کے سربراہان ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کو کنٹرول کر رہے ہوتے ہیں۔

اور عام عوام کا یہی مزاج اور طرز عمل ہے کہ وہ کسی ایک شخص، قبیلے، ادارے، پارٹی یا جماعت کو اپنا اپنا آئیڈیل بنا کر ہر قسم کی سوچ، فکر اور حق کی جستجو سے دست بردار ہو جاتے ہیں اور اندھی پیروی کرنے لگتے ہیں، بلکہ یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ اُن کا آئیڈیل غلط راستے پر ہے، اسی کو فالو کرنے پر مصر ہوتے ہیں۔

عموماً تو یہ طرز عمل کفار اور منکرین حق کا ہوتا ہے اور وہ اپنے اس موقف کا برملا اظہار بھی کرتے نظر آتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾﴾ (الزخرف: ۲۳۔۲٤)

''ہم نے اپنے آباء واجداد کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم اُنہی کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں، ہر نبی نے ان سے پوچھا: کیا تم اُسی ڈگر پر چلے جاؤ گے خواہ میں اس راستے سے زیادہ صحیح راستہ تمہیں بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ انہوں نے کہا: بہر حال جس دین کی طرف تم بلانے کے لئے بھیجے گئے ہو اسے ہم نہیں مانتے۔''

یعنی وہ صحیح اور غلط جاننے کی بحث میں ہی نہیں پڑنا چاہتے، وہ جاننا ہی نہیں چاہتے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، وہ آرام سے کہہ دیتے ہیں ہم جہاں لگے ہیں ٹھیک لگے ہیں۔

اور جو لوگ تھوڑی بہت بحث کی جرات کر لیتے ہیں وہ بھی بس اتنا ہی کہتے ہیں: کیا ہمارے بزرگ سارے غلط تھے؟ انہیں دلائل سے صحیح اور غلط جاننے کی فکر نہیں ہوتی، بلکہ جو آئیڈیل انہوں نے اپنے لئے بنا رکھے ہوتے ہیں صرف ان کے دفاع کی فکر ہوتی ہے اور وہ بھی اس حد تک کہ انہیں بغیر کسی دلیل کے صحیح مان لیا جائے۔

چنانچہ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے ازل میں پوری نسلِ آدم سے اقرار لیا کہ انسانوں میں سے جو لوگ اپنے رب سے بغاوت کریں وہ اپنے جرم کے خود ذمہ دار ہوں گے۔

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ﴿١٧٢﴾ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّن بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾﴾ (الاعراف: ۱۷۲۔۱۷۳)

''اے نبی (ﷺ) لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں، یہ ہم نے اس لئے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے، یا یہ نہ کہو کہ: شرک کی ابتداء تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو اُن کی نسل سے پیدا ہوئے، پھر کیا آپ ہمیں اُس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا۔''

تو ایک تو اللہ تعالیٰ نے ازل میں ان سے اس بات کا اقرار لے لیا اور ان کی اس حجت کا خاتمہ کر دیا کہ ہم اپنے باپ دادا کو فالو کرتے ہیں۔

اور پھر انبیاء و رسل علیہم السلام کو بھیج کر اللہ تعالیٰ نے ان کی دوسری حجت بھی ختم کر دی کہ کوئی ایسی آئیڈیل شخصیت بھیج کر ہمیں خبردار کیا ہوتا کہ جس سے کسی غلطی کا امکان نہ ہو۔

جیسا کہ اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (المائدة: ١٩)

''اے اہل کتاب ہمارا یہ رسول ایسے وقت تمہارے پاس آیا ہے اور دین کی واضح تعلیم دے رہا ہے، جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت سے بند تھا، تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ سو دیکھو! اب وہ بشارت دینے اور ڈرانے والا آ گیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

ہمیں اس ساری گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ زندگی میں انسان کے لئے کسی آئیڈیل، نمونہ اور مثالی شخصیت کا ہونا ضروری ہے اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام اصلی، حقیقی اور کامل آئیڈیل ہیں اور ان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آئیڈیل ہیں اور پھر ان کے بعد کسی کو اپنا آئیڈیل بنانا ایک بہت بڑا حساس معاملہ ہے، لہٰذا اس کے لئے بہت زیادہ چھان پھٹک اور تحقیق و تمحیص کی ضرورت ہوتی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مگر جتنا یہ معاملہ حساس ہے اسی قدر ہم اس معاملے میں لاپرواہ ہیں، جوکہ انتہائی خطرناک اور سنگین بات ہے۔

آئیڈیل بنانے کے بارے میں تو ہم نے جانا، مگر ایک اس کا دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ بھی اتنا ہی سنگین اور حساس ہے اور وہ یہ کہ ہر آدمی کسی نہ کسی شکل میں دوسروں کا آئیڈیل بن رہا ہوتا ہے۔ اس پر ان شاء اللہ دو جمعوں کے وقفے کے بعد گفتگو ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آئیڈل ازم کے اصول وضوابط

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ﴾ (الانعام: ٩٠)

گذشتہ خطبے میں بات ہورہی تھی آئیڈیل ازم کی کہ دنیا میں انسان کو زندگی گزارنے کے لئے کسی نہ کسی آئیڈیل اور نمونے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ انسان کی فطری ضرورت ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر کسی نہ کسی کو اپنا آئیڈیل ضرور بناتا ہے۔

کسی آئیڈیل کا ہونا اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضرورت ضرور بنایا ہے، مگر اللہ نے اسے اس کی خواہش پر نہیں چھوڑا کہ جس کو جی چاہے، جس طرح چاہے اپنا آئیڈیل بنالے، بلکہ اس کی کچھ حدود و قیود مقرر فرمائی ہیں، شروط وآداب بتلائے ہیں، ان کی روشنی میں کسی کو اپنا آئیڈیل بنایا جاسکتا ہے، اور آئیڈیل شخصیات بنیادی طور پر دو طرح کی ہیں: ایک وہ جو مطلق آئیڈیل ہیں یعنی جو اپنے ہر قول اور فعل میں آئیڈیل ہیں اور وہ ہیں انبیاء علیہم السلام۔

اور دوسرے وہ جو مشروط آئیڈیل ہیں، یعنی جب تک ان کا قول وفعل کتاب وسنت کے مطابق ہوگا تب تک وہ آئیڈیل ہوں گے، اور پھر اُن میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں قرآن وحدیث نے بطور خاص آئیڈیل قرار دیا ہے، بلکہ انہیں آئیڈیل بنانے کو صحتِ ایمان کی علامت قرار دیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ﴾ (البقرۃ: ١٣٧)

”پھر اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) تو وہ ہدایت پر ہیں۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح کچھ دیگر قسم کے آئیڈیل بھی ہیں، جیسا کہ جزوی آئیڈیل جو کہ کسی مخصوص صفت اور خوبی میں آئیڈیل ہوں، یا کچھ ایسے دنیوی معاملات میں آئیڈیل ہوں جو قرآن و حدیث سے ٹکراتے نہ ہوں۔

تاہم حقیقی آئیڈیل وہ ہے جو آخرت کے حوالے سے آئیڈیل ہو اور اس کے لئے کتاب وسنت کی موافقت اور مطابقت شرط ہے۔

اس کی تفصیل گذشتہ خطبات میں بیان ہوچکی ہے، آج ہم آئیڈیل ازم کا اک دوسرا پہلو ذکر کرنا چاہیں گے کہ جس طرح کسی کو آئیڈیل بنانا ایک حقیقت ہے اور بہت حساس معاملہ ہے اس میں آدمی کو بہت چھان پھٹک اور احتیاط کی ضرورت ہے، اسی طرح خود آئیڈیل بننا بھی ایک بہت بڑی حقیقت ہے اور کسی کو آئیڈیل بنانے سے زیادہ حساس معاملہ خود کسی کا آئیڈیل بننا ہے۔

کسی کو اپنا آئیڈیل بنانے سے پہلے تو آدمی سوچ و بچار کرتا ہے، مشورہ کرتا ہے، چھان بین کرتا ہے۔ مگر خود آئیڈیل بنتے ہوئے آدمی عموماً بے ساختہ اور غیر شعوری طور پر دوسروں کے لئے آئیڈیل بن رہا ہوتا ہے، اور یہ نہایت حساس معاملہ اس لئے بھی ہے کہ لوگوں کی غالب اکثریت اس حقیقت سے واقف ہی نہیں ہے بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ انسان غیر شعوری طور پر دوسروں کے لئے آئیڈیل بن رہا ہوتا ہے۔ اکثر و بیشتر اسے معلوم بھی نہیں ہوتا اور اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا مگر وہ دوسروں کے لئے آئیڈیل بن رہا ہوتا ہے۔

آپ شاید سوچ رہے ہوں کہ اگر صورت حال یہ ہو کہ آدمی کے وہم وگمان میں بھی نہ ہو کہ وہ کسی کے لئے آئیڈیل بن رہا ہے تو پھر اس میں حساسیت والی کون سی بات ہے۔

جبکہ اصل حساسیت والی بات ہی یہی ہے کہ اسے معلوم بھی نہیں ہوتا مگر وہ اللہ کے ہاں اس کا جوابدہ بن رہا ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی ایسے عمل کا کیونکر جوابدہ ہوسکتا ہے جو اس سے بے ساختہ اور لا ابالی پن میں سرزد ہوتے ہیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن وحدیث سے اس کا جواب جاننے سے پہلے، اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آدمی انجانے میں اور غیر شعوری طور پر کس طرح کسی کا آئیڈیل بن جاتا ہے۔

اس حقیقت سے تو کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ انسان دوسروں سے متاثر ہوتا ہے، یہ انسان کی ضرورت بھی ہے اور اس کے فوائد بھی ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کے کچھ نقصانات بھی ہو سکتے ہیں اگر اس تاثر کو کھلا چھوڑ دیا جائے اور اس کے کچھ حدود وقیود متعین نہ ہوں بلکہ صرف جذبات ہی جذبات ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ انسان تلاوت سے متاثر ہوتا ہے اور ایسا متاثر ہوتا ہے کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جسم میں کپکپی طاری ہو جاتی ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اگر وہ اس میں غور وتدبر سے کام لے رہا ہو تو۔

اسی طرح انسان گانے اور موسیقی سے بھی متاثر ہوتا ہے اور ایسا متاثر ہوتا ہے کہ بسا اوقات وہ جھومنے لگتا ہے اور اس پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

اسی طرح انسان دوسروں کی خَلقی (خِلقی) اور خُلقی صفات اور خوبیوں سے بھی متاثر ہوتا ہے، دوسروں کی صلاحیتوں سے متاثر ہوتا ہے، شعبدہ بازی سے متاثر ہوتا ہے، کسی کی ٹھاٹھ باٹھ اور شان وشوکت سے متاثر ہوتا ہے، جسمانی ساخت اور تن سازی سے متاثر ہوتا ہے، چرب زبانی سے متاثر ہوتا ہے، مال ودولت سے متاثر ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر اس تاثر کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، مثال کے طور پر چند ایک کا ذکر کرتے ہیں، ایک جگہ منافقین کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ۝﴾ (المنافقون: ٤)

”جب آپ انہیں دیکھیں تو اُن کے جسم آپ کو بڑے شاندار اور خوشنما معلوم ہوں اور جب وہ باتیں کریں تو آپ سنتے رہ جائیں“ یعنی ان کی گفتگو میں ایسی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فصاحت و بلاغت اور لب ولہجہ ایسا پر کشش کہ آدمی سنتا رہ جائے۔''

مال و دولت کی کشش انسان کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہے اور مسحور کر دیتی ہے، اس حقیقت کو قرآن وحدیث میں مختلف مقامات پر اور مختلف انداز میں بیان کیا گیا ایک جگہ یوں بیان فرمایا:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ۝ وَ لِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّكِـُٔوْنَ ۝ وَزُخْرُفًا﴾ (الزخرف: ۳۳ ـ ۳۴)

''اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو اللہ رحمٰن سے کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اور ان کی سیڑھیاں جن سے وہ اپنے بالا خانوں پر چڑھتے ہیں اور اُن کے دروازے اور ان کے تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں سب چاندی اور سونے کے بنوا دیتے۔''

یہ دولت کے تاثر اور کشش کی حقیقت ہے کہ کافروں کے گھر اگر سونے چاندی کے بنا دیئے جاتے تو اہل ایمان میں سے شاید ہی کوئی اس کے فتنے اور آزمائش سے بچ پاتا۔

اور ایک جگہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے شان وشوکت، ٹھاٹھ باٹھ اور مال و دولت کی کشش کا عملی نمونہ بیان کرتے ہوئے قارون کی شان وشوکت کا ذکر فرمایا:

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝﴾ (القصص: ۷۹)

''ایک روز وہ اپنی قوم کے سامنے اپنے پورے ٹھاٹھ باٹھ میں نکلا، جو لوگ حیات دنیا کے طالب تھے وہ کہنے لگے: کاش ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے یہ تو بڑے نصیب والا ہے۔''

اسی طرح انسان دنیا کی دوسری چیزوں سے اور انسانوں سے متاثر ہوتا ہے، اور دنیا میں جو سب سے مؤثر کن اور باعثِ فتنہ وآزمائش چیز جو کسی مرد کے لئے ہو سکتی ہے وہ آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا:

((مَاتَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً أَضَرُّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ))

(صحیح البخاری: ٥٠٩٦۔ مسلم: ٢٧٤٠)

''میرے بعد آنے والے فتنوں اور آزمائشوں میں سے مَردوں کے لئے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نقصان دہ نہ ہوگا۔''

بات ہورہی تھی آئیڈیل بننے کی، کہ آدمی اکثر و بیشتر غیر شعوری طور پر لوگوں کا آئیڈیل بن رہا ہوتا ہے اور وہ اس کے لئے جوابدہ بھی ہے، اس بات کو سمجھنے کے لئے ہم نے سب سے پہلے اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی کہ آدمی دوسروں سے متاثر ہوتا ہے اور شدتِ تاثر کا یہ عالم ہے کہ آدمی جس چیز سے متاثر ہوتا ہے بسا اوقات وہاں متاعِ دل لٹا بیٹھتا ہے۔

جیسا کہ شاعر کہتا ہے کہ:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

تو آئیڈیل بننے کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے شدتِ تاثر کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، بسا اوقات آدمی کسی چیز سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اس کے حصول کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوجاتا ہے، جان کی، مال کی، عزت کی اور ہر وہ چیز جو اس کے دائرہ اختیار میں ہوتی ہے اسے قربان کردینے کو تیار ہوتا ہے۔

شرمندگی، ملامت، توہین، خفت اور ذلت ہر اذیت سہنے کو نہ صرف یہ کہ تیار ہوجاتا ہے بلکہ اسے اپنے لئے شرف سمجھنے لگتا ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

وَهَانَ عَلَيَّ اللَّوْمُ فِيْ جَنْبِ حُبِّهَا
وَقَوْلُ الْأَعَادِيْ إِنَّهُ لَخَلِيْعُ

''اس کی محبت میں ملامت اب میرے لئے ہیچ اور بے معنی ہو کہ رہ گئی ہے، دشمنوں کا یہ کہنا کہ وہ تو بڑا بے شرم ہے میرے لیے ایک بہت ہی ہلکی سی بات ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

أَصَمُّ إِذَا نُوْدِيْتُ بِاسْمِيْ وَإِنَّنِيْ
إِذَا قِيْلَ لِيْ يَا عَبْدَهَا لَسَمِيْعُ

''اس کی محبت میں مجھے کوئی ملامت کرے یہ تو معمولی سی بات ہے، میں تو، کوئی اگر مجھے میرے نام سے پکارے تو بہرا ہو جاتا ہوں اور جب کوئی مجھے اس کا غلام کہہ کر پکارے تو میں خوب سنتا ہوں۔''

غلامی شدتِ تعلق کی انتہا ہے اور ایک سچے مسلمان سے مطلوب ہے کہ اس کا اپنے رب سے ایسا تعلق ہو کہ وہ اس کے ساتھ تعلق میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کرے، بلکہ اس کا عبد اور غلام ہونے پر فخر کرے۔

خلاصہ اب تک کی گفتگو کا یہ ہے کہ انسان ہر پر کشش چیز کو دیکھ اس سے متاثر ہوتا ہے، جو چیز اس کے دل کو بھاتی ہے، اس کو پسند آتی ہے، وہ اس کی خواہش کرنے لگتا ہے اور بسا اوقات وہ اسے اپنا آئیڈیل بنا لیتا ہے۔انسان جس طرح زندگی گزارتا ہے، اس کے طرز عمل کو دیکھ کر لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔

آدمی اپنے تئیں شاید یہ سمجھ رہا ہو کہ بھلا کون اس کی پیروی کرے گا، وہ تو ایک عام سا آدمی ہے، لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس کی کون سی ادا کسی کو پسند آ گئی ہو، کسی کا لباس، کسی کے بالوں کا سٹائل، کسی کے چلنے کا انداز، کسی کی گفتگو، کسی کا رہن سہن، کسی کی سگریٹ نوشی، کسی کی زبان درازی، کسی کی شان وشوکت، کسی کے سود پر لئے ہوئے مکان اور گاڑیاں، کسی کا سودی کاروبار، خوشی کے موقعوں پر رسم و رواج اور ناچ گانے، غرضیکہ آدمی جس طرح بھی زندگی گزارتا ہے اسے دیکھ کر لوگ متاثر ہوتے ہیں۔اور لوگ آپ کے کس طرز عمل سے متاثر ہو کر اسے اپنے لئے نمونۂ زندگی بناتے ہیں یہ آپ نے سوچنا ہوگا کیونکہ آپ اپنے اہل خانہ کے لئے، اہل محلّہ کے لئے اور معاشرے کے لئے جیسی مثال بنیں گے ویسا ہی اس کا اجر یا گناہ پائیں گے۔جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ .))

(صحیح مسلم: ۱۰۱۷)

''جس نے اسلام میں کسی اچھی چیز کی بنیاد رکھی، کوئی اچھا کام جاری کیا اور اس کے بعد اس پر عمل ہوا تو اُس عمل کرنے والے کے اجر کے برابر اس شخص کو بھی اس کا اجر ملے گا اور عمل کرنے والے کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

((وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا ، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ))

''اور جس نے کسی برے کام کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد اس پر کسی نے عمل کیا، تو پہلے شخص کو اس عمل کرنے والے شخص کے گناہ کے برابر گناہ ملے گا اور اس کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔''

اسی طرح ایک مشہور حدیث ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَعِلْمًا ، فَهُوَ يَتَّقِي فِيْهِ رَبَّهُ ، وَيَصِلُ فِيْهِ رَحِمَهُ وَيَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيْهِ حَقًّا فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ .))

''کہ دنیا چار قسم کے لوگوں کے لیے ہے: ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم کی دولت دی تو وہ اپنے رب سے اس مال کے کمانے اور خرچ کرنے میں ڈرتا ہے اور اس کے ذریعے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس میں اللہ کے حقوق کی ادائیگی کا بھی خیال کرتا ہے تو یہ سب سے افضل درجے پر ہے۔''

((وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا ، فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُوْلُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ ، فَهُوَ بِنِيَّتِهِ ، فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ .))

''اور ایک وہ بندہ جسے اللہ نے علم دیا ہو، لیکن مال و دولت سے اسے محروم رکھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر بھی اس کی نیت سچی ہے وہ کہتا ہے کہ کاش! میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں اس شخص کی طرح عمل کرتا لہٰذا اسے اس کی سچی نیت کی وجہ سے پہلے شخص کی طرح اجر برابر ملے گا۔''

((وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا ، فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ، لَا يَتَّقِي فِيْهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيْهِ رَحِمَهُ وَلَا يَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيْهِ حَقًّا ، فَهَذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ)) .

''اور ایک وہ بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے لیکن علم نہیں دیا ،وہ اپنا مال بغیر علم کے بے تکا اور بے ہنگم خرچ کرتا ہے ،اور خرچ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا، یعنی ناجائز کاموں میں خرچ کرتا ہے اس مال سے صلہ رحمی نہیں کرا، اوراس میں اللہ تعالیٰ کے حق کا خیال بھی نہیں کرتا ،تو ایسا شخص سب سے بدترین درجے پر ہے۔''

((وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا ، فَهُوَ يَقُوْلُ: لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ ، فَهُوَ بِنِيَّتِهٖ فَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ .))

اور ایک وہ بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت اور علم دونوں سے محروم رکھا اور وہ کہتا ہے اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں کی طرح عمل کرتا (یعنی بُرے کاموں میں خرچ کرتا) تو اس کی نیت کا وبال اسے ملے گا تو دونوں کے گناہ کا بوجھ برابر ہے۔''

(سنن ترمذی: ۲۳۲۵)

ان احادیث کی روشنی میں ہم نے جانا کہ آدمی غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر بھی جو کچھ کرتا ہے اگر لوگ اسے دیکھ کر اس جیسا کام کرتے ہیں تو اس عمل کے حساب سے اسے ثواب یا گناہ ملے گا۔آدمی جو کچھ کرتا ہے وہ گویا دوسروں کو اس کی دعوت دیتا ہے وہ نیکی یا برائی معاشرے میں جس حساب سے پھیلتی ہے تو اسی حساب سے وہ اس کا اجر یا ثواب پاتا ہے۔

آپ کس کام میں کسی کے لئے آئیڈیل بن رہے ہیں، اس کی فکر ہونی چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام میں نظام کی پابندی کی اہمیت

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝﴾ (الفرقان: ۲)

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پوری طرح درست طریقے سے اور ایک نہایت ہی مضبوط اور دقیق نظام کے ساتھ تخلیق فرمایا ہے، کائنات کی ہر چیز نہایت ہی منظّم ومنسق اور مناسب و موزوں پیدا فرمائی، کسی چیز میں کوئی کجی، ٹیڑھ، دراڑ اور ادھورا پن نہیں چھوڑا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں ایک طرف کائنات کو درست اور دقیق نظام کے تحت پیدا کرنے کا یہ کہہ کر ذکر فرمایا:

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝﴾ (الفرقان: ۲)

''اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کے لئے ٹھیک ٹھیک پیمانہ مقرر فرمایا۔''

یعنی کائنات کی ہر چیز کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اسے نہایت سلیقے، قاعدے اور ضابطے کے ساتھ اور ترتیب کے ساتھ اور مناسب اور موزوں پیدا کیا اور ایک نہایت مضبوط اور دقیق نظام کے ساتھ پیدا کیا، اسے بے ہنگم، بے ضابطہ، بے سلیقہ، بے قاعدہ، بے ڈھبا اور بے ڈھنگا پن کے ساتھ نہیں بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو درستی اور نظم ونسق کے ساتھ پیدا کرنے کے ذکر کے ساتھ اک چیلنج بھی فرمایا:

﴿مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ ۖ﴾ (الملک: ۳)

''تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی، بے ترتیبی اور بدنظمی نہیں پاؤ گے۔''

﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ۝﴾ (الملک: ۳)

''پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمھیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ۝﴾

(الملك : ٤)

''بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمھاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔''

اندازہ کریں! اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے نظم ونسق اور ربط وضبط کو بیان کرتے ہوئے ایک ایسے انداز میں بیان فرمایا کہ جس میں ایک چیلنج بھی ہے۔

کائنات کے نظم ونسق اور ترتیب وآراستگی کا اگر اندازہ کرنا چاہیں تو تھوڑے سے تدبر و تفکر سے بآسانی سمجھ آسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾ (آل عمران : ١٩١)

''وہ آسمان وزمین کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں تو بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾

(آل عمران : ١٩١)

پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے، پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔''

یعنی کائنات پر غور وفکر کر کے انسان بے اختیار اس نتیجے پر پہنچتا ہے، کہ یہ کائنات عبث، فضول اور بے مقصد نہیں ہے، کیونکہ ایک تو عظیم الشان تخلیق ہے اور پھر اس کا نہایت دقیق نظام اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کائنات یونہی بے مقصد اور محض اتفاق سے معرض وجود میں نہیں آئی بلکہ باقاعدہ ایک مقصد اور منصوبے کے ساتھ وجود میں آئی ہے۔

کائنات کے نظام کی دقت اور باریکی کا اندازہ کیجئے کہ کوئی چیز اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتی اور دوسرے کے دائرہ کار میں دخل اندازی نہیں کرتی، اپنے مدار اور اپنے محور میں رہتی ہے اور اپنی ذمہ داری نبھاتی ہے۔

اگر چیزیں اپنے مدار سے نکل جائیں تو دوسروں سے ٹکرا کر تباہ و برباد ہو جائیں۔ آپ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بخوبی سمجھتے ہوں گے کہ اگر سورج چاند سے ٹکرا جائے یا چاند زمین سے ٹکرا جائے تو کیا ہوگا۔

کائنات کے نظام میں اگر ذرا سی بھی بے اعتدالی ہو جائے اور کوئی سیارہ اپنے مدار سے نکل جائے تو سیارے آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں، مگر ایسے نہیں ہوتا، کیونکہ انہیں اس کا اختیار نہیں دیا گیا:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ؀﴾

(یٰس: ۳۸)

”اور سورج اپنے مقررہ ٹھکانے کی طرف چلا جاتا ہے، یہ زبردست علیم ہستی کا مقرر کردہ حساب ہے۔“

﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ؀﴾ (یٰس: ۳۹)

”اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں، یہاں تک کہ وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے۔“

﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ؀﴾ (یٰس: ۴۰)

”نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے، سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔“

ہاں کبھی ایسے ہوتا ہے کہ یہ اَجرام فلکی، اور پہاڑ اور زمین اللہ کے حکم سے اپنے مقرر کردہ طرز اور روش سے کچھ مختلف کرنے لگتے ہیں، مگر سبب اس کا بنی آدم کی بداعمالیاں ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ؀﴾ (الروم: ۴۱)

”بر و بحر میں فساد اور بگاڑ لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پیدا ہوا۔“

زمین کہ جس کا اصل کام انسان کے لئے پرسکون قیام گاہ مہیا کرنا ہے، جیسا کہ اللہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں:

﴿ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ ﴾ (النبأ: ٦-٧)

''کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ نہیں دیا۔''

یعنی زمین کو انسان کے لئے پرسکون قیام گاہ بنایا اور اسے مزید محفوظ بنانے کے لئے اس میں پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ کسی قسم کی جنبش پیدا نہ ہو۔

اور یہیں بس نہیں، بلکہ اس زمین میں برکتیں بھی رکھ دیں اور اس میں اس کی خوراک اور ارزاق بھی رکھ دیئے۔

﴿ وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝ ﴾

(فصلت: ١٠)

''اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کے لئے ہر ایک کی طلب وتلاش کے مطابق ٹھیک ٹھیک اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کردیا۔''

اور یہی زمین ایک خوبصورت انتظام کے تحت انسان کے جینے اور مرنے کی جگہ بنادی، جیسا کہ فرمایا:

﴿ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ اَحْيَاۗءً وَّاَمْوَاتًا ۝ ﴾ (المرسلات: ٢٥، ٢٦)

''کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا، زندوں کے لئے بھی اور مردوں کے لئے بھی۔''

زمین کو تخلیق فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہائش اور خوراک اور اس کے آرام کے ایسے انتظامات فرمائے اور ایسا نظم ونسق مقرر فرمایا کہ جو نہایت ہی مضبوط، دقیق اور پائیدار ہے۔

ذرا غور کریں کہ یہی ایک کرۂ زمین ہے جو کروڑوں اور اربوں سال سے بے شمار مخلوقات کو اپنی گود میں لئے ہوئے ہے، ہر قسم کے نباتات، حیوانات اور انسان اسی ایک زمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر بستے ہیں، اسی پر ضروریات زندگی پاتے ہیں اور مرنے کے بعد ان کے لاشے بھی اسی زمین میں ٹھکانے لگ جاتے ہیں اور اسی زمین میں بے شمار خزانے اور بے شمار نعمتیں رکھ دی گئی ہیں۔

تو یہ زمین کہ جس کا کام تو یہ ہے کہ انسان کی خدمت کرے، جیسا کہ دیگر مخلوقات انسان کی خدمت پر مامور ہیں، مگر جب انسان خود اپنے نظم ونسق سے نکل جاتا ہے اور بد نظمی کرتا ہے تو زمین بھی اللہ کے حکم سے اپنے نظم ونسق سے نکل جاتی ہے اور اپنے اندر ایسا لرزہ طاری کرتی ہے کہ انسان کو اور اس کے مال و دولت کو، اس کے کارخانوں ، کوٹھیوں، گاڑیوں اور باغات سمیت تہس نہس اور تہہ و بالا کر دیتی ہے۔

انسان جب بد نظمی کرتا ہے تو آسمان پانی برسانا بند کر دیتا ہے چاند اور سورج کو گرہن لگ جاتا ہے، سمندروں میں طغیانی آجاتی ہے اور پھر جن کے دلوں میں اللہ کے ڈر اور خوف کی اور ایمان کی کوئی رمق باقی ہوتی ہے تو وہ اللہ کے حضور رجوع کرتے ہیں اور گڑ گڑانے لگتے ہیں، صلاۃ الکسوف اور صلاۃ الخسوف ادا کرتے ہیں اور صلاۃ الاستسقاء پڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں نظم ونسق اور نظام کی پابندی کی کیا اہمیت ہے، ہم نے ان چند تمہیدی باتوں میں جانی، ورنہ اس موضوع پر بہت سی آیات و احادیث موجود ہیں، غرضیکہ اسلام سراسر دینِ نظم ونسق ہے، اسلام ہر کام میں نظم کی پابندی سکھاتا اور شدت سے اس کی تعمیل کا حکم دیتا ہے، معاملہ دین کا ہو یا دنیا کا۔

آیئے اس ضمن میں چند ایک احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں: نظم کی پابندی یوں تو آپ کو دین کے ہر معاملے میں نظر آئے گی مگر روز مرہ کے معمولات میں سے بالخصوص عبادات میں سے نماز اس کا بہترین نمونہ ہے۔

نماز میں نظم کی پابندی کی متعدد مثالوں میں سے ایک صفوں کا سیدھا کرنا بھی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"سَوُّوا صُفُوْفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ"

(صحیح مسلم: ٤٣٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اپنی صفیں درست کیا کرو، اس لیے کہ صفوں کی درستی نماز کو پورا کرنے سے ہے۔''

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

" اِنَّ مِـنْ حُسْنِ الصَّلٰوةِ اِقَامَةَ الصَّفِّ " (مسند احمد: ١٢٢٣١ ، حلية الاولياء ، ج:٩ ، ص:٣٣ ، ابن خزيمة : ١٥٤٣)

''نماز کے حسن میں سے صف کو سیدھا اور برابر کرنا ہے۔''

اور ایک حدیث میں ہے:

"فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ "

(صحيح البخاری: ٧٢٣)

''کہ صفوں کو برابر کرنا نماز کے قائم کرنے میں سے ہے۔''

اور ایک حدیث میں ہے:

" وَاللّٰہِ لَتُقِيْمُنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ "

(سنن ابی داود: ٦٦٢)

''اللہ کی قسم! تمہیں صفوں کو سیدھا کرنا ہوگا ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف ڈال دے گا۔''

اور صف بندی کی اہمیت پر کچھ مزید احادیث بھی ہیں کہ جن سے نماز میں نظم کی پابندی کی اہمیت خوب واضح ہوتی ہے جن میں سے ایک یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نظم کی خلاف ورزی پر ایک سزا مقرر فرما دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں میں آپس میں پھوٹ ڈال دیتا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارا مشاہدہ ہے، دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ لوگ نماز پڑھنے مسجد میں جاتے ہیں اور دوسرے نمازی ساتھیوں کی غیبت اور برائی کرتے ہوئے جاتے ہیں اور جب نماز پڑھنے کے بعد واپس جاتے ہیں تو بھی یہی کام کر رہے ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ آتے اور جاتے گالیاں بکتے ہوئے آتے اور جاتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دین کے معاملے میں نظم ونسق کی خلاف ورزی کی یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے، ورنہ بہت سی باتوں میں اور بہت بڑی بڑی باتوں میں ہم لوگ بد نظمی کی مثال ہوتے ہیں۔

نظم وضبط کی پابندی اور اس کا احترام جو کہ ہمارا آج کا اصل موضوع ہے، اس دور کا ایک نہایت ہی اہم مسئلہ ہے کیونکہ نظم اور نظام کی پابندی شرعا، قانوناً اور اخلاقاً ہر لحاظ سے لازمی اور ضروری ہے اور اس کے بہت سے دینی اور دنیوی فائدے ہیں جبکہ اس کی خلاف ورزی ہر لحاظ سے ناجائز ہے اور اس کے بہت سے دینی اور دنیوی نقصانات ہیں۔

دنیا کے معاملات میں نظام کی پابندی شرعی، قانونی اور اخلاقی لحاظ سے لازمی اور ضروری ہے اور دنیا میں قوموں کی ترقی کے اسباب میں سے یہ ایک بہت بڑا سبب ہے، تھوڑی بہت بد نظمی اور نظام کی خلاف ورزی تو ہر جگہ ہی پائی جاتی ہے، مگر مجموعی طور پر امت مسلمہ کا اگر غیر مسلم اقوام کے ساتھ اس معاملے میں موازنہ کیا جائے تو مسلمانوں کی حالت بہت ہی ابتر نظر آتی ہے۔

میدان اور شعبہ کوئی بھی ہو، حکومتی اداروں کا نظام ہو، پرائیویٹ اداروں کا نظام ہو، کاروباری قانون اور نظام ہو، پڑوسیوں کے حقوق کا نظام ہو حتی کہ مساجد کا نظام ہو، کہیں بھی پابندی نظر نہیں آتی، البتہ بد نظمی کے ہم پابند ضرور نظر آتے ہیں۔

نظام کی خلاف ورزی رگوں میں رچ بس چکی ہے حتی کہ اس بات کا احساس ہی ختم ہو گیا ہے کہ ہم کوئی خلاف ورزی بھی کر رہے ہیں ذرا غور کیجیے کہ اِس وقت جب کہ میں یہ بات کر رہا ہوں، میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ بھلا ہم کس کس نظام کی خلاف ورزی کرتے ہیں جبکہ بد نظمی میں جس قدر ہم ڈوبے ہوئے ہیں، ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ بھلا کس نظام کی خلاف ورزی ہم نہیں کرتے۔

نظم وضبط کی ہم کہاں کہاں خلاف ورزی کرتے ہیں یہ یاد کرنے میں تو شاید ہمیں کچھ وقت لگ جائے اس لئے سردست چند موٹی موٹی باتوں کا ذکر کرتے ہیں، مثلاً: ٹریفک کے نظام میں، بس اور جہاز میں سوار ہوتے ہوئے، تقریبات میں تاخیر سے آتے ہوئے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دفتروں میں اپنی باری کا انتظار کرتے ہوئے اور یقیناً اور بہت سے معاملات ہیں جن میں ہم نظام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

ٹریفک کے نظام کی خلاف ورزی کے نتائج میں ایک بڑا نتیجہ ایکسیڈنٹ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور دنیا میں کار ایکسیڈنٹ سے مرنے والوں کی تعدا سالانہ ایک ملین سے زائد ہے، صرف امریکا میں تیس ہزار سے زائد اموات ہوتی ہیں۔

تقریبات میں تاخیر سے پہنچنے کا ایک رواج چل نکلا ہے کہ داعی اور مدعو کے درمیان گویا کہ ایک قسم کی مفاہمت ہوگئی ہے، چونکہ لوگ وقت پر پہنچنے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں اور تاخیر سے پہنچنے کو اپنا بڑا پن، کہ جب وہ پہنچیں تو سب لوگ ان کا استقبال کرتے نظر آئیں اور انہیں کسی کا استقبال نہ کرنا پڑے۔

چنانچہ آدمی جب کسی کو دعوت دیتا ہے تو مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ پہلے کا وقت بتاتا ہے، مثلاً اگر وہ چاہتا ہے کہ تقریب کا آغاز شام آٹھ بجے ہو تو وہ لوگوں کو شام سات بجے کا دعوت نامہ بھیجے گا، کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ تاخیر سے پہنچنا لوگوں کا ایک نفسیاتی مسئلہ ہے، وقت پر پہنچنے سے ان کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ مسلمان امت کی اس اجتماعی خامی اور کوتاہی کے اسباب و وجوہات کیا ہیں اور اس کا حل کیا ہے، تو اس کے اسباب و وجوہات تو بہت ہیں، مگر میں انہیں مختصر الفاظ میں عرض کردینا چاہوں گا ورنہ اس کے لئے ایک مستقل خطبے کی ضرورت ہوگی۔

اس کی ایک بڑی بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ ہمیں ہمارے گھروں میں، سکولوں اور کالجوں میں حتی کہ دینی مدارس میں نظام کی پابندی اور اس کا احترام سکھایا نہیں جاتا اور ایک سبجیکٹ کے طور پر تعلیم نہیں دی جاتی، البتہ نظام کو توڑنے اور بائی پاس کرنے کا ایک غیر اعلانیہ اتفاق ضرور پایا جاتا ہے اور ہمارے معاشرے میں بہت سے طریقوں سے اس کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔

جن لوگوں نے نظام کے احترام کی مثال بننا ہوتا ہے وہی اس کی خلاف ورزی کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے نظر آتے ہیں اور یہ نظام کو توڑنے کی اور خلاف ورزی کرنے کی ایک ڈائریکٹ حوصلہ افزائی اور ترغیب ہے۔

ایسی مثالیں ہمارے معاشرے میں بہت کم ملتی ہیں کہ جن سے نظام کے احترام کی ترغیب ملے اور شوق پیدا ہو، مثلاً: سعودی عرب کے ایک بہت بڑے عالم شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ جو چند سال قبل وفات پا گئے ہیں وہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں کہیں جا رہے تھے اور پچھلی سیٹ پر بیٹھے مطالعہ میں مصروف تھے۔

پولیس نے ان کی گاڑی کو روکا اور چند ہی لمحوں میں انہیں جانے دیا۔ جب ڈرائیور وہاں سے چلا تو انہوں نے پوچھا کہ تمہیں پولیس نے کیوں روکا تھا؟ کہا اوور سپیڈنگ کی وجہ سے، پوچھا: تو پھر چھوڑ کیوں دیا؟ کہا: جب اس کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے کہا جاؤ۔

تو فرمایا کہ واپس چلو اسی آفیسر کے پاس۔ جب وہاں گئے تو اس سے پوچھا کہ اوور سپیڈنگ کا جرمانہ کیا ہے اس نے بتایا تو شیخ نے آدھے پیسے اپنی جیب سے دیئے اور کہا کہ باقی تم دو اس نے کہا کہ آپ رہنے دیں، میری غلطی ہے لہٰذا جرمانہ بھی میں ہی دوں گا، فرمایا: نہیں اس میں میری بھی غلطی ہے کہ میں نے رفتار کو حد میں رکھنا یقینی نہیں بنایا۔

مختصر یہ کہ نظام کی خلاف ورزی کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے معاشروں میں کسی بھی لیول پر اس ضمن میں ہماری تعلیم اور تربیت نہیں ہوتی، جبکہ نظام کی مخالفت پر ہر پہلو سے حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ترغیت ملتی ہے۔

اور اس کی ذمہ دار حکومت بھی ہے، عوام بھی ہے اور خواص بھی ہیں۔ نظام کی پابندی کو ہمارے ہاں توہین سمجھا جاتا ہے بالخصوص مالدار حضرات اپنے آپ کو نظام کی پابندی سے بالا سمجھتے ہیں۔

جب قوموں کی زندگی سے نظام کا احترام ختم ہو جاتا ہے تو وہ اختلاف اور انتشار کا شکار ہو جاتی ہیں، آپس میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، نفرتیں پیدا ہوتی ہیں، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا نظام رائج ہو جاتا ہے، اور قوم پستی میں چلی جاتی ہے اور خود اس کا احترام ختم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو جاتا ہے۔

آج ہمارا طرزِ عمل انتہائی حیران کن ہے کہ ہم اغیار کی ترقی کو تو سراہتے ہیں اور اپنے تخلف اور پستی پر آنسو بہاتے ہیں، مگر اصلاح کی کوشش نہیں کرتے، کیونکہ اصلاح کی ابتداء اپنی ذات سے ہوتی ہے اور وہ مشکل کام ہے، البتہ تنقید آسان ہے اور وہ ہم کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مواقعِ غنیمت کو غنیمت جانیں

﴿ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰ ﴾

(الاسراء: ۲۰)

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ افراد اور قوموں کی زندگی میں مواقعِ غنیمت آتے رہتے ہیں، موقعِ غنیمت ایک ایسے وقت اور موقعے کو کہتے ہیں جو روزمرہ کے معمول سے ہٹ کر ہو، انسان کی ترقی، بہتری، فائدے اور کامیابی کے لئے ہو اور محدود وقت کے لئے ہو۔ اُن مواقع سے استفادے کے حوالے سے لوگوں کی مختلف حالتیں ہوتیں ہیں:

☆ کچھ لوگ نیند اور غفلت کی حالت میں ہوتے ہیں کہ موقع آتا ہے اور گزر جاتا ہے۔

☆ کچھ لوگ بیدار تو ہوتے ہیں مگر موقعوں اور ان کی اہمیت کو سمجھ نہیں پاتے۔

☆ کچھ لوگ موقعے کو سمجھ تو رہے ہوتے ہیں، مگر اُن مواقع کا حصول ان کی ترجیحات میں نہیں ہوتا۔

☆ کچھ لوگ مواقع کو سمجھ بھی رہے ہوتے ہیں، اُن سے فائدہ بھی اٹھانا چاہتے ہیں مگر وہ دوسرے کاموں میں اتنا مگن اور مصروف ہوتے ہیں کہ اُن کے پاس اُس موقعے سے استفادے کے لئے فرصت ہی نہیں ہوتی۔

☆ کچھ لوگ موقعوں کو سمجھ بھی رہے ہوتے ہیں اور ان سے استفادہ بھی کرنا چاہتے مگر اِس سوچ اور امید کے ساتھ اُس موقع کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ابھی بڑی عمر پڑی ہے، پھر کوئی دوسرا موقع آئے گا تو استفادہ کرلیں گے۔

تو بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو موقع دیکھتے ہی فوراً اس کی طرف لپک جاتے ہیں کہ اس سے مستفید ہوں، گویا کہ وہ شدت سے اس کے منتظر تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موقعوں کی فراہمی اور دستیابی اور اُن سے استفادہ انسان کی زندگی کا ایک بہت بڑا اور اہم معاملہ ہے، لہٰذا سب سے پہلے مواقع غنیمت کی اہمیت کو سمجھنا ہوگا۔

افراد اور قوموں کی زندگی میں تبدیلی کا عمل مواقع کو غنیمت جاننے سے ہی ہوتا ہے، ورنہ روٹین اور معمول کی زندگی تو محض زندگی کا ایک سرکل ہی ہوتا ہے، جس سے انسان کی زندگی میں دینی اور دنیوی لحاظ سے کوئی تبدیلی پیدانہیں ہوتی۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا انعام اور احسان ہے کہ انہیں زندگی میں مواقع فراہم کرتا رہتا ہے، ان کے دینیوی فوائد کے لئے بھی اور اخروی کامیابی کے لئے بھی، اور کسی کو بھی اپنی عطاء اور فضل وانعام سے محروم نہیں رکھتا، جیسا کہ فرمایا:

﴿ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰ ﴾

(الاسراء: ۲۰)

”ہم ہر ایک کو بہم پہنچاتے ہیں، انہیں بھی اور انہیں بھی، تیرے رب کے فضل و عطاء سے اور تیرے رب کی عطاء اور فضل وانعام محظور وممنوع نہیں ہے۔“

یعنی دنیا کے طالب کو بھی اور آخرت کے طالب کو بھی اللہ تعالیٰ رزق عطاء کرتے ہیں، انہیں انعامات سے نوازتے اور مواقع فراہم کرتے ہیں، ہر ایک کو یکساں اور برابر مواقع فراہم کرتے ہیں۔

وہ مواقع کچھ تو کبھی کبھار زندگی میں آتے ہیں اور کچھ وقتاً فوقتاً آتے ہی رہتے ہیں اور کچھ موسمی ہوتے ہیں کہ ہر سال اک خاص موسم میں آتے ہیں۔

انسان کی زندگی میں جو مواقع آتے ہیں ان کی بہت سی قسمیں اور بہت سی شکلیں اور صورتیں ہیں اور وہ زندگی کے ہر شعبے میں آتے ہیں، لیکن انہیں آسانی کے لئے دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک قسم دنیا کے مواقع پر مشتمل ہے اور دوسری قسم آخرت سے تعلق رکھنے والے مواقع سے ہے۔

ہم انسان کی دنیا کی زندگی سے تعلق رکھنے والے مواقع کے حوالے سے فی الحال بات

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نہیں کررہے، کہ انسان اُن کی ضرورت و اہمیت کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور کافی حد تک ان کو حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتا رہتا ہے، اگرچہ کچھ لوگ اُس میں بھی اس قدر پست ہمت ہوتے ہیں کہ بھیک مانگنے کی ذلت تو برداشت کر لیتے ہیں مگر باعزت زندگی بسر کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔

مثلاً: ((سَمِعَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ سَائِلًا يَسْأَلُ بَعْدَ الْمَغْرِبِ ، فَقَالَ لِوَاحِدٍ مِنْ قَوْمِهِ عَشِّ الرَّجُلَ ، فَعَشَّاهُ))

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو مغرب کے بعد سوال کرتے ہوئے سنا تو ایک شخص سے فرمایا: اسے کھانا کھلا دو، اس نے کھانا کھلا دیا۔

((ثُمَّ سَمِعَهُ ثَانِيًا يَسْأَلُ))

''پھر اسی شخص کو دوبارہ مانگتے ہوئے سنا۔''

((فَقَالَ : أَلَمْ أَقُلْ لَكَ عَشِّ الرَّجُلَ))

''تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا میں نے تمھیں کہا نہیں تھا کہ اُسے کھانا کھلاؤ؟''

((قَالَ : قَدْ عَشَّيْتُهُ))

''تو اس نے کہا: جی ہاں! میں نے اسے کھانا کھلا دیا ہے۔''

((فَنَظَرَ عُمَرُ فَإِذَا تَحْتَ يَدِهِ مِخْلَاةٌ مَمْلُوْءَةٌ خُبْزًا))

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلی ہے جو روٹیوں سے بھری ہوئی ہے۔

فَقَالَ : لَسْتَ سَائِلًا وَلٰكِنَّكَ تَاجِرٌ۔

تو فرمایا تم سائل نہیں ہو بلکہ تم تو تاجر ہو، یعنی تم ضرورت مند نہیں بلکہ یہ تمھارا کاروبار ہے۔

((ثُمَّ أَخَذَ الْمِخْلَاةَ وَنَثَرَهَا بَيْنَ يَدَيْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ ، وَضَرَبَهُ بِالدِّرَّةِ وَقَالَ : لَا تَعُدْ)) (إحياء علوم الدين / كتاب الفقر و الزهد)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے وہ تھیلی چھینی اور اس میں جو کچھ تھا اسے صدقے کے اونٹوں کے سامنے پھیلا دیا، اور اسے دُرّے سے مارا، اور فرمایا: آئندہ ایسے نہ کرنا۔

اسی طرح ایک بار انہوں نے کسی کو یوم عرفہ کے دن مانگتے ہوئے دیکھا:

((إِنَّهُ سَمِعَ يَوْمَ عَرفَةَ رَجُلًا يَسْأَلُ النَّاسَ))

انہوں نے عرفہ کے دن کسی کو لوگوں سے مانگتے ہوئے سنا۔

((فَقَالَ : أَفِيْ هَذَا الْيَوْمِ ، وَفِيْ هَذَا الْمَكَانِ تَسْأَلُ غَيرَ اللّٰهِ ؟ فَخَفَقَهُ بِالدِّرَّةِ)) (جامع الاصول لابن الاثیر : ٧٦٤٦)

تو فرمایا: آج کے دن اور اس جگہ پر، یعنی میدانِ عرفات میں، اللہ کے سوا کسی اور سے مانگ رہا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے درے سے مارا۔

تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ دنیا کے معاملے میں بھی ایسے پست ہمت ہوتے ہیں کہ موقع غنیمت کی جستجو کرنا تو بہت دور کی بات وہ روز مرہ اور معمول کی زندگی گزارنے کے لئے بھی ہاتھ پاؤں نہیں مارتے۔

یہ واقعات سن کر آپ لوگ اُن آدمیوں کے بارے سوچ رہے ہوں گے کہ وہ کس قدر پست ہمت اور گئے گزرے تھے کہ اپنا پیٹ پالنے کے لئے بھی انہیں محنت و مشقت کی ہمت نہ ہوئی۔

مگر یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے، وہ شاید اتنے بھی پست ہمت نہ تھے، اتنے بھی گئے گزرے نہ تھے، جتنا پست ہمت اور گیا گزرا وہ انسان ہے جسے آخرت کی اور حقیقی کامیابی کا موقع غنیمت میسر آئے اور وہ اسے نظر انداز کردے اور ٹھکرا دے۔

جو آخرت کی کامیابی کے موقع غنیمت کو ٹھکرا دے وہ کتنا پست ہمت، گیا گزرا، بدبخت اور بدنصیب انسان ہوگا! یہ آپ جانتے ہیں، اس لئے کہ وہ حدیث آپ لوگ ہر سال سنتے ہیں، جس میں جبریل علیہ السلام ایک ایسے ہی انسان کے لئے بددعاء کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آمین فرماتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ)) (ترمذي : ٣٥٤٥)

دوری اور ہلاکت ہو ایسے شخص کے لئے جس نے اپنی زندگی میں رمضان المبارک کا موقع غنیمت پایا اور اپنے گناہوں کی بخشش حاصل نہ کر سکا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: آمین۔

رمضان المبارک ایک ایسا موقع غنیمت ہے جو ہماری زندگی میں واقع خلل کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے (لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ) تا کہ ہم تقویٰ حاصل کر پائیں اور یہ اصلاح آخری درجے کی اصلاح ہوتی ہے۔

کوئی آدمی نیکی کرتا ہے تو اصلاح ہے، برائی سے باز رہتا ہے تو اصلاح ہے، مگر کوئی شخص زندگی اس طرح گزارتا ہو کہ ہر ہر بات ہر ہر فعل اور ہر ہر قدم پر پرہیز اور اجتناب کی ایسی صورت اور کیفیت کہ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہو آخری درجے کی اصلاح ہے جس کا نام تقویٰ ہے۔

اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اس موقع غنیمت کو نظر انداز کرنے والوں کی ہمارے مسلم معاشروں میں کمی نہیں ہے، مگر اِس سے بڑھ کر آپ نے یہ بھی مشاہدہ کیا ہوگا کہ ہم میں کچھ ایسے بدقسمت لوگ بھی ہیں جو اس موقع غنیمت کو حاصل کرنے میں صرف سستی، کاہلی اور غفلت کا مظاہرہ ہی نہیں کرتے، بلکہ حقیقی معنوں میں وہ اسے ٹھکراتے ہیں اور وہ یوں کہ وہ اس مبارک مہینے میں عام دنوں سے زیادہ کام کرتے ہیں اور ان کی منطق یہ ہوتی ہے کہ اس مہینے میں بزنس چونکہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔

مگر وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ ہم سے پہلے یہ مثالیں گزر کر چکی ہیں کہ یہودیوں کو ہفتے کے روز مچھلی کے شکار سے منع کیا گیا اور آزمائش کے لئے اسی روز مچھلیاں زیادہ کر دیں۔

یہ اب آپ کی پسند ہے کہ آپ نے وہ موقع غنیمت حاصل کرنا ہے کہ جس میں بزنس زیادہ ہوتا ہے یا وہ موقع غنیمت کہ جس میں:

"فُتِّحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ" (صحيح البخارى: ٣٢٧٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔''

جان لیجیے کہ یہ چند سو یا چند ہزار ڈالر کا بزنس تو کیا، اس دنیا کی ساری کی ساری دولت اور تمام کی تمام نعمتیں آخرت کے مقابلے میں متاعِ قلیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اس پیش کش کے مقابلے میں اس متاع قلیل کو اختیار کرنے والے کتنے ناداں ہیں کہ چند کلیوں پر قناعت کر بیٹھے، اور آپ دیکھتے ہیں کہ انہیں اس مبارک مہینے میں نہ تلاوتِ قرآن پاک کی توفیق ہوتی ہے، نہ اذکار و وظائف کی، نہ تکبیرات وتسبیحات کی اور نہ نوافل کی، بس کام ہی کام۔

سارے دن کے تھکے ہارے جب شام کو گھر لوٹتے ہیں تو تراویح میں شامل ہوکر وہ سمجھتے ہیں کہ نہوں نے رمضان المبارک کی عبادت کا حق ادا کر دیا ہے، مگر حقیقت میں یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

وہ عبادت بھی بھلا کوئی عبادت ہے، جو بے لذت و بے سرور ہو، جس میں حلاوت اور چاشنی نہ ہو، جو آدمی کے دل و دماغ پر، اس کی سوچ اور افکار پر، حتیٰ کہ اُس کے جسم پر اثر انداز نہ ہو!

عبادت وہ ہے جس کا آدمی کے چہرے پر اور اس کے پورے بدن پر بھی اثر ہوتا ہے۔

﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ (الفتح : ٢٩)

سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں۔

انسان کا چہرہ گویا اک کھلی کتاب ہوتا ہے جس کے صفحات پر اُس کے نفس کی کیفیات دیکھی جاسکتی ہیں اور حقیقت میں عبادت وہ ہے جو آدمی کی سوچ اور اُس کے دل و دماغ پر چھا جائے۔

ابھی دو ایک روز پہلے ایک صاحب بتا رہے تھے، جو کہ نمازی اور دیندار ہیں، وہ کہہ رہے تھے کہ اب میں خواب میں بھی ٹیکسی چلاتا ہوں، گذشتہ رات میں خواب میں ٹیکسی چلاتا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

رہا، صبح اٹھ کر جب بیگم کو بتایا تو اس نے کہا کہ پھر لاؤ پیسے کہاں ہیں؟ تو میں نے کہا وہ میں نے خواب میں ہی آپ کو دے دیئے تھے۔

حقیقت یہ ہے جو کام آدمی ذوق اور شوق سے اور دل جمعی سے کرتا ہے وہ کام اس کی سوچ پر حتی کہ اس کے خوابوں پر بھی چھا جاتا ہے۔

دن بھر آدمی دنیا کمانے میں لگا رہے اور رات کو غنودگی کی حالت میں تراویح ادا کر کے وہ سمجھے کہ وہ رمضان المبارک کی برکتوں سے مستفید ہو رہا ہے اور اس موقع غنیمت کو حاصل کر رہا ہے تو اِسے اس کی سادگی سے زیادہ کیا کہیں گے!

رمضان المبارک کی سعادتوں سے ہم صحیح معنوں میں مستفید کیوں نہیں ہو پاتے اور اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ہم اس کی طرف کیوں نہیں لپکتے؟

اس کے بہت سے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہم دنیا کے حصول میں پوری طرح مگن ہیں اور اس دلدل میں سرتا پا غرق ہیں، یہاں تک کہ دنیا کی خواہش ہمارے خوابوں پر بھی چھا گئی ہے، پھر ایسے میں عبادت میں لذت کہاں سے آئے گی اور اس کو جی کیسے چاہے گا۔

موقع غنیمت کو حاصل کرنے کی انسان کوشش تب کرتا ہے جب اس کی اہمیت اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہو اور موقع غنیمت کا مطلب یہ سمجھے کہ اگر وہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔

اور رمضان المبارک کے موقع غنیمت ہونے کی صورت میں یہ سمجھنا کہ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو شاید دوبارہ یہ موقع نہ ملے لوگ اس تصور کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ چنانچہ اس کے حصول کے لئے وہ جذبہ اور وہ ذوق اور شوق پیدا نہیں ہوتا جو کسی موقع غنیمت کے حصول کے لئے درکار ہوتا ہے۔

یہ زندگی بڑی محدود ہے، چند گنتی کی سانسیں ہیں ان محدود سانسوں کی قدر نہ کرنے والا ضرور پچھتاتا ہے،انسان کو اس پچھتاوے سے بچانے کے لئے قرآن و حدیث میں بہت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادہ تنبیہ کی گئی ہے، بہت ڈرایا گیا ہے، بہت زیادہ نیکی کا شوق پیدا کیا گیا ہے کہ کسی طرح انسان اس پچھتاوے سے بچ جائے۔

جیسا کہ فرمایا:

﴿وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰﴾

(المنافقون: ١٠)

”اور جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے، اس میں سے خرچ کرو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور اس وقت وہ کہے: اے میرے رب، کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی، کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہوجاتا۔“

موقع غنیمت کو ضائع کردینے کا انجام حسرت وافسوس، ندامت اور پچھتاوا ہی ہوتا ہے، چنانچہ ایک مقام پر اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ اَنِيْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝۵۴﴾ (الزمر: ٥٤)

”پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور مطیع وفرمانبردار بن جاؤ اس کے، قبل اس کے کہ تم پر عذاب آجائے اور پھر کہیں سے تمہیں مدد نہ مل سکے۔“

﴿وَ اتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۵۵ۙ﴾ (الزمر: ٥٥)

”اور پیروی اختیار کرلو اپنے رب کی بھیجی ہوئی کتاب کے بہترین پہلو کی، قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آئے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔“

﴿اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝۵۶ۙ﴾ (الزمر: ٥٦)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

’’کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی شخص کہے: افسوس میری اس تقصیر پر جو میں اللہ کی جناب میں کرتا رہا، بلکہ میں تو الٹا مذاق اڑانے والوں میں شامل تھا۔‘‘

﴿ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾ (الزمر : ۵۷)

’’یا کہے: کاش اللہ نے مجھے ہدایت بخشی ہوتی تو میں بھی متقیوں میں سے ہوتا۔‘‘

﴿ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴾

(الزمر : ۵۸)

’’یا عذاب دیکھ کر کہے: کاش مجھے ایک موقع اور مل جائے اور میں بھی نیک عمل کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔‘‘

تو موقع غنیمت کو اگر استعمال نہ کیا جائے تو یقیناً بہت بڑے نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، جیسا کہ مختلف مواقع غنیمت کو حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے ایک موقع غنیمت کی یوں ترغیب فرمائی، فرمایا:

((مَنْ أَرَادَ الْحجَّ فَلْيَتَعجَّلْ))

’’جس شخص نے حج کا ارادہ کیا اسے چاہیے کہ وہ حج جلدی کر لے۔‘‘

((فَإِنَّهُ قَدْ يَمْرَضُ الْمَرِيْضُ ، وَتَضِلُّ الضَّالَّةُ ، وَتَعرِضُ الْحَاجَةُ)) (ابن ماجة : ۲۸۸۳)

کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کوئی بیمار ہو جائے، یا سواری گم ہو جائے یا کوئی اور کام پڑ جائے۔ لہٰذا کسی کو کوئی موقع غنیمت میسر آئے تو اسے فوراً حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے، کہ اللہ تعالیٰ کی پیش کش بہت قیمتی ہے اور اس میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا محض سستی اور کاہلی کی بناء پر اس کو مؤخر نہیں کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان کی اصل پہچان

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾﴾

(الحشر: ۱۹)

انسان فطرتاً کتنا متجسس واقع ہوا ہے کہ ہمیشہ ہر چیز کی کھوج اور ٹوہ میں رہتا ہے، ہر چیز کا علم حاصل کر لینا چاہتا ہے، اپنے گرد و پیش میں کوئی نقل و حرکت نظر آئے تو فوراً متوجہ ہو کر اس کا سبب جاننا چاہتا ہے اور اگر کہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو پھر تو اس کے تجسس میں گویا شدت آجاتی ہے اور جب تک وہ اس کے بارے میں کوئی تھوڑی بہت معلومات حاصل نہیں کر لیتا تب تک اسے چین نہیں آتا، آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کہیں کوئی حادثہ ہو جائے تو وہاں لوگوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو جاتا ہے اور وہ محض تجسس ہی ہوتا ہے، اور باقی جو اپنے جاننے والوں کی ہر چھوٹی بڑی بات کا تجسس ہے تو وہ تو گویا لوگ اسے اپنا حق سمجھتے ہیں تجسس کرنا کہ کوئی کہاں گیا ہے، کیوں گیا ہے، کس سے ملا ہے اور کیوں ملا ہے، کیا باتیں ہوئی ہیں، کیا کھایا اور کیا پیا ہے غرضیکہ ہر چھوٹی چھوٹی بات کا تجسس ہوتا ہے۔

مگر ایک بات جو کہ سب سے اہم بات ہے اس کے جاننے کی فکر اور اس کا تجسس ہرگز نہیں رکھتا اور وہ ہے اس کا اپنی ذات کے بارے میں تجسس، کہ وہ کون ہے اور کیوں ہے، اس نے کبھی اپنے آپ سے نہیں پوچھا کہ: میں کون ہوں؟ اور میرا مقصد زندگی کیا ہے

اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے دل و دماغ میں اپنی ذات کی ایک پہچان رکھتے ہیں، اس کو ہم اپنی اصلی پہچان سمجھتے ہیں، وہ پہچان ہمارے دماغوں میں راسخ ہو چکی ہے، اس پر ہم خوش ہوتے اور فخر کرتے ہیں۔

وہ ایک مصنوعی سی پہچان جو ہم طبقاتی تقسیم کے حوالے سے رکھتے ہیں، وہ روح کے جسم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے الگ ہوتے ہی فوراً بدل جاتی ہے اور بے حیثیت ہو جاتی ہے۔

آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ آدمی جب فوت ہوتا ہے تو کبھی کسی نے اس کا نام لے کر، اس کے لقب، اس کے عہدہ و منصب اور اس کی معاشرتی حیثیت کا ذکر کر کے نہیں کیا کہ جنرل صاحب کو دفنانے کے لئے لے چلو، سیٹھ صاحب کو، خان صاحب کو، چوہدری صاحب کو، علامہ صاحب کو لے چلو بلکہ کہتے ہیں: میت کو لے چلو۔

وہ مصنوعی پہچان چند لمحوں میں ہی بدل جاتی ہے، اگرچہ نام کی حد تک پہچان تو مرنے کے بعد بھی رہتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، مگر عوام کے ہاں فوراً بدل جاتی ہے۔

یہ خود ساختہ اور مصنوعی پہچان آدمی کو اس کی اصلی اور حقیقی پہچان تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

دنیا میں انسان مختلف حیثیتوں سے اپنی مختلف پہچانیں رکھتا ہے جو کہ خود ساختہ اور مصنوعی اِن معنوں میں ہیں کہ اُنہیں انسان اس عارضی دنیا میں کچھ عارضی ضرورتوں کے پیش نظر تخلیق کر کے اُنہیں میں کھو جاتا ہے اور اپنی حقیقی پہچان کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ حالانکہ اس کی حقیقی پہچان کی معرفت اسے دنیا میں زندگی گزارنے کا بھی سلیقہ سکھلاتی ہے اور آخرت کی کامیابی کا انحصار تو سراسر اس کی حقیقی پہچان کا علم حاصل ہونے پر ہی ٹھہرتا ہے۔

دنیا کی زندگی میں انسان جو اپنی مختلف پہچانیں رکھتا ہے اُن میں سے ایک اسے دوسری مخلوقات سے مختلف اور مُمیَّز کرنے کے حوالے سے ہے۔ اور وہ ہے انسان کا حیوان ناطق ہونا۔

اور اس میں انسان کی دو خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے: حیوان کا معنی ہے: زندہ، جاندار اور ذی روح ہونا اور ناطق کا معنی ہے: بولنے والا۔

حیوان کا لفظ اگرچہ انسان کی طبیعت پہ ذرا گراں گزرتا ہے، مگر یہاں لفظِ حیوان جنسِ حیوان کے معنوں میں نہیں ہے بلکہ لغوی معنوں میں مراد ہے۔

تو انسان کی تعریف اور اس کی پہچان کے حوالے سے اس کی ان دو خصوصیتوں کے ذکر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا مطلب ہے کہ بنیادی طور پر دو قسم کی مخلوقات ہیں: ایک جمادات، جیسے پہاڑ وغیرہ اور دوسرے حیوانات، جیسے انسان، جن، فرشتے، جانور اور دوسری جاندار مخلوقات۔

پھر جاندار مخلوقات میں سے صرف اور صرف انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو بولنے کی قدرت وصلاحیت رکھتی ہے۔

اس لئے حیوانِ ناطق کا لفظ صرف انسان پر ہی صادق آتا ہے کہ وہ حیوان بھی ہے، یعنی جاندار اور ذی روح بھی ہے اور بولنے والا بھی۔ دیگر جاندار مخلوقات کا بھی اگرچہ بولنے اور کلام کرنے کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے، جیسے فرشتوں کے بات کرنے کا ذکر، جنوں کے کلام کرنے کا ذکر اور بعض جانوروں کے گفتگو کرنے کا ذکر اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا پرندوں کی بولی سمجھنے کا ذکر وغیرہ۔

مگر انسان کے بولنے اور دیگر جاندار مخلوقات کے بولنے میں فرق یہ ہے کہ انسان عقل، فکر اور ارادے سے بولتا اور تدریجاً اس میں ترقی اور مہارت حاصل کرتا ہے۔

انسان کی تعریف ''حیوانِ ناطق'' کے حوالے سے نہایت اختصار کے ساتھ یہ چند باتیں تمہیداً عرض کی ہیں، ورنہ اس پر تفصیلی گفتگو ہوسکتی ہے۔تو آیئے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ انسان کی اصل پہچان کیا ہے اور اصل پہچان معلوم کرنا ضروری کیوں ہے؟

سب سے پہلے انسان کی اصل پہچان کے مصدر و مأخذ کے حوالے سے یہ بات یاد رہے کہ انسان کی اصل پہچان صرف اور صرف قرآن وحدیث سے مل سکتی ہے۔ ورنہ کوئی آپ کو بندر کی نسل قرار دے گا اور کوئی کچھ اور بنادے گا۔ جبکہ انسان کی اصلیت اس کی حقیقت اور اس کی تمام تفصیلات صرف اور صرف قرآن وحدیث سے ہی ملتی ہیں۔

رہی یہ بات کہ انسان کو اپنی پہچان حاصل کرنا ضروری کیوں ہے؟ تو وہ ضروری اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے درجات میں سے پہلا درجہ اپنی معرفت حاصل کرنا ہے۔ یہ بات محض اتفاق کا نتیجہ نہیں کہ قرآن پاک کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا سب سے پہلا کلام جو نازل فرمایا وہ یہ تھا کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ ② ﴾

(العلق : ۱-۲)

’’ پڑھیئے اے نبی! اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کو پیدا کیا۔‘‘

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور اپنی معرفت کے ذکر کے ساتھ انسان کی تخلیق کا ذکر بے مقصد نہیں کیا یقیناً ان دونوں باتوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کا کوئی سرسری ذکر نہیں کیا بلکہ اس کے بعد قرآن پاک میں متعدد مقامات پر انسان کی پیدائش کا مختلف پیرائے اور اسلوب میں اور ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا: جیسا کہ سورۃ الدھر میں بات شروع ہی انسان کی پیدائش اور اس کے وجود سے کی، فرمایا:

﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① ﴾

(الدھر : ۱)

’’ کیا انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت نہیں گزرا جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔‘‘

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖۗ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ② ﴾

(الدھر : ۲)

’’ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لئے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔‘‘

﴿ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ③ ﴾ (الدھر : ۳)

’’ ہم نے اسے راستہ دکھایا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔ ‘‘

یہاں ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پھر اپنی عبادت اور شکر و احسان مندی کو انسان کی پیدائش کے ساتھ ذکر فرمایا۔

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

اور پھر آپ ﷺ کا جمعے کے روز فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر کی تلاوت پر مداومت فرمانا گویا کہ انسان کو اس کی پیدائش اور پہچان کی یاد دہانی کرانا ہے، جس سے مقصود گویا یہ ہے کہ جب انسان کو اپنی حقیقت کا علم ہوجائے گا، اپنی ابتداء اور اپنی تخلیق کا علم ہوجائے گا تو وہ بے ساختہ اپنے محسن اور اپنے منعم کے سامنے سربسجود ہوجائے گا اور اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں، اپنے ارادے اور اپنی منشاء اور اپنی خواہشات اس کے حوالے اور اس کے حکم کے تابع کردے گا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان دیگر مخلوقات کی پیدائش پر بھی اگر غور وفکر کرے گا تو بے ساختہ پکار اٹھے گا کہ:

﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ ﴾

(آل عمران: ۱۹۱)

’’جب وہ زمین وآسمان کی ساخت پر غور وفکر کرتے ہیں تو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے، پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔‘‘

تو انسان کے اپنی پہچان حاصل کرنے کا، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری اور شکر واحسان مندی بجالانے کے ساتھ گہرا تعلق ہے، اگر انسان کو اپنی اصلیت اور پہچان حاصل نہ ہو کہ وہ کیا ہے اور کیوں ہے تو وہ سرکشی پر اتر آتا ہے، کیونکہ اسے جس طرح کی اپنی پہچان حاصل ہے وہ بہرحال اسے سرکشی پر آمادہ کرتی ہے۔

تو سورۃ العلق کی انہی ابتدائی آیات کے بعد انسان کی سرکشی کا ذکر ہے، فرمایا:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ ﴿١﴾ ﴾ (العلق: ۱)

’’پڑھیئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔‘‘

﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ ﴿٢﴾ ﴾ (العلق: ۲)

’’جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کو پیدا کیا۔‘‘

﴿ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ ﴿٣﴾ ﴾ (العلق: ۳)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔''

﴿الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴﴾ (العلق: ٤)

''جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔''

﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵﴾ (العلق: ٥)

''انسان کو وہ علم دیا جو وہ جانتا نہ تھا۔''

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ۝۶﴾ (العلق: ٦)

''ہرگز نہیں! انسان سرکشی کرتا ہے۔''

﴿اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ۝۷﴾ (العلق: ٧)

''اس بناء پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے۔''

جب انسان کو اپنی حیثیت اور اپنی حقیقت کا علم ہی نہ ہو، اس کو معلوم ہی نہ ہو کہ وہ اک کمزور اور ضعیف مخلوق ہے۔

﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ۝۲۸﴾ (النساء: ٢٨)

''انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

جب اس کو معلوم ہی نہ ہو کہ وہ ہر دم اللہ کے حضور محتاج وفقیر ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝۱۵﴾

(فاطر: ١٥)

''لوگو! تم سب اللہ کے محتاج وفقیر ہو اور اللہ تو غنی وحمید ہے۔''

تو جب انسان کو اپنی حیثیت کا علم نہ ہوگا، اپنی معرفت اور اپنی پہچان نہ ہوگی تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کے بجائے یہ سمجھتے ہوئے سرکشی کرنے لگے گا کہ یہ سب کچھ تو میرے کمالِ ہنر کا نتیجہ ہے۔

جیسا کہ قارون نے کہا تھا:

﴿قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ﴾ (القصص: ٧٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''یہ سب کچھ تو مجھے اُس علم کی بناء پر دیا گیا ہے جو مجھ کو حاصل ہے۔''

یعنی وہ اس دولت کو اپنی ذہانت اور مہارت کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے۔

اور پھر فخر، تکبر اور بے نیازی تو اس سوچ کا لازِمَہ ہے۔ جب ایک طرف آدمی کو اپنی پہچان نہ ہو، اپنی اصلیت کا علم نہ ہو اور دوسری طرف ایک خود ساختہ اور مصنوعی پہچان معاشرے نے اس کے دماغ میں ڈال دی ہو، تو پھر اس کا لب ولہجہ کیسا ہوگا؟

آپ نے شاید کبھی کسی کو یہ کہتے ہوئے دیکھا اور سنا ہو کہ تو مجھے جانتا نہیں ہے! مگر حقیقت میں جب وہ کسی کو یہ کہہ رہا ہوتا ہے تو اس کی اپنی بات ہی اس کا منہ چڑا رہی ہوتی ہے، وہ دوسرے سے کہہ رہا ہوتا ہے کہ تو مجھے جانتا نہیں ہے جبکہ حقیقت میں وہ خود اپنے آپ کو نہیں جانتا ہوتا، اگر جانتا ہوتا تو ایسی بات ہرگز نہ کرتا، کیونکہ اس کی اپنی پہچان اسے شرمندہ کر دینے کے لئے کافی ہوتی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس جیسی سرکشی سے بچانے کے لئے فرمایا ہے:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝﴾ (الطارق: ٥)

''پس ذرا انسان دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔''

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی، انسان کو اگر اپنی یہ حیثیت یاد ہو تو کیا وہ کبھی کسی سے کہے گا کہ تو مجھے جانتا نہیں! بلکہ اس میں عاجزی وانکساری پیدا ہو جائے بالخصوص اپنے ماں باپ کے سامنے تو وہ آنکھ اٹھا کر بھی بات کرنے کی جرأت نہ کر پائے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو بھولے ہوئے ہیں، بلکہ لگتا ہے کہ بھلا دیئے گئے ہیں اور جس بات کو یاد رکھنے کی ترغیب دی گئی ہو اور بھول جانے کو ناپسند کیا گیا ہو اس کا بُھلا دیا جانا سزا کے طور پر ہوتا ہے، بالخصوص جب متنبہ کیا گیا ہو کہ خبردار اپنے آپ کو بھولنا نہیں ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝﴾

(الحشر ١٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے، تو اللہ نے انہیں بھلا دیا خود ان کے اپنے نفس سے اور وہی لوگ فاسق ہیں۔"

اور آپ یقیناً اس بات کی اہمیت کو سمجھتے ہوں گے کہ جب انسان کو یہ یاد نہ رہے کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور اسے کدھر جانا ہے تو کیا وہ کبھی اپنی منزل مقصود تک پہنچ پائے گا! ہرگز نہیں۔ انسان کی پہچان کا ایک پہلو یہ ہے جس کا مختصر سا ذکر کیا اور اس کی پہچان ایک اور پہلو سے بھی ہے، اس کا ان شاء اللہ آئندہ خطبہ جمعہ میں ذکر کریں گے۔

تاہم ہمیں ہر پہلو سے اپنی پہچان کرنا ہوگی، ہر وہ بات جو ہماری ذات کے ساتھ خاص ہے اور نتیجہ خیز ہے، ہمیں اس کے بارے میں جاننا ہوگا۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ اپنے بارے میں جانتے بھی نہیں اور جاننا بھی نہیں چاہتے۔

اقول قولي هذا واستغفر اللّٰه العظيم لي ولكم ولسائر المسلمين من كل ذنب انه هو الغفور الرحيم .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قدرِ خود بشناس

﴿ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴾ (مریم: ٦٧)

گزشتہ جمعے انسان کی پہچان کا ایک پہلو ذکر ہوا، آج ایک دوسرے پہلو سے تھوڑا سا ذکر کریں گے ان شاء اللہ، اور پھر رمضان المبارک سے متعلق کچھ عرض کریں گے۔

انسان کی ایک پہچان تو یہ ذکر ہوئی کہ وہ حیوانِ ناطق ہے، اور یہ اسے جسمانی طور پر دوسری مخلوقات سے ممتاز کرنے کے لئے ہے اور اس کے ساتھ تخلیق کے لحاظ سے اس کی پہچان کا ذکر ہوا کہ انسان کی پیدائش ایک مخلوط نطفے سے ہوئی۔

اس پہچان کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر مختلف پیرایوں میں بیان فرمایا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ﴾ (الدھر: ١)

کیا انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت نہیں گزرا جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔

﴿ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴾ (الطارق: ٥)

انسان ذرا دیکھے تو سہی کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

﴿ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴾ (مریم: ٦٧)

کیا انسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم پہلے اس کو پیدا کر چکے ہیں جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔

﴿ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ﴾ (یٰس: ٧٨)

اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے۔

﴿ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴾

(العلق: ٢-١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھیے اے نبی اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کو پیدا کیا۔

تو انسان کی یہ پہچان اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر بیان فرمائی، جس میں یقیناً بہت سی حکمتیں ہوں گی۔

ان میں سے ایک حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے انعامات و احسانات یاد دلا کر انہیں احسان مندی اور شکر گزاری کی راہ دکھا رہے ہیں اور یہ انعام و احسان اتنا بڑا انعام و احسان ہے کہ دیگر تمام انعامات و احسانات کی بنیاد ہے، کہ اسے وجود بخشا ہے جبکہ وہ اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھا، اس کا نام و نشان تک نہ تھا، پھر کیونکر وہ احسان فراموشی کی روش اختیار کرے۔

اور یہ پہچان اس لئے بھی کروائی تاکہ انسان کو اپنی کمزوری اور فقر و احتیاج کا احساس رہے اور وہ سرکشی پر نہ اتر آئے، اور اس لئے بھی تاکہ اسے موت کے بعد والی زندگی کو سمجھنا آسان ہو، جیسا کہ فرمایا:

﴿ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴾

(یٰس: ۷۷)

"انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا۔"

﴿ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴾

(یٰس: ۷۸)

"اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے، کہتا ہے: کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔"

﴿ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴾ (یٰس: ۷۹)

"اس سے کہو، انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا جو ہر طرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے۔''

تو یہاں مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کی حقیقت کو سمجھانے کے لئے اس کی پیدائش کا حوالہ دیا، کہ جو انسان کو عدم سے وجود میں لایا، وہ اس کے بوسیدہ وجود کو بھی زندہ کرسکتا ہے، غرضیکہ اپنی پیدائش کی حقیقت کو اور تخلیقی عمل کو سمجھنے اور یاد رکھنے میں بہت سی حکمتیں ہیں اور اس کے بہت سے فوائد ہیں۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان تکبر نہیں کرتا، اگر اسے اپنی پیدائش کا عمل یاد رہے تو نہ تکبر کرتا ہے اور نہ کسی سے ظلم وزیادتی کرتا ہے، بلکہ تواضع اور عجز وانکساری سے رہتا ہے۔

مالک ابن دینار رحمہ اللہ ایک مشہور تابعی ہیں، بالخصوص زہد وتقوی کے حوالے سے شہرت رکھتے ہیں، ایک بار خُراسان کے گورنر اَلْمُهَلَّبْ اُن کے پاس سے فخر وغرور کے ساتھ اکڑتے ہوئے گزرے۔

((مَرَّ الْمُهَلَّبُ عَلَى مَالِكِ بْنِ دِيْنَارٍ مُتَبَخْتِرًا))

ایک روز مہلب، مالک بن دینار کے پاس سے اکڑتے ہوئے گزرے۔

((فَقَالَ : أَمَا عِلِمْتَ أَنَّهَا مِشْيَةٌ يَكْرَهُهَا اللّٰهُ إِلَّا بَيْنَ الصَّفَّيْنِ))

تو مالک بن دینار رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ چال ناپسند ہے، سوائے اس کے کہ جب دو صفیں آمنے سامنے کھڑی ہوں یعنی سوائے میدان جنگ کے!

((فَقَالَ الْمُهَلَّبُ : أَمَا تَعْرِفُنِيْ؟))

تو مہلب نے کہا آپ مجھے جانتے نہیں؟

((قَالَ : بَلَى))

کہا: میں جانتا ہوں۔

((أَوَّلُكَ نُطْفَةٌ مَذِرَةٌ))

تمہاری ابتداء ایک سیال نطفہ ہے۔

((وَآخِرُكَ جِيفَةٌ قَذِرَةٌ))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور تمہاری انتہا اک غلیظ مردار ہے۔

((وَأَنْـتَ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ تَحْمِلُ الْعَذِرَةَ)) (سیر اعلام النبلاء ، ج: ٥ ، ص: ٣٦٣)

اور ان کے درمیان تم ہر وقت اپنے اندر گندگی اٹھائے پھرتے ہو۔

تو وہ شرمندہ و ریختہ ہوتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی پیدائش کی حقیقت اور اس کے تخلیقی عمل کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴾ (الطارق : ٥)

''انسان ذرا دیکھے تو سہی کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔'' اور پھر آگے اس کی تفصیل بیان کی۔

اور کبھی اللہ تعالیٰ اس کی طرف اشارے پر ہی اکتفا فرماتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

﴿ كَلَّا إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ ﴾ (المعارج: ٣٩)

''ہم نے جس چیز سے ان کو پیدا کیا ہے اُسے یہ خود جانتے ہیں۔''

تو اپنی پیدائش کی بلکہ کائنات کی تخلیق کی حقیقت جاننے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے محسن و منعم کی اور کائنات کے خالق و مالک کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور انسان بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔

﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾

(آل عمران : ١٩١)

''اے ہمارے رب! یہ سب کچھ تو نے بے کار اور عبث نہیں بنایا، تو اس سے پاک ہے اور ساتھ ہی اعتراف قصور کرتے ہوئے التجا کرتا ہے کہ ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔''

یہ تو اپنی پیدائش کی حقیقت جاننے کے چند فوائد کا ذکر تھا دوسری طرف اپنی پیدائش کی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

حقیقت سے ناواقفیت اور عدم معرفت کے نقصانات بھی ہیں۔

جو انسان اپنی پیدائش سے آگاہ نہیں ہوتا، یا اسے نظر انداز کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھ رہا ہوتا ہے، وہ اپنے آپ کو کسی کا احسان مند اور شکر گزار نہیں سمجھتا، وہ بے پرواہی اور بے نیازی دکھاتا ہے اور بالآخر بے نیازی اس کی سرکشی کا باعث بنتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰٓ ۝﴾ (العلق : ٦، ٧)

''انسان سرکشی کرتا ہے اس بناء پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے۔''

اور سرکشی کیا ہوتی ہے؟ حد سے تجاوز کرنا، جب انسان سرکشی کرتا ہے تو پھر وہ کسی کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتا، کسی کی عزت کو خاطر میں نہیں لاتا، وہ کسی کی جان، مال اور عزت و آبرو اور نظام کی پرواہ کرتا ہے اور نہ احترام کرتا ہے، دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے اور پابندی کو اپنی توہین سمجھتا ہے۔

اپنی پیدائش کو نظر انداز اور فراموش کر دینے والا فخر وغرور اور تکبر کرتا ہے، اللہ کی نعمتوں پر اس کا احسان مند اور شکر گزار ہونے کے بجائے ان پر اتراتا ہے اور انہیں اپنی محنت، علم، عقل اور تجربے کا نتیجہ سمجھتا ہے اور شیطان اُس کی اس سوچ اور خیال کو اُس کے دل و دماغ میں راسخ اور پیوست کر دیتا ہے کہ تم تم ہو، تمہارے جیسا ذہین، زیرک، عقلمند اور دانا اور محنت کش دنیا میں بھلا کون ہوسکتا ہے! اور پھر آدمی کی چال ڈھال اور گفتگو اور رہنے سہنے کے انداز ہی بدل جاتے ہیں۔

غرضیکہ اپنی پہچان نہ رکھنے کے بہت سے نقصانات ہیں، اندازہ کریں، اس لاعلمیت اور ناواقفیت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان ایک ایسی نسبت اور شرف کا دعوی کرنے لگتا ہے کہ جو اس کی سوچ سے بھی بلند تر ہوتی ہے۔ جیسا کہ یہود ونصاری کے بارے کے میں اللہ فرماتے ہیں

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ (المائدة :١٨)

''یہود اور نصاری کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور فرعون نے تو اس سے بھی بڑھ کر دعوی کر ڈالا۔"

﴿فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴾ (النازعات : ٢٤)

اُس نے تو یہ تک کہہ دیا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

لہٰذا اپنی پہچان حاصل کرنا انسان پر لازم اور ناگزیر ٹھہرتا ہے، تاہم یہ باتیں تو گذشتہ جمعے کی گئی باتوں کی کچھ مزید تفصیل تھیں، آج ہم انسان کی پہچان ایک دوسرے پہلو سے جاننا چاہیں گے اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے سب سے مکرم و محترم مخلوق ہے، انسان بہت بڑی فضیلت والا اور اللہ کی تخلیق کا شاہکار ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے اسے بنایا اور فرشتوں سے سجدہ کروایا اور پھر اُن میں سے مسلمانوں کو دنیا کا لیڈر، امام اور رہنما بنایا اور خیر امت کا اعزاز بخشا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران : ١١٠)

تم دنیا میں وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا۔

اور انسان کو سب سے بڑا اعزاز یہ فرمایا کہ اسے اپنی عبادت کے لیے منتخب فرمالیا اور صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے اس کی تخلیق فرمائی:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ (الذاريات: ٥٦)

"میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔"

تمام مخلوقات میں سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے چن لیا! یہ یقیناً ایک بہت بڑا شرف اور اعزاز ہے، تو انسان کی پہچان کا یہ ایک دوسرا پہلو ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک بہت بڑا مقام و مرتبہ حاصل ہے۔

انسان کی یہ پہچان اور اس کا یہ مقام اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان اپنے اندر ایسی صفات پیدا کرے کہ جو اُسے اِس مقام پر قائم رکھنے میں مددگار ثابت ہوں، ورنہ اس کے یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعزازات چھن بھی سکتے ہیں، اور جب کسی آدمی سے بڑا اعزاز چھنتا ہے تو اسے اسی قدر بڑی رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے بلندیوں پر پرواز کرنے والا گرے گا تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کی کوئی چیز سلامت نہیں رہے گی۔

اسی طرح انسان جو کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے مکرم و محترم مخلوق ہے، جب وہ اس مقام کے لیے اہلیت ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو پھر انسان کے مقابلے میں جاندار مخلوقات میں سے جو مخلوق سب سے کم تر سمجھی جاتی ہو اس کی سطح پر اسے گرا دیا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی کم تر حیثیت اسے دے دی جاتی ہے۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

''اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے، ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان تو ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں۔''

یہاں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ ''بہت سے جن و انس ایسے ہیں جنہیں ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔'' کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم نے ان کو پیدا ہی اس غرض کے لیے کیا ہے۔

بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے ان کو دل، دماغ، آنکھیں اور کان دے کر پیدا کیا تھا، تاکہ وہ ان اعضاء کو استعمال کرتے ہوئے جنت کے حقدار بنیں اور جہنم سے بچ جائیں۔ مگر وہ تو سرے سے انہیں کام میں لائے ہی نہیں، اپنی آخرت بنانے کے لیے انہوں نے دل اور

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

دماغ سے کام نہیں لیا، کان اور آنکھ سے کام نہیں لیا بلکہ اس کے برعکس انہوں نے ان کا غلط استعمال کرتے ہوئے اپنے آپ کو جہنم کا حقدار بنالیا اور یہ پہلے سے ہمارے علم میں تھا۔

ہم انفرادی طور پر اگر اپنا اپنا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ کیا ہم ابھی تک اسی مقام ومرتبے پر فائز ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مقرر فرمایا ہے، یا اس سے گر کر جانوروں کی سطح پر آگئے ہیں، تو ہماری حیثیت ہم پر منکشف ہو جائے گی، مگر شاید ہم میں سے اکثر لوگ یہ جاننا نہیں چاہیں گے، وہ اپنے آپ کو اس حالت سے بے خبر رکھنا چاہیں گے اور محض حسن ظن پر گزارا کرنا چاہیں گے جیسے کچھ لوگ اپنا میڈیکل چیک اپ اس لیے نہیں کرواتے کہ انہیں اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں کوئی خطرناک بیماری نہ نکل آئے، ان کی اس سوچ کو آپ جو نام دینا چاہیں دے لیں، مگر دین کے معاملے میں یہ سوچ سراسر حماقت و نادانی شمار ہوگی۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو قرآن وحدیث پر پیش کریں، اس چیک اپ کے لیے ہمیں کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوگی، اور نہ لیب کے رزلٹ کا انتظار کرنا پڑے گا، بلکہ ایک ایک آیت پڑھتے جائیں رزلٹ ساتھ ساتھ ملتا جائے گا۔

قرآن پاک آغاز سے پڑھیں اور اہل جنت کی صفات وخصوصیات پڑھتے جائیں اور نوٹ کرتے جائیں کہ وہ صفات آپ میں موجود ہیں یا نہیں۔

اسی طرح جہنم کی طرف لے جانے والی صفات کو بھی نوٹ کرتے جائیں اور دیکھیں کہ کہیں ہم ان کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔ تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ کہاں کھڑے ہیں۔

اگر آپ خیال کریں کہ پورا قرآن پاک پڑھنے میں تو بہت وقت لگ جائے گا کوئی ایسی صورت ہو کہ کسی طرح جلد رزلٹ سامنے آجائے، تو پھر سورۃ المؤمنون کی ابتدائی دس گیارہ آیتیں پڑھ لیں، آپ کا ضمیر آپ سے جھوٹ نہیں بولے گا، آپ کو سچ سچ بتا دے گا۔

اگر آپ واقعی اپنی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو ہمت کریں اور سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات پڑھ لیں۔ میں ایسی خوش قسمت ماؤں کو جانتا ہوں جو اپنے بچوں کو ان آیات کی تلاوت کرنے کو کہتیں کہ ذرا پڑھو تو تاکہ میں دیکھوں کہ یہ صفات مجھ میں پائی جاتی ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ نہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں اور اگر کوئی کمی کوتاہی پائیں تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان المبارک کی صورت میں اصلاحِ نفس کا جو موقع عنایت فرمایا ہے تو اس میں اصلاح اور تلافی کی کوشش کریں۔

اصلاح اور تزکیہ نفس یوں تو ہر وقت مطلوب ہے کہ ایک عمومی قاعدہ بیان کر دیا گیا ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا﴾ (الشمس: ۹-۱۰)

”یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔“

مگر رمضان المبارک خصوصی طور پر تزکیہ نفس کا مہینہ ہے، کیونکہ اس میں تزکیہ نفس کے اسباب پائے جاتے ہیں اور ماحول پایا جاتا ہے۔

تزکیہ نفس کے اسباب اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ماحول کا ہونا بھی ضروری ہے اور جب سبھی لوگ روزے کی حالت میں ایک ہی کیفیت سے گزر رہے ہوتے ہیں تو انسان کو ہم آہنگی میسر آتی ہے جو کہ کسی بھی کام کے لئے بہت زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہ رمضان المبارک ایک قیمتی خزانہ

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ (البقرہ : ۱۸۳)

اللہ کا شکر اور اس کا احسان ہے کہ اُس نے ایک بار پھر ہمیں مہلت عمر عطا کرتے ہوئے رمضان المبارک کی برکتوں اور سعادتوں سے مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمایا۔

رمضان المبارک یقیناً ایک بہت ہی بابرکت و باسعادت مہینہ ہے، مگر اس کی برکت و سعادت اور اہمیت و افادیت سے شاید ہم میں سے کم ہی لوگ آگاہ ہوں گے۔

یوں تو تقریباً سبھی مسلمان رمضان المبارک کی فضیلت اور اہمیت سے آگاہ ہیں کیونکہ بچپن ہی سے اس کی فضیلت اور اہمیت کے حوالے سے آیات و احادیث سنتے چلے آرہے ہیں اور اس سے استفادے سے متعلق وعظ و نصیحت اور تاکید و ترغیب سنتے آئے ہیں اور ایک مذہبی تہوار کے طور پر بھی ہم اس سے واقف ہیں، مگر رمضان المبارک سے متعلق یہ واقفیت چند ابتدائی معلومات سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔

رمضان المبارک کی برکت و سعادت سے متعلق حقیقی اور گہری معرفت کہ جو انسان کو زندگی کے تمام معمولات پسِ پشت ڈالتے ہوئے اس سے استفادے پر مجبور کردے اور گناہوں کی بخشش کا آخری موقع سمجھتے ہوئے اس کی طرف متوجہ کردے ایسی معرفت رکھنے والے افراد شاید انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔

پھر اس سے زیادہ سچی اور حقیقی معرفت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو زندگی کی آخری سانسیں لے رہے ہوں یعنی جب ان کی روح قبض ہو رہی ہو، کیوں کہ اس وقت دنیا کی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی ہے اور وہ اسے خوب سمجھ چکے ہوتے ہیں، چنانچہ وہ اس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روشنی میں دنیا میں موجود نیکی کے مواقع سے مستفید ہونے کے لیے بے ساختہ اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست گزار ہوتے ہیں:

﴿ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَآ أَخَّرْتَنِيٓ إِلَىٰٓ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴾

(المنافقون: ١٠)

''اے میرے پروردگار! تھوڑی سی مہلت اور دے دی ہوتی، تاکہ میں کچھ صدقہ خیرات کر لیتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا۔''

مگر افسوس کہ ان کی وہ درخواست حسرت و ندامت بن کر رہ جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

(مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى قَبْرٍ دُفِنَ حَدِيْثًا)

آپ ﷺ کا گزر ایک ایسی قبر کے پاس سے ہوا جس میں کوئی شخص نیا نیا دفن ہوا تھا۔

" فَقَالَ: مَنْ صَاحِبُ هَذَا الْقَبْرِ "

تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس قبر والا کون ہے؟

" فَقَالُوْا: فُلَانٌ " لوگوں نے کہا: فلاں شخص ہے۔

" فَقَالَ: رَكْعَتَانِ اَحَبُّ اِلٰى هَذَا مِنْ بَقِيَّةِ دُنْيَاكُمْ "(معجم الأوسط للطبرانی: ٩٢٠)

فرمایا: تمہاری باقی کی ساری دنیا سے دو رکعتیں اسے زیادہ محبوب ہیں۔''

اور ایک روایت میں ہے:

"رَكْعَتَانِ خَفِيْفَتَانِ مِمَّا تَحْقِرُوْنَ وَتَنْفِلُوْنَ يَزِيْدُهُمَا هَذَا فِيْ عَمَلِهِ، أَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ بَقِيَّةِ دُنْيَاكُمْ " (سلسلة الصحيحه: ١٣٨٨ ، الزهد لابن المبارك : ٣١)

''دو ہلکی سی رکعتیں، جنہیں تم معمولی سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہو یہ شخص ان دو رکعتوں کا اپنے عمل میں اضافہ کرے تمہاری باقی کی ساری دنیا سے اسے زیادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محبوب ہیں۔‘‘

یعنی اگر اسے دنیا میں دوبارہ آنے کی اجازت دی جائے اور اختیار دیا جائے کہ دنیا میں جا کر دو ہلکی سی رکعتیں پڑھ لو، یا باقی دنیا کے سارے خزانے لے کر قیامت تک ان سے لطف اندوز ہوتے رہو، تو اسے یہ ہلکی سی دو رکعتیں تمہاری ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہوں گی۔

آپ ﷺ نے ایک فوت شدہ شخص کی تمنا اور آرزو ہمیں بیان فرمائی کہ اگر اسے دنیا میں آنے کا موقع دیا جائے تو وہ دو ہلکی سی رکعتوں کو پوری دنیا کے مقابلے میں ترجیح دینا پسند کرے گا۔

اور اگر دو ہلکی سی رکعتوں کی جگہ اسے پورے رمضان المبارک کا تحفہ دیا جائے کہ جس میں ایک قدر ومنزلت والی رات ایسی بھی ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کی خوشی کا عالم کیا ہوگا تو رمضان المبارک کی سعادت، برکت، اہمیت اور افادیت کو اس طرح سمجھنے والا اس دور میں شاید ہی کوئی نظر آئے۔

اور ظاہر ہے کہ جب اس کی اہمیت سمجھ نہیں آئے گی تو اس کے مطابق کوشش بھی نہیں ہوگی اور توجہ بھی نہیں دی جائے گی۔

ہمیں یہ کیوں گمان ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کی اہمیت کو اس طرح سمجھنے والے دنیا میں بہت کم ہیں اور اتنے کم ہیں کہ شاید انگلیوں پر گنے جا سکتے ہوں؟

ظاہر ہے! اپنے گرد و پیش کے حوالے سے بات ہو رہی ہے کہ جہاں تک ہماری معلومات کی رسائی ہے، ورنہ دنیا ایسی سوچ اور فکر اور ایسی معرفت رکھنے والوں سے ہرگز خالی نہیں ہے، یقیناً دنیا کے مختلف علاقوں میں بسنے والے بہت سے لوگ ایسی معرفت کے حامل ہوں گے۔

تو ہمارے طرز عمل سے ایسے لگتا ہے کہ ہم رمضان المبارک کی اہمیت کو نہیں سمجھے، رمضان المبارک سے ہمارا برتاؤ، ہمارا تعلق اور ہماری وابستگی ظاہر کرتی ہے کہ رمضان المبارک کی آمد کو ہم ایک معمول کی گردشِ دوراں سمجھتے ہیں، کہ رمضان المبارک ہر سال یوں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہی آتا اور گزر جاتا ہے۔

رمضان المبارک کی اہمیت کو جو لوگ سمجھتے ہیں ان کا حال کیا ہوتا ہے، تاریخ کے اوراق نے اسے ہمارے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ:

(إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ نَفَرَ مِنْ قِرَاءَةِ الْحَدِيْثِ وَمُجَالَسَةِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَأَقْبَلَ عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرآنِ مِنَ الْمُصْحَفِ) (لطائف المعارف لابن رجب، ص: ١٧١)

کہ جب رمضان المبارک داخل ہوتا تو وہ حدیث کا پڑھنا پڑھانا، درس و تدریس اور اہل علم کی مجالس کو ترک کر کے تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہو جاتے، (اور زبانی نہیں بلکہ قرآنِ پاک سے دیکھ کر پڑھتے) اور شاید دیکھ کر پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک قرآن پاک سے دیکھ کر پڑھنے کا ثواب، زبانی پڑھنے کی نسبت زیادہ ہوتا ہے، کہ ایک پڑھنے کا ثواب اور ایک دیکھنے کا ثواب اور پھر غلطی کا امکان بھی نہیں رہتا۔

تاہم امام مالک رحمہ اللہ تمام کام چھوڑ چھاڑ کر قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے، کہ اس مبارک مہینے کو قرآن پاک سے خصوصی نسبت ہے کہ:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرة: ١٨٥)

"رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا ہے۔"

اور یہ کہ ہر سال رمضان میں آپ ﷺ پر ایک بار قرآن پاک پیش کیا جاتا، پڑھا جاتا

" كَانَ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ الْقُرآنُ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً"

نبی کریم ﷺ کے سامنے ہر سال رمضان میں ایک بار قرآن پڑھا جاتا،

"فَعُرِضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ"

(صحيح البخاري: ٤٩٩٨)

"اور جس سال آپ ﷺ نے وفات پائی، آپ ﷺ کے سامنے دو بار قرآن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجید ختم کیا گیا۔"

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

"لِأَنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ حَتّٰى يَنْسَلِخَ"

اور جبریل علیہ السلام رمضان المبارک میں، رمضان المبارک گزرنے تک ہر رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا کرتے۔"

"يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ الْقُرْآنَ" (صحيح البخاري : ٤٩٩٧)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قرآن مجید سناتے۔

تو رمضان المبارک اور قرآن پاک کا آپس میں گہرا تعلق ہے، لہٰذا سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم بھی رمضان المبارک میں قرآن پاک پر خصوصی توجہ دیتے، حتی کہ تراویح میں بھی لمبی قراءت اور لمبا قیام ہوتا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

" وَقَدْ كَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِيْنَ "

"امام ایک رکعت میں سوسو آیتیں پڑھتے۔"

" حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعِصِيِّ مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ "

حتی کہ لمبے قیام کی وجہ سے ہم لاٹھیوں کے سہارے کھڑے ہوتے۔

"وما كُنَّا نَنْصَرِفُ اِلَّا فِي فُرُوْعِ الْفَجْرِ " (مؤطا امام مالك : ٢٨٠)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اور ہم لوگ فجر کے وقت گھروں کو لوٹتے۔

اور اسی طرح دیگر سلف صالحین رحمہم اللہ بھی رمضان المبارک میں تلاوت قرآنِ پاک کا خصوصی اہتمام کرتے اور توجہ دیتے، اور ایسے ہی دوسری نیکیوں کا بھی اہتمام کرتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ اِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ " (صحيح ابن خزيمه: ١٩٩٦)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”روزہ محض کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں، بلکہ بیہودہ اور فحش کاموں سے رکنے کا نام ہے۔“

اور فرمایا:

”الصِّيَامُ جُنَّةٌ، اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ صَائِمًا فَلَا يَرْفُثْ ولا يَجْهَلْ“

(سنن ابی داود: ۲۳۶۳)

”روزہ ڈھال ہے، لہٰذا جب کوئی روزہ رکھے تو فحش گوئی اور بے وقوفی اور حماقت سے باز رہے۔“

چنانچہ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان باتوں سے بچنے کے لئے اپنا اکثر وقت مسجد میں ہی گزارتے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((أَنَّهُ كَانَ وَأَصْحَابُهُ إِذَا صَامُوْا قَعَدُوْا فِي الْمَسْجِدِ وَقَالُوْا نُطَهِّرُ صِيَامَنَا)) (ابونعيم، حلية الأولياء: ١/ ٣٨٤)

کہ وہ اور ان کے ساتھی جب روزہ رکھتے تو مسجد میں ہی بیٹھے رہتے اور کہتے کہ ہم اپنے روزوں کو پاک کرتے ہیں۔

غرضیکہ سلف صالحین رحمہم اللہ رمضان المبارک کی اہمیت کو کچھ اس طرح سمجھے تھے ان کی سمجھ اور ہماری سمجھ میں کیا فرق ہے وضاحت کی محتاج نہیں ہے۔

بہت سادہ سی بات ہے، ہم کام کی اہمیت کو سمجھتے ہیں، لہٰذا ہم کم ازکم آٹھ گھنٹے روزانہ اس کو دیتے ہی ہیں، اگرچہ کتنے ہی لوگ ایسے بھی ہیں جو رمضان المبارک میں بھی کم ازکم روزانہ بارہ بارہ گھنٹے کام کرتے ہیں۔

اور جس طرح دنیا کے کاموں کے بارے میں یہ حقیقت ہے کہ محنت کے مطابق صلہ ملتا ہے، اسی طرح آخرت کے بارے میں بھی یہ حقیقت ہے کہ محنت ومشقت کے مطابق اجر ملتا ہے، جیسا کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

”وَلٰكِنَّهَا عَلٰى قَدْرِ نَفَقَتِكِ أَوْنَصَبِكِ“ (صحيح البخاري: ١٧٨٧)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''عمرے کا اجروثواب تمہیں تمہارے خرچ یا مشقت کے مطابق ہی ملے گا۔''

اس کا مطلب یقیناً یہ نہیں کہ کوئی آدمی کسی نیک کام کے لئے جان بوجھ کر مشقت اٹھائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ ہر کام کے لئے مشقت اٹھانا ہی پڑتی ہے اور جس کام میں مشقت زیادہ ہوگی اس کا ان شاء اللہ اجر بھی زیادہ ملے گا۔

اور مشقت مالی بھی ہوسکتی ہے، بدنی بھی ہوسکتی ہے اور ذہنی اور اعصابی بھی ہوسکتی ہے۔

ہم رمضان المبارک سے استفادے کے لئے کون کون سی اور کس کس قدر مشقت اٹھاتے ہیں، ہر شخص اپنے بارے میں خوب جانتا ہے۔سوال یہ ہے کہ رمضان المبارک سے استفادے کے لئے آخر اس قدر محنت و مشقت کیوں درکار ہے؟

ممکن ہے رمضان المبارک سے استفادے کے حوالے سے کچھ لوگ اس طرح سوچتے ہوں کہ رمضان المبارک کے روزے ہم رکھتے ہیں، فرض نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور تراویح بھی پڑھ لیتے ہیں اور حسب توفیق صدقہ خیرات بھی کر لیتے ہیں اور اس سے زیادہ ایک مسلمان سے کیا مطلوب ہے اور اللہ قبول کرنے والا ہے۔

بظاہر یہ بات بڑی معقول معلوم ہوتی ہے اور اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو کہ ہماری یہ ٹوٹی پھوٹی عبادتیں ہی قبول ہوجائیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ کئی پہلوؤں سے یہ بات صحیح نہیں ہے۔

سب سے پہلی بات تو وہی ہے کہ ایسی سوچ رمضان المبارک کی اہمیت سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔

رمضان المبارک اصلاحِ نفس، تزکیہ و تربیت اور قربِ الٰہی کا ایک خصوصی پیکیج ہے اور خصوصی پیکیج کے ساتھ خصوصی معاملہ ہوتا ہے اور وہ خصوصی معاملہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام کے طرز عمل کی صورت میں ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

اس خصوصی پیکیج کی اہمیت کو آپ ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعے بھی واضح کیا، اس کی ترغیب دیتے ہوئے اور اس سے صحیح معنوں میں مستفید نہ ہونے والوں کو ترہیب کرتے ہوئے اور انجام بد سے خبردار کرتے ہوئے، جیسا کہ اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں اور یاددہانی اور نصیحت و موعظت کے لئے ہم ہر سال انہیں سنتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جن میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے جب ایسے شخص کے لئے بددعا فرمائی کہ:

"بُعْدَ مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْلَهُ"

ہلاکت اور تباہی و بربادی ہے ایسے شخص کے لئے جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اپنے گناہوں کی بخشش حاصل نہ کرسکا تو اُس پر آپ ﷺ نے آمین فرمائی۔" یعنی اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ (معجم الکبیر للطبرانی:١٩/ ١٤٤، رقم: ٣١٥)

اسی طرح لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے، اس کی ترغیب دیتے ہوئے اور اس سے محرومی کی صورت میں بدنصیبی سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

"اِنَّ هَذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ"

یہ جومہینہ تم پر آیا ہے، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

"مِنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ"

جو اس کی سعادت حاصل کرنے سے محروم رہا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا۔"

"وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا اِلَّا مَحْرُوْمٌ" (سنن ابن ماجه: ١٦٤٤)

اور اس کی سعادت سے صرف بدنصیب ہی محروم کیا جاتا ہے۔"

اور پھر اس پر آپ ﷺ کا خود اپنا عمل، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

"كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ، وَأَحْيَا لَيْلَهُ، وَاَيْقَظَ اَهْلَهُ" (صحيح البخاري: ٢٠٢٤)

"جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ ﷺ عبادت کے لئے کمربستہ ہوجاتے، راتوں کو جاگتے اور اپنے اہل وعیال کو بھی جگاتے۔"

اور پھر رمضان المبارک کے روزوں کی فضیلت کا بنیادی مقصد جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے وہ مسلمانوں میں تقوی پیدا کرنا ہے،اور تقوی کیا ہے، اس کا ذکر بھی کسی موقع پر کریں گے ان شاء اللہ۔ اور اس میں سب سے اہم بات ہوگی کہ تقوی کے تقاضے کیا ہیں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی علامات کیا ہیں۔

تاہم تقوی کوئی عبادت سرسری طور پر کر لینے سے نہیں آتا بلکہ یہ ایک مسلسل و پیہم اور طویل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے،اور ایک مہینے کی مسلسل اور انتھک جدوجہد اس کے حصول کا ایک معیاری وقت ہے۔تقوی کی تفصیلات معلوم نہ ہونے کے باوجود اگر آدمی جاننا چاہے کہ اس میں تقوی پیدا ہوا ہے کہ نہیں تو وہ دیکھے کہ اس کے رمضان سے پہلے کے طرز زندگی اور رمضان کے بعد کے طرز زندگی میں کچھ مثبت فرق آیا ہے کہ نہیں۔

اگر وہی چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے والا معاملہ ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ ہمارا تقوی کے قریب سے بھی گزر نہیں ہوا، پورے مہینے کی محنت کے بعد اگر آدمی کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو تو معنی یہ ہوگا کہ روزوں کی فرضیت کا مقصد پورا نہیں ہوا،اور اگر مقصد پورا نہ ہوا اور آدمی پھر بھی خوش ہوتا پھرے کہ اس نے خوب محنت کی ہے،تو اِس کو اُس کی سادگی ہی کہیں گے۔

آپ جانتے ہیں کہ جب کوئی چیز بنائی جاتی ہے تو وہ ایک حالت سے گزر کر دوسری شکل اختیار کر لیتی ہے،مثلاً کھانا پکانا چاہیں تو گھنٹے، دو گھنٹے کی محنت کے بعد جب کھانا پک کر تیار ہو جائے گا،تو ہم دیکھیں گے کہ وہ چیز، دال،سبزی یا گوشت کی تمام خصوصیات سراسر بدل چکی ہوں گی۔اب نہ وہ شکل ہوگی، نہ وہ سختی رہے گی، نہ وہ خوشبو اور نہ وہ ذائقہ سب کچھ بدل چکا ہوگا۔لیکن اگر وہ پہلی صفات اس میں بدستور موجود ہوں۔ وہی سختی،وہی بدمزہ اور بے ذائقہ پن اور وہی خوشبو جو کچی سبزی میں ہوتی ہے،تو کون عقلمند اسے کہے گا کہ کھانا پک کر تیار ہو گیا ہے۔لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم رمضان المبارک کی اہمیت کو سمجھیں اور اس موقعے کو غنیمت جانیں اور آج کا کام کل پر نہ ڈالیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک مہینے کی اہمیت کو سمجھنے اور اس کی برکتوں سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان المبارک کی ضرورت واہمیت اور افادیت جاننا ضروری کیوں؟

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ (البقرہ: ۱۸۳)

گذشتہ جمعہ ہم نے رمضان المبارک کی اہمیت اور قدر و قیمت جاننے کی کوشش کی، اس لئے کہ جب تک کسی چیز کی اہمیت ،ضرورت، افادیت اور قدر و قیمت کا علم نہ ہو آدمی اس کے لیے اپنی رغبت،شوق اور دلچسپی ظاہر نہیں کرتا ،اس طرف راغب اور مائل نہیں ہوتا ۔ کچھ چیزوں کی طلب ،خواہش اور ضرورت چونکہ انسان کی جبلت میں ہوتی ہے لہٰذا انسان اُن کی حقیقت ،اہمیت اور افادیت جانے بغیر بے اختیار ان کی طرف لپکتا اور مائل ہو جاتا ہے اور ان کی شدید خواہش دل میں رکھتا ہے،لیکن ایسی چیزیں کہ جن کا انسان کی فطری ضرورتوں اور دنیا کی ضرورتوں اور سہولتوں سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ اس کے برعکس وہ اس کے آرام میں خلل کا باعث بنتی ہوں ان کی طرف میلان طبع بھلا کیسے ہوسکتا ہے۔

تو آخرت کی باتیں کچھ ایسی ہی ہیں کہ جن کی انسان اس دنیا کی زندگی میں کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا ، بلکہ انہیں دنیا کی زندگی سے لطف اندوز ہونے کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے لہٰذا ایسی باتوں کی ضرورت ،اہمیت اور افادیت کو جاننا اور سمجھنا ضروری ہو جاتا ہے۔

تو رمضان المبارک کے روزے کا تعلق بھی چونکہ آخرت کی باتوں سے ہے، آخرت کی کامیابی اور ناکامی سے اس کا ایک بڑا اور گہرا تعلق ہے لہٰذا بے اختیار انسان اس کی طرف مائل نہیں ہوتا بلکہ اس پر غور وفکر کرنا پڑتا ہے، اس کی ضرورت واہمیت کو سمجھنا پڑتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ حقیقت میں رمضان المبارک کے روزوں کا دنیا کی زندگی سے بھی ایک گہرا تعلق ہے، ان سے انسان کی جو تربیت ہوتی ہے، نفس کا جو تزکیہ ہوتا ہے اس کا روزمرہ کی زندگی پر ایک مثبت اثر ہوتا ہے۔

آخرت کی باتیں اگرچہ ہم بحسب استطاعت سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش تو کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ آخرت کی باتیں پہلے تو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتیں اور اگر سمجھ آ جائیں تو پھر دل جلد اس طرف مائل نہیں ہوتا۔

آخرت کی باتیں سمجھ نہ آنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے اور ان کے سمجھنے کے لئے کوئی بہت زیادہ علم اور عقل وفہم درکار ہوتا ہے، بلکہ اس کا سمجھنا تو خصوصی طور پر آسان کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴾ (القمر: ١٧)

”ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان بنا دیا ہے، پھر کیا، ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔“

قرآن پاک کا یاد کرنا بھی آسان ہے اور اس کا معنی ومفہوم بھی آسان ہے، اس میں حلال اور حرام کے احکام جزاء اور سزا کا عقیدہ، امر اور نہی کی باتیں اور عبرت وموعظت کے لئے گذشتہ قوموں کے ذکر کئے گئے واقعات سمجھنے میں نہایت آسان، گویا کہ ہر بات فطرتِ انسانی کے مطابق اور ایک عام انسان کی عقل اور فہم کی سطح کے مطابق آسان، بشرطیکہ کوئی غور وتدبر کرنا چاہے تو، اور اگر پھر بھی کوئی بات سمجھ نہ آئے تو۔

﴿فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ (النحل: ٤٣)

”پس اہل ذکر (یعنی علماء) سے پوچھ لو، اگر تم خود نہیں جانتے۔“ کی سہولت بھی موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی سمجھنا چاہے تو دین کا اور آخرت کی باتوں کا سمجھنا آسان اور وسائل دستیاب ہیں، لیکن معاملہ یہ ہے کہ اکثر لوگ اسے سمجھنا ہی نہیں چاہتے، کیوں کہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے اپنے لیے زندگی گزارنے کے طریقے مقرر اور راہیں متعین کر رکھی ہوتی ہیں اور جن کاموں کے وہ خوگر ہو چکے ہوتے ہیں ان سے ہٹنے کے تصور سے بھی انہیں خوف آتا ہے۔

لہٰذا دین کی باتیں اُن پر گراں گزرتی ہیں اور انہیں عملی جامہ پہنانے کا سوچ کر وہ لرز جاتے ہیں اور اسی ڈر سے وہ سننا بھی پسند نہیں کرتے کہ پھر یہ سب کچھ تو چھوڑنا پڑ جائے گا اور ہم چودہ سو سال پیچھے چلے جائیں گے۔

حالانکہ عافیت اور دنیا و آخرت کی خیر اور بھلائی اسی میں ہے کہ آدمی چودہ سو سال پیچھے جائے، مگر وہ اس سے ڈرتا ہے، حالانکہ ڈر اُسے آگے جانے سے ہونا چاہیے، کہ جو وہ مسلسل اور بے اختیار چلا ہی جا رہا ہے۔

﴿ يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ﴾ (الانشقاق : ٦)

"اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے، پس اس سے ملنے والا ہے۔"

تو ڈر تو آگے جانے سے ہونا چاہیے اور اگر ڈر اور خوف پیدا ہو جائے تو پھر انسان ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے اور اسے دین کی باتیں خوب سمجھ آنے لگتی ہیں۔

تو بات ہو رہی تھی کہ پہلے تو دین کی باتیں آسانی سے سمجھ ہی نہیں آتیں اور اگر کسی حادثے اور اتفاق کے نتیجے میں، کسی مجبوری سے یا کسی وقتی، عارضی اور کھوکھلے جذبات کی رو میں بہہ کر حالات اور موسم کے تقاضے کے تحت دین کی طرف آ بھی جائے تو پھر اُسے عبادت میں وہ لذت نہیں آتی جو آنی چاہیے جو کہ ایمان کی لذت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"ذَاقَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ"

اُس شخص نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا

"مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا ، وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا"

(صحیح مسلم: ٣٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول (ﷺ) ہونے پر راضی ہوگیا۔"

تو جو شخص دل کی گہرائی سے دین کو قبول کرتے ہوئے اور پختہ ارادے سے دین کی طرف نہیں آتا، صرف چند دن گزارنے کی نیت سے آتا ہے وہ عبادت میں لذت نہیں پاسکتا، ایمان کی حلاوت محسوس نہیں کرسکتا، کیوں کہ اس نے دل کے بتکدے میں بہت سے بت بسا رکھے ہوتے ہیں اور ایسے میں وہ عبادت میں لذت کیسے پا سکتا ہے۔

جیسا کہ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمین سے آنے لگی صدا

تیرا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

ایمان کی لذت محسوس کرنے کی ایک شرط تو یہ ہے کہ:

(مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا) "جو اللہ کے رب ہونے پر راضی ہوجائے"

مگر وہ شخص اللہ کے رب ہونے پر کیسے راضی ہوسکتا ہے جس نے دل میں بہت سے بت پال رکھے ہوں۔

اور آدمی اگر اپنے گریبان میں جھانکے تو اسے وہ بت بآسانی نظر آسکتے ہیں، کہیں درہم و دینار کا بت ہے، تو کہیں اولاد کی محبت کا بت ہے اور کہیں دیگر خواہشات نفس کا بت ہے، اور جو شخص ایسے بتوں کی پوجا کرتا ہو وہ اللہ کے رب ہونے پر کیونکر راضی ہوسکتا ہے اور اسے ایمان کی لذت کیسے آسکتی ہے۔

اور ان بتوں کی پوجا کا مطلب ہے کہ انہیں دین پر ترجیح دینا، جب مؤذن اللہ اکبر کہتا ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے لہٰذا اس کی عبادت کے لئے آؤ، نماز کے لئے آؤ! تو اِن بتوں کا پجاری اپنے عمل سے کہہ رہا ہوتا ہے کہ نہیں! میرا کاروبار سب سے بڑا ہے، اس لئے وہ اپنا کاروبار چھوڑ کر نماز کے لئے نہیں جاتا۔

تو بات ہورہی تھی کہ گذشتہ جمعے ہم نے رمضان المبارک کی اہمیت اور قدر و قیمت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاننے کی کوشش کی، یہ حقیقت ذہن میں رکھتے ہوئے کہ اول تو دین کی باتیں آسانی سے سمجھ میں نہیں آتیں اور اگر کچھ سمجھ آجائیں تو پھر عمل کی ہمت نہیں ہوتی۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ وہ کسی بات کی اہمیت کو سمجھ رہا ہوتا ہے مگر نفسیاتی طور پر وہ پست ہمت ہوتا ہے، کسی چیز کی قدر و قیمت جانتے ہوئے بھی اس کے حصول کے لئے ہمت نہیں کر پاتا۔

کم ہمتی، یا پست ہمتی انسان کی ایک بہت بڑی کوتاہی اور خامی ہے اس کی یوں تو متعدد وجوہات ہیں مگر پست ہمتی اگر کسی انسان کی جبلت میں ہو، تو اس کا علاج بہت مشکل ہوتا ہے اسے کسی کام کی ترغیب دلانا، جذبہ اور شوق پیدا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ یہ پست ہمتی، سستی اور کاہلی کے نتیجے میں ہوتی ہے۔

اور سستی اور کسل کتنی بڑی خامی ہے، اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے باقاعدہ اس کا نام لے کر اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ"

(بخاري : ٢٨٩٣)

"اے اللہ میں پریشانیوں اور غموں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، عجز اور کسل سے تیری پناہ چاہتا ہوں، بخل اور بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور قرض کے بوجھ اور لوگوں کے تسلط سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کی دعا مانگی جائے۔ کم ہمتی حقیقت میں اک نہایت ہی پست و بے حیثیت شخصیت کی علامت ہوتی ہے، کیونکہ آدمی اپنی ہمت سے پہچانا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ:

(قِيْمَةُ كُلِّ امْرِئٍ مَا يَطْلُبُ)

آدمی کی حیثیت اور قدر و قیمت اس کام کے لحاظ سے ہے جسے وہ کرنے کی خواہش اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عزم رکھتا ہے۔

اور عزم وارادہ اور اہتمام ایک ایسی چیز ہے کہ جو ہر انسان میں پائی جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

"اَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَی اللّٰہِ تَعالٰی عَبْدُاللّٰہِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ"

اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔"

((وَأَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَهَمَّامٌ)) (ابو داود: ٤٩٥٠)

اور سب سے سچے نام حارث اور ہمام ہیں۔

حارث کا معنی ہے: کام کرنے والا اور ہمام کا معنی ہے: کسی کام کا عزم اور ارادہ کرنے والا اور یہ سچے اس لئے کہ ہر آدمی کچھ نہ کچھ تو ضرور کرتا ہے، اچھا کرے یا برا۔ اسی طرح ہر آدمی کسی نہ کسی کام کا عزم اور ارادہ ضرور رکھتا ہے۔

چونکہ یہ نام واقع کے مطابق اور حقیقت حال کے عین مطابق ہیں اس لئے نام کی نسبت سے سب سے سچے ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی نام ہو تو ضروری نہیں کہ وہ حقیقت حال کے مطابق بھی ہو۔ مثلاً: اگر کسی کا نام عادل ہو کہ عدل وانصاف کرنے والا، مگر عملاً وہ آدمی ظالم ہو، تو اس کی شخصیت کے ساتھ اُس کے نام کی نسبت تو سچی نہ ہوئی، اسی طرح دوسرے نام ہیں۔

تو ہر آدمی کسی نہ کسی کام کے کرنے کی سچی نیت، پختہ ارادہ اور عزم مصمم ضرور رکھتا ہے، تو جس طرح کے کام کا وہ عزم اور ارادہ رکھتا ہو اسی کے مطابق اس کی شخصیت کی پہچان ہوتی ہے۔ مثلاً: کوئی شخص تھوڑی سی چیز پر قناعت کر جاتا ہے اور کوئی آسمان پر کمند ڈالنے کی ہمت رکھتا ہے، کوئی دنیا کی تھوڑی سی دولت کے لئے مارا مارا پھرتا ہے اور کوئی آخرت کی حقیقی کامیابی کے لئے طلب وجستجو کرتا ہے، کوئی متاعِ قلیل کے سامنے ڈھیر ہو جاتا ہے اور کوئی جنت الفردوس کی خواہش سے کم پر راضی نہیں ہوتا۔

اپنی اپنی پسند ہے، اپنی اپنی ہمت ہے اور اپنا اپنا ذوق ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

کرگس گدھ کو کہتے ہیں جو مردار پر بیٹھتی ہے اور شاہین آپ جانتے ہیں کہ اپنے لئے شکار خود کرتا ہے۔تو کرگس اور شاہین میں بھلا کیا موازنہ ہوسکتا ہے۔

جیسا کہ پھولوں پر بیٹھنے والی بھی مکھی ہوتی ہے اور گندگی پر بیٹھنے والی بھی مکھی ہی ہوتی ہے، مگر پھولوں پر بیٹھنے والی مکھی لوگوں کے لئے لذت وحلاوت کا اہتمام کرتی ہے اور شفا کا باعث بنتی ہے، جبکہ غلاظت پر بیٹھنے والی مکھی بدبو اور بیماری کا باعث بنتی ہے۔

اور یہ فرق ان کے طلب وجستجو، ان کی ہمت اور ان کے عزم وارادے کے فرق سے ہے ہم اگر جاننا چاہیں کہ ہمت اور عزم وارادے کے لحاظ سے ہم کہاں کھڑے ہیں تو یقیناً کوئی مشکل نہ ہوگی، اس مبارک مہینے میں بھی جبکہ نیکی کا ہر لحاظ سے ماحول سازگار ہے، ہمیں نیکی کی توفیق نہ ہو اس کے لئے ہمت نہ ہو، طلب وجستجو نہ ہو اور سعی وجہد نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس ہم دنیا کو ترجیح دیتے ہوں تو بقول شاعر ہم وہ نادان ہوں گے جو چند کلیوں پر قناعت کر بیٹھے ہوں۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کرگیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگئ داماں بھی ہے

آخرت کے مقابلے میں اس حقیر سی دنیا پر قناعت کر بیٹھنے والا بھلا کیونکر دانا ہوسکتا ہے۔

اور اُس وقت تعجب اور افسوس کی انتہا نہیں رہتی جب صورتِ حال یہ ہو کہ کوئی شخص بلند مقصد اور بلند مرتبے کو بے بسی اور بے چارگی کی وجہ سے ترک نہ کررہا ہو کہ وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو بلکہ محض پست ہمتی کی وجہ سے بڑے مقصد کو ترک کررہا ہو، اور پست ہمتی انسان کی نہایت ہی پست شخصیت پر دلالت کرتی ہے۔

اور متنبّی نے ایسے شخص کی حالت پر افسوس کا اظہار کچھ ان الفاظ میں کیا کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَلَـمْ أَرَ فِـيْ عُيُـوْبِ الـنَّـاسِ عَيْبًـا
كَـنَـقْـصِ الْـقَــادِرِيْـنَ عَـلَـى التَّـمَـامِ

اور لوگوں کے عیوب میں مجھے کوئی ایسا عیب نظر نہیں آیا جیسا کسی کام کی استطاعت رکھنے والے شخص کے ہمت ہار جانے کا ہے۔

چنانچہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شخصیت کے اس عیب اور نقص سے کچھ یوں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے کہ:

(أَعُـوْذُ بِـالـلّٰـهِ مِنْ جَلَدِ الفَاجِرِ وَعَجْزِ الثِّقَةِ) (مجموعة رسائل عبدالـلّٰـه بن زيد آل محمود ، ص: ٦٢ ، عجز الثقات : ١ ، الفتاوى : ٢٨/ ٢٤٥)

''میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں فاجر و فاسق کی جفاکشی سے، اور ثقہ شخص کی عجز و بے ہمتی سے۔

پست ہمت انسان کبھی بڑا آدمی نہیں بن سکتا، بڑے لوگ ہمیشہ بلند ہمت ہوا کرتے ہیں، مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ، چنانچہ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وَإِذَا كَـانَـتِ الـنُّـفُـوْسُ كِبَـارًا
تَـعِـبَـتْ فِـيْ مُـرَادِهَـا الْأَجْسَـامُ

جب نفوس عظمتوں کی بلندیوں کو چھو رہے ہوں تو ان کے اجسام اپنا مطلوب و مراد پانے میں چُور چُور ہو جایا کرتے ہیں۔

لوگوں کے بنائے ہوئے معیارات کی روشنی میں بڑا آدمی اس کو سمجھا جاتا ہے جس کے پاس مال و دولت زیادہ ہو، اختیارات زیادہ ہوں اور بہادر اس کو سمجھا جاتا ہے جو کسی کو پچھاڑ دے، شکست دے دے اور مرد اس کو سمجھا جاتا ہے جو دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جائے۔ مگر اسلام میں یہ اصطلاحات مختلف معنوں میں ہیں۔ قرآن پاک جواں مرد اُن کو کہتا ہے جو اولوالعزم اور بلند ہمت ہوں، جن پر دنیا کی چمک دمک اثر انداز نہ ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ ﴾

(النور : ٣٧)

"ایسے مرد جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور اقامتِ نماز سے غافل نہیں کرتی۔"

تو رمضان المبارک سے استفادے کی بات ہو رہی تھی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کی اہمیت کو سمجھے بغیر اس کے لیے شوق پیدا نہیں ہوتا، دل اس کی طرف مائل نہیں ہوتا، اسی طرح جو دنیا کی چمک دمک کے سامنے ڈھیر ہو جاتا ہے، ثابت قدم نہیں رہتا، اور مردانگی نہیں دکھاتا وہ بھی رمضان المبارک کی برکتوں سے کما حقہ مستفید نہیں ہو سکتا چنانچہ رمضان المبارک کی اہمیت کو سمجھنا ہو گا اور اسے موقع غنیمت جان کر بھرپور مستفید ہونے کی کوشش کرنا ہو گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دل نیکی کی طرف راغب کیوں نہیں ہوتا؟

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرہ: ۱۸۳)

گذشتہ چند جمعوں سے دین کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کررہے تھے، بالخصوص رمضان المبارک کی اہمیت کو اور یہ بھی سمجھنے کی کوشش کررہے تھے کہ انسان کی زندگی میں موقع غنیمت کی کیا اہمیت ہے۔

مواقع غنیمت انسان کی زندگی میں آتے رہتے ہیں اور سب سے بڑا، سب سے اہم اور سب سے قیمتی موقع غنیمت وہ ہوتا ہے جو آخرت کے حوالے سے ہو، بخشش ومغفرت کے لئے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہو۔

اب ہم میں سے کس کو کتنی سمجھ آئی ہے یہ تو اس کے طرزِ عمل سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مگر مجموعی طور پر اگر ہم دین کے حوالے سے اپنی سمجھ کا جائزہ لیں تو نتیجہ کوئی حوصلہ افزا نظر نہیں آتا، کیونکہ سمجھ کے نتیجے میں عملی پیش رفت اس کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔

اور یہاں عملی پیش رفت کے برعکس اس میں کمی آئی ہے۔ مسجدیں جو شروع کے چند روز میں تراویح کے دوران کھچا کھچ بھری ہوتی تھیں، وہ آج کل خالی خالی نظر آتی ہیں، وہ شروع کا جوش وجذبہ برقرار نہیں رہا، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمیں ان باتوں کی سمجھ ہی نہیں آئی۔ دنیا کی اہمیت کی ہمیں سمجھ ہے، اس لئے اُس کے معاملے میں ہمارا طرزِ عمل بھی یکسر مختلف ہے۔

تو یہ ایک حقیقت ہے کہ دین کی باتیں آسانی سے سمجھ میں نہیں آتیں اور اگر سمجھ آجائیں تو عمل کی ہمت نہیں ہوتی۔

جہاں تک دین کی باتیں سمجھ نہ آنے کا معاملہ ہے، تو آپ کو معلوم ہے کہ نوح علیہ السلام نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو تبلیغ کرتے کرتے گزارے اور ان کی ہدایت و رہنمائی، ہمدردی اور خیر خواہی کے لئے بہت جتن کیے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝﴾ (هود: ٤٠)

''ان کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے۔''

اور حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

"عُرِضَتْ عَلَيَّ الأُمَمُ"

امتیں مجھ پر پیش کی گئیں'

'فَجَعَلَ يَمُرُّ النَّبِيُّ مَعَهُ الرَّجُلُ، وَالنَّبِيُّ مَعَهُ الرَّجُلَانِ وَالنَّبِيُّ مَعَهُ الرَّهْطُ، وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ اَحَدٌ" (صحيح البخاري: ٥٧٥٢)

''پس ایک نبی (علیہ السلام) گزرے کہ ان کے ساتھ ایک آدمی تھا، اور ایک نبی (علیہ السلام) گزرے کہ ان کے ساتھ دو آدمی تھے، اور ایک کے ساتھ چند لوگ تھے، اور کسی نبی (علیہ السلام) کے ساتھ کوئی آدمی بھی نہیں تھا'' یعنی ان کے ساتھ کوئی ایک بھی ایمان نہ لایا۔

اور جہاں تک تعلق ہے عمل کی ہمت نہ ہونے کا، تو یہ بھی انسان کی ایک فطری کمزوری ہے، ہر دور کے انسان کا یہی معاملہ اور طرزِ عمل رہا ہے جیسا کہ آپ ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے، تو اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازوں کی فرضیت کا حکم نامہ جاری فرمایا، آپ ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: کیا حکم ہوا؟ فرمایا: پچاس نمازوں کا۔

تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: واپس جائیے اور اپنے رب سے کم کروا کر لائیے، آپ کی امت یہ نہ کر سکے گی، آپ ﷺ نے دو تین چکر لگائے، جب بھی جاتے کچھ کم کروا کے لاتے اور موسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کو پھر واپس بھیج دیتے کہ اور کم کروائیے، حتی کہ پانچ رہ گئیں۔

تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا کہ:

"فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ (ﷺ) کی امت اس کی طاقت نہ پائے گی:

((وَاللّٰهِ لَقَدْ رَاوَدْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ قَوْمِي عَلَى أَدْنَى مِنْ هَذَا فَضَعُفُوْا فَتَرَكُوْهُ)) (صحيح البخاري: ٧٥١٧، مسلم: ١٦٣)

''اللہ کی قسم میں اپنی قوم بنی اسرائیل کو اس سے بھی کم پر آمادہ کرنے کی کوشش کر چکا ہوں، مگر وہ کمزور پڑ گئے اور انھوں نے وہ کم بھی ترک کر دیں۔''

یعنی لوگ کسی دَور کے بھی ہوں، کسی قوم، کسی نسل اور کسی دین و مذہب کے بھی ہوں سب کا ایک جیسا مزاج اور ایک جیسی فطری خواہشات ہوتی ہیں، تبھی تو قرآن و حدیث میں عبرت و نصیحت کے لئے گذشتہ قوموں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، حتی کہ روزے فرض کرتے ہوئے بھی گذشتہ قوموں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا کہ تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (البقرة: ١٨٣)

''تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے۔''

اسی طرح یہ بھی انسان کی کمزوری ہے کہ جلد ہی نیکی سے اُکتا جاتا ہے اور دنیا کی طرف مائل ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے اندر نہایت شدید کشش رکھتی ہے، چنانچہ انسان اس کی طرف بھاگ بھاگ جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَ تْ مَا حَوْلَهُ جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهَذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِى النَّارِ يَقَعْنَ فِيْهَا))

فرمایا: میری اور تمہاری مثال ایک ایسے شخص کی سی ہے کہ جس نے آگ جلائی تو تتلیاں، پتنگے اور پروانے جو آگ میں اچھل اچھل کر گرتے ہیں، اس میں آ آ کر گرنے لگے:

((فَجَعَلَ يَنْزِعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَقْتَحِمْنَ فِيْهَا ، فَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ ، وَأَنْتُمْ تَقْتَحِمُوْنَ فِيْهَا)) (صحيح البخاري: ٦٤٨٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور وہ انہیں آگ میں گرنے سے روکتا مگر پتنگے اور پروانے اس پر غالب آجاتے ہیں اور اس آگ میں جا جا کر گرتے۔

فرمایا: اور میں تمہیں تمہارے کمر بند سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کے لئے کھینچتا ہوں اور تم اس میں زبردستی جا جا کر گرتے ہو۔'' (صحیح البخاری: ٦٤٨٣)

انسان کی دین اور دنیا کے درمیان رسہ کشی اور کھینچا تانی پر یہ بہترین مثال ہے، اس مثال میں انسان کی حالت پر بہترین تصویر کشی کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی رحمتوں اور مغفرتوں میں ڈھانپنے کے لئے اپنی قربتوں سے نوازنے کے لئے، نارِ جہنم سے گلوخلاصی کے لئے، انہیں بڑے بڑے اور پرکشش مواقع غنیمت فراہم کرتا اور معمول کے اعمال پر بڑے بڑے اجر وثواب کی پیشکش کرتا ہے، مگر وہ ہیں کہ دنیا کی طرف لپکے چلے جاتے ہیں اور اُس پیشکش کی قطعا پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی بدبختی سے محفوظ فرمائے۔ آمین

اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی ایسی ہی کیفیت محسوس کرے اور اُس کو اپنی اس حالت پر تشویش اور فکرمندی لاحق ہو تو اُسے کیا کرنا چاہیے! اسے اس کے اسباب تلاش کرنے چاہیں اور پھر اُن کے ازالے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ کسی بھی انسان کی یہ حالت ایک بہت بڑے خطرے کی علامت ہے۔

اگر دل دین کی طرف مائل نہیں ہوتا، عبادت میں لذت نہیں پاتا اور دنیا کے لئے مچلتا ہے تو جان لیجئے کہ یہ دل کی سختی کے سبب سے ہے اور دلوں کی سختی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی انسان کے لئے سب سے بڑی سزا ہے۔

دلوں کی سختی کی کچھ علامات ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: ایک یہ کہ عبادت میں جی نہ لگنا، نماز اور دیگر نیک اعمال میں سستی کرنا، نصیحت کا اثر نہ ہونا، موت اور دیگر حادثات سے متاثر نہ ہونا، دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا وغیرہ۔

اور پھر ان علامات کی کچھ وجوہات ہیں، اور وہ ہیں: دنیا کی محبت، غفلت، بُرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوستوں کی صحبت، معصیتوں کا کثرت سے ارتکاب وغیرہ۔

اور دلوں کی سختی کے علاج کے لئے بہت سی باتوں میں سے ایک بہت اہم بات ہے موت کو یاد کرنا اور موت کی یاد کے لئے گاہے بگاہے قبرستان کی زیارت کرنا، قرآن پاک کے معانی پر غور کرتے ہوئے پڑھنا، نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا اور کثرت سے توبہ واستغفار کرنا وغیرہ ہے۔

دلوں کی سختی کو معمولی بات مت سمجھئے، یہ اکثر انسان کو خود سمجھ نہیں آتی، اسے اس بیماری کا احساس نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اپنی زندگی میں کچھ بھی تو مفقود نہیں کررہا ہوتا، بلکہ وہ دنیا سے خوب لطف اندوز ہورہا ہوتا ہے، پھر وہ کسی چیز کی کمی کیوں محسوس کرے گا اور کیونکر اس کے دل میں یہ خیال گزرے گا کہ کہیں اللہ اس سے ناراض تو نہیں ہے؟

ہاں اگر اللہ کا اس پر احسان ہوجائے، اللہ تعالیٰ اس کو سنبھلنے کا، توبہ واستغفار کا، رجوع الی اللہ کا، اپنی قربتیں عطا کرنے کا ایک موقع اور دیتے ہوئے کسی طریقے سے یہ احساس دلا دے کہ وہ بدنصیبی، بدبختی اور اللہ کی ناراضی کا شکار ہورہا ہے تو وہ اس احساس کو غنیمت جان کر دوڑتے ہوئے اللہ کی طرف لپکے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بندوں کو یہ احساس دلانے کے لئے انہیں کسی مصیبت میں مبتلا کردیتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰٓ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَٰهُم بِٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿٤٢﴾﴾ (الانعام: ٤٢)

”آپ سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے اور ان قوموں کو مصائب وآلام میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی اختیار کرتے ہوئے گڑگڑائیں۔“

البَأْسَاء وَالضَّرَّاء تنگی اور تکلیف، یعنی زندگی میں کسی طرح کی بھی تنگی، پریشانی اور مصیبت ان پر ڈالتے اور انہیں تکلیفوں اور بیماریوں میں مبتلا کرتے تاکہ وہ اللہ کی طرف لوٹ آئیں، رسولوں پر ایمان لے آئیں اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کریں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ کی طرف لوٹنے کے لئے سرسری سی توبہ و استغفار نہیں بلکہ گڑ گڑا کر معافی مانگنا ہے۔

﴿فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۴۳﴾ (الانعام: ٤٣)

''پس جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے اور عاجزی اختیار کی۔مگران کے دل سخت ہوگئے۔''

یعنی انہیں یہ احساس ہی نہ ہوا کہ یہ پریشانی اور مصیبت تو انہیں جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے کے لئے تھی اور یہ احساس اس لئے نہ ہوا کہ انہیں اپنی دولت پر بڑا ناز تھا، معاشرے میں سرکردہ لوگوں کی دوستی، بڑے بڑے عہدہ داروں کی معرفت اور واقفیت پر انہیں فخر اور مان تھا چنانچہ وہ بڑی متکبرانہ طرز زندگی اختیار کئے ہوئے تھے گویا انہیں کسی چیز کی کمی نہ تھی، اس لئے اللہ کی ناراضی کا احساس نہ ہوا۔

اور ایسے لوگوں کو کہ جو تکبر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دین کی باتیں سمجھ آنے ہی نہیں دیتے:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾

(الاعراف: ١٤٦)

''میں اپنی نشانیوں سے، اپنی آیات سے اُن لوگوں کی نگاہیں پھیر دوں گا جو بغیر کسی حق کے زمین میں بڑے بنتے ہیں۔''

اور زمین میں بڑے بننے اور تکبر کرنے کی بہت سی شکلیں اور صورتیں ہیں، کسی کی تذلیل کرنا، کسی کا مذاق اڑانا، کسی کو مارنا اور کسی پر رعب جمانا، کسی کی چیز پر زبردستی اپنا حق جتانا، کیونکہ وہ اپنے آپ کو طاقت ور اور بااثر جو سمجھتے ہیں۔

﴿وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا﴾

''اور ہم اپنی آیات سے یوں ان کی نگاہیں پھیر دیتے ہیں کہ پھر وہ کوئی بھی نشانی دیکھ لیں تو اس پر ایمان نہ لائیں گے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا﴾

”اور اگر سیدھا راستہ ان کے سامنے آئے تو اسے اختیار نہ کریں گے۔“

﴿وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا﴾ (الاعراف: ١٤٦)

”اور اگر ٹیڑھا راستہ نظر آئے تو اس پر چل پڑیں گے۔“

اس لئے سیدھا راستہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہو۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾﴾

(الانفال: ٢٤)

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسول تمہیں اُس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔ اور جان رکھو! کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

اور جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ))

(ترمذي: ٢١٤٠)

”لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں انہیں جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔“

اور ظاہر ہے جس طرف کسی کا دل مائل ہوتا ہے اسی طرف اللہ تعالیٰ اس کو پھیرتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتے کہ آدمی تو نیکی کی طرف جانا چاہتا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو گناہ کی طرف پھیر دیں ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ:

﴿نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى﴾ (النساء: ١١٥)

ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ خود پھر گیا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور یہ بھی اس پر حق واضح ہو جانے اور اہل ایمان کی روش سے ہٹ جانے کے بعد۔

اور یہ کس طرح پتہ چلتا ہے کہ آدمی کس طرف جانا چاہتا ہے؟ اس کے قول اور فعل سے۔

لہٰذا اگر وہ چاہے کہ نیکی اور دین کی طرف اس کا دل مائل رہے تو اُس کے لئے ایک تو اُسے اللہ کے حضور درخواست کرنا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو دین پر قائم رکھے۔ جیسا کہ آپ ﷺ دعا کیا کرتے تھے:

" يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِىْ عَلٰى دِيْنِكَ " (ترمذي : ٣٥٢٢)

''اے دلوں کو الٹ پلٹ کر دینے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھنا۔''

جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: آپ ﷺ کی اکثر دعا یہ ہوتی:

"يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِىْ عَلٰى دِيْنِكَ"

''اے دلوں کو الٹ پلٹ کر دینے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ۔''

((قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لِأَكْثَرِ دُعَا ئِكَ يَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِيْنِكَ ، قَالَ يَا أُمَّ سَلَمَةَ إِنَّهُ لَيْسَ آدَمِيٌّ إِلَّا وَقَلْبُهُ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰهِ فَمَنْ شَاءَ أَقَامَ وَمَنْ شَاءَ أَزَاغَ)) (ترمذي : ٣٥٢٢)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کیوں اکثر یہ دعا فرماتے ہیں: تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، پس جس کو چاہتا ہے سیدھا کر دیتا اور جس کو چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔''

لہٰذا اگر کوئی دین کی راہ اختیار کرنا اور اس پر قائم رہنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے یہ خواہش اور چاہت اس کے دل کی آواز ہونی چاہیے اور پھر زبان سے بھی اس کا اظہار ہو اور آخر میں اس کی طرف عملی پیش قدمی بھی ہو کہ یہ دین اور ہدایت بڑی قدر و منزلت والی چیز ہے جو صرف قدر دانوں کو نصیب ہوتی ہے، قدر ناشناسوں کو نہیں دی جاتی کہ اللہ تعالیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں:

﴿ اَنُلۡزِمُكُمُوۡهَا وَاَنۡتُمۡ لَهَا كٰرِهُوۡنَ ﴾ (هود: ٢٨)

''کیا اسے ہم زبردستی تمہارے سر چپک دیں جبکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو!''یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا دین کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور جب سمجھ آجاتی ہے تو پھر نہ صرف یہ کہ انسان اس کے لئے دعا کرتا اور اس کے حصول کے لئے سعی و جہد کرتا ہے بلکہ ہروقت ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں وہ نعمت اس سے چھن نہ جائے اور یہ کہ کہیں چھن تو نہیں رہی، کیا وہ صحیح راستے پر ہے، کیا کہیں وہ منافق تو نہیں ہوگیا، اور یہ فکرمندی آدمی کے خلوص اور شدتِ حرص کی علامت ہوتی ہے۔

جیسا کہ ابن ابی مُلَیکۃ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:

((أَدْرَكْتُ ثَلاثِيْنَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ)) (بخاري معلقًا، كتاب الايمان: ٣٦، باب خوف المؤمن من انْ يحبَط عمَلُه وهو لا يشعر)

میں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو پایا ہے، یعنی ان سے ملا ہوں اور سب کے سب نفاق سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ منافق نہ ہوجائیں

اور منافقین کی قرآن و حدیث میں متعدد علامات بیان ہوئی ہیں، ایک علامت یہ بیان ہوئی ہے:

﴿ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمۡ كُسَالٰى ﴾ (التوبه: ٥٤)

''نماز کے لئے آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے۔

بے چینی، بے قراری اور بے دلی سے آتے ہیں۔ خوش دلی اور شوق سے نہیں آتے۔ بلکہ ایک بوجھ سمجھتے ہوئے آتے ہیں۔''

اسلام میں فرض نماز کی جو حیثیت ہے وہ تو آپ جانتے ہی ہیں، نفل نماز بھی خشوع و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خضوع کے ساتھ ادا کی گئی ہو تو اتنا بڑا اجر وثواب رکھتی ہے کہ صرف دو رکعت ادا کرنے سے جنت واجب ہو جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَامِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ يُقْبِلُ بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ عَلَيْهَا إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ)) (ابوداود: ٩٠٦)

جو شخص اچھی طرح وضو کرے، اور قبلہ رخ ہو کر دل کی توجہ کے ساتھ دو رکعت ادا کرے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

اور نفل نماز کی اہمیت کے حوالے سے نیک لوگوں کے ایسے ایسے قابل رشک واقعات بھی تاریخ میں ملتے ہیں جو نیکی کا جذبہ بڑھانے اور شوق پیدا کرنے کے لئے بہت مفید ثابت ہوتے ہیں، ان میں سے ایک واقعہ خلیفہ ہارون رشید کی زوجہ زبیدہ کا ہے، جس نے حاجیوں کے لئے بہت بڑا مال خرچ کر کے پانی کی نہر بنوائی، فوت ہونے کے بعد بیٹے کو خواب میں نظر آئی، بیٹے نے پوچھا اللہ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟

کہنے لگی قریب تھا کہ میں تباہ و برباد ہو جاتی، تو بیٹے نے کہا کہ وہ جو چشمہ کھدوایا تھا اس کا اجر کہاں گیا؟ تو کہا: میری ان دو رکعتوں کی وجہ سے بچت ہوئی جو میں تہجد کے وقت پڑھتی تھی۔ (البداية والنهاية، ج:١٠، ص:٢٧١)

اور حدیث میں ہے کہ فرض نمازوں کے بعد کثرت سے نوافل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ یہ دنیا کی چمک دمک سراسر دھوکہ ہے، یہ صرف اتنی ہی کام آئے گی جتنی اللہ کی راہ میں خرچ کر دی، باقی وارثوں کے لئے ہے۔

دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو جاننے اور آخرت کی پائیداری اور استواری کو سمجھنے کے حوالے سے ایک واقعہ اور ذکر کرتا چلوں، قصہ کچھ یوں ہے کہ:

((بَنَى رَجُلٌ دَارًا بِالْمَدِيْنَةِ ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهَا مَرَّ أَبُوْ هُرَيْرَةَ عَلَيْهَا وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى بَابِ دَارِهِ ، فَقَالَ : قِفْ يَاأَبَاهُرَيْرَةَ ، مَاأَكْتُبُ عَلَى بَابِ دَارِيْ ؟ قَالَ ، وَأَعْرَابِيٌّ قَائِمٌ ، قَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ : أُكْتُبْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَلَى بَابِهَا : إِبْنِ لِلْخَرَابِ وَلِّدْ لِلثُّكْلِ ، وَاجْمَعْ لِلْوَارِثِ ، فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ : بِئْسَ مَاقُلْتَ يَاشَيْخُ ، فَقَالَ صَاحِبُ الدَّارِ : وَيْحَكَ هَذَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)) (حلية الأولياء وطبقات الاصفياء ، ج:١ ، ص: ٣٨٥ ، تاريخ دمشق لابن عساكر ، ج : ٦٧ ، ص: ٣٧٤)

مدینہ منورہ میں ایک شخص نے گھر بنایا، جب گھر بنا کر فارغ ہوا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے، اور وہ شخص اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا تھا اور وہاں ایک بدو بھی کھڑا تھا، کہنے لگا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ذرا رُکیے! بتائیے کہ میں اپنے گھر کے دروازے پر کیا لکھوں؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس پر لکھو: اجڑنے کے لیے تعمیر کرو، بچھڑنے کے لیے جنم دو، اور وارثوں کے لیے جمع کرو، وہ بدو کہنے لگا: اے بزرگ تم نے بہت بری بات کہی ہے، تو گھر کا مالک کہنے لگا افسوس تم پر، یہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اب غور فرمایئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ جسے یوں تو ہر شخص خوب سمجھتا ہے، اور جس میں قطعا کوئی مبالغہ بھی نہیں ہے مگر لوگ ذہنی طور پر اسے سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور اس سے مانوس نہیں ہوتے کیوں کہ ہماری زندگی کے منصوبوں میں کبھی کہیں اس کا ذکر نہیں ہوتا اور کوئی اسے سننا بھی پسند نہیں کرتا، کیوں کہ اس کے ذکر سے زندگی بے مزہ ہو جاتی اور لذتیں چکنا چور ہو جاتی ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اسے تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، اسے نظر انداز کر کے دنیا کے دھوکے کو سمجھا نہیں جا سکتا اور آخرت کی حقیقت کو اپنایا نہیں جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایمان اور عمل کا باہمی تعلق

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ أَحَدًا﴾ (الکھف ۱۱۰)

رمضان المبارک رحمتوں اور برکتوں اور اللہ تعالیٰ کی نوازشوں کا مہینہ ہم سے رخصت ہوا چاہتا ہے، آج اس مبارک مہینے کا آخری جمعۃ المبارک ہے۔ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ یہ مبارک ایام کتنی تیزی سے گزرے ہیں۔ یہ تو خیر چند دن تھے جو جلدی سے گزرتے ہوئے محسوس ہوئے، حقیقت میں انسان کی پوری زندگی بھی ایسے ہی گزرتی ہے، بظاہر ایسے لگتا ہے کہ سال گزرتے ہوئے ایک لمبا وقت لگتا ہے، مگر حقیقت میں وہ بھی اسی تیزی کے ساتھ گزرتا ہے، کیونکہ مہینہ گزرنے کا حساب ہم منٹوں، گھنٹوں، دنوں اور ہفتوں کے گزرنے کے ساتھ لگاتے ہیں، چنانچہ سال بھی دنوں، ہفتوں اور مہینوں کے گزرنے کے ساتھ گزرتا چلا جاتا ہے اور دنوں اور ہفتوں کے گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔

انسان کی زندگی بڑے غیر محسوس انداز سے مگر تیزی کے ساتھ گزرتی ہے۔ ساٹھ ستر سال کا عرصہ تو جو کہ انسان کی اوسط عمر ہے، لگتا ہے پلک جھپکتے ہی گزر گیا ہو۔

جاننے کی بات یہ ہے کہ وقت تیزی کے ساتھ گزرتا ہوا کیوں محسوس ہوتا ہے؟ تو وقت تیزی کے ساتھ گزرتا ہوا اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ جب انسان کسی کام میں ذوق وشوق اور جوش و جذبے کے ساتھ مگن اور محو ہوتا ہے اور اس سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے تو وقت تیزی کے ساتھ گزرتا ہوا محسوس ہوتا ہے وہ کام جس میں وہ مگن ہوا اچھا ہو یا برا، دونوں صورتوں میں وقت تیزی کے ساتھ گزرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

لیکن آدمی کو اگر کسی کام میں تکلیف، مشقت اور پریشانی کا سامنا ہو تو پھر لگتا ہے جیسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقت ایک جگہ رک سا گیا ہے، البتہ وقت کے تیزی کے ساتھ گزرنے کے بارے میں جو حدیث میں آتا ہے کہ:

”لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ“

قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ وقت قریب آجائے گا، (سکڑ جائے گا)۔“

” فَتَكُوْنُ السَّنَةُ كَالشَّهْرِ، وَيَكُوْنُ الشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ، وَتَكُوْنُ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ، وَيَكُوْنُ الْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ وَتَكُوْنُ السَّاعَةُ كَإِحْتِرَاقِ السَّعَفَةِ“ (ابن ماجة : ٦٨٤٢)

پس سال مہینے کی طرح، مہینہ ہفتے کی طرح، ہفتہ دن کی طرح اور دن ایک پہر یا گھنٹے کی طرح اور گھنٹہ کھجور کے سوکھے پتے کے جلنے کے وقت کی طرح ہوگا۔“

تو حدیث میں وقت نزدیک آنے، سکڑنے یا تیزی سے گزرنے کا جو ذکر ہے تو اس کے دو مطلب ہیں: ایک حسی اور ایک معنوی۔

اس کا معنوی مطلب ہے برکت کا اٹھ جانا، یعنی وقت میں برکت نہیں رہے گی، مطلب یہ کہ پورے دن میں بس اتنا استفادہ ہوسکے گا جتنا ایک گھنٹے میں کیا جاسکتا ہے، اور وقت قریب آنے کا ایک معنوی مطلب یہ بھی ہے کہ ایسے وسائل دستیاب ہوں گے کہ جو کام کو آسان کردیں گے یا مسافت سمٹ جائے گی، یعنی جو مسافت پورے دن میں طے ہوتی تھی وہ چند گھنٹوں میں طے ہونے لگے گی۔

اور وقت کے قریب آنے کا دوسرا مطلب حسی ہے کہ واقعتاً ایسا ہوگا اور محسوس کیا جاسکے گا کہ پورا دن ایسی تیزی سے گزرے گا جیسے ایک گھنٹہ گزرتا ہے اور ایسا وقت ابھی نہیں آیا، قیامت کے قریب ایسا وقت آنے کی پیشین گوئی ہے، بلکہ دجال کے معاملے میں تو اس کے برعکس بھی ہوگا کہ ایک دن اتنا طویل ہوگا کہ سال کے برابر ہوجائے گا۔

تاہم وقت تیزی کے ساتھ گزرتا ہوا محسوس ہوتا ہے، شاید ہم اس کے معنوی مطلب کے دور سے گزر رہے ہیں۔ اور جب صورت حال ایسی ہو کہ وقت تیزی سے گزرتا ہوا محسوس

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہو، یا اس سے برکت اٹھ گئی ہو تو پھر عمل میں سستی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، اور ویسے بھی عمل میں جلدی کرنے کی یہ کوئی ایک ہی وجہ نہیں، بلکہ بہت سی وجوہات ہیں جن کی بناء پر عمل میں جلدی کرنا لازم بھی ہے اور آدمی کی عقلمندی کی علامت بھی ہے۔

مثلاً: ایک حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

((بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ سَبْعًا))

''سات چیزیں حائل ہونے سے پہلے پہلے عمل کرلو۔''

اور پھر ان سات چیزوں کا ذکر اس انداز میں فرمایا کہ گویا اگر وہ جلدی نہیں کریں گے تو پھر ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں کہ عمل کرنا ممکن ہی نہ رہے چنانچہ فرمایا:

((هَلْ تَنْتَظِرُوْنَ إِلَّا فَقْرًا مُنْسِيًا))

کیا تم فقروفاقے کا انتظار کر رہے ہو جو بھلا دینے والا ہو۔

یعنی آدمی جب غریب ہو، تنگ دست ومحتاج ہو، مفلس و نادار ہو تو اللہ کا ذکر اور اس کی یاد بھول جاتا ہے، جس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ ہو، پہننے کو نہ ہو، سر چھپانے کو نہ ہو اور بالخصوص جس کے بچے بھوک سے تڑپ رہے ہوں، اس کے لئے دنیا اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تنگ ہو جاتی ہے، وہ رزق کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوتا ہے اور اللہ کی یاد بھول جاتا ہے، عبادت اطمینان سے اور خشوع وخضوع سے ادا نہیں کر پاتا اور پھر ایک نیک اور دیندار آدمی کے دل میں انفاق فی سبیل اللہ کا جو جذبہ اور ذوق وشوق ہوتا ہے وہ بھی مرجھا جاتا اور حسرت بن کر رہ جاتا ہے۔

کچھ ایسی ہی حسرت بھری آرزو رکھنے والوں اور اپنے جذبۂ ناتمام پر رنجیدہ ہونے والوں کا حال قرآنِ پاک یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ﴾

(التوبہ: ۹۲)

ایسے لوگوں پر کوئی حرج نہیں اور کوئی اعتراض کی بات نہیں کہ جب وہ آپ کے پاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درخواست لے کر آئے کہ آپ اُن کے لئے سواری کا بندوبست کریں تا کہ وہ جہاد میں شریک ہوسکیں اور آپ نے کہا کہ میں تمہارے لئے سواریوں کا انتظام نہیں کرسکتا۔

﴿ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۟﴾

(التوبة: ٩٢)

تو وہ مجبوراً واپس لوٹ گئے، اور حال یہ تھا کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے، یعنی اپنے خرچ پر شریکِ جہاد ہونے کی قدرت نہیں رکھتے۔

تو غریب آدمی غربت کی وجہ سے نہ صرف دنیا کی نعمتوں اور سہولتوں سے محروم ہوتا ہے، بلکہ بہت ساری عبادات سے بھی محروم ہو جاتا ہے، جیسے: زکوٰۃ، صدقات، حج، غلام آزاد کرنا اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا وغیرہ عبادات سے، اور دنیا کی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہوکر تو گویا وہ اللہ کو بھول ہی جاتا ہے اور عبادات کا حق بھی ادا نہیں کرسکتا، اس لئے خوشحالی کے ایام کو غنیمت جانو اور صالح اعمال میں جلدی کرو۔

تو دوسری بات آپ ﷺ نے بیان فرمائی:

"أَوْ غِنىً مُطْغِياً"

یا سرکشی پر آمادہ کرنے والی تونگری کا انتظار کررہے ہو۔"

جب انسان مالدار ہوتا ہے، مالی فراوانی آتی ہے تو وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگتا ہے، پھر وہ شرعی، قانونی اور اخلاقی قوانین سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھنے لگتا ہے، خود کو ان کا پابند نہیں سمجھتا، کسی کی مدد، کسی کے تعاون اور کسی سے کسی قسم کی فیور کا ضرورت مند اور محتاج نہیں سمجھتا چنانچہ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا اور اس بے نیازی کے نتیجے میں وہ سرکشی کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق عبادت کی بھی پرواہ نہیں کرتا جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝﴾ (العلق: ٦-٧)

"انسان یقیناً سرکشی کرتا ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ وہ بے نیاز ہوگیا ہے۔" لہٰذا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرکش بنا دینے والی مالی فراوانی سے پہلے پہلے نیک عمل کرلو۔

اور تیسری بات ارشاد فرمائی:

"اَوْ مَرَضاً مُفسِداً"

یا ضعیف و ناتواں کر دینے والی بیماری کا انتظار کر رہے ہو۔"

آدمی جب بیمار ہوتا ہے تو شدید بیماری اسے ضعیف و لاغر اور بے کار و بے بس بنا دیتی ہے، زندگی بوجھ لگنے لگتی ہے اور آدمی کو اپنے جسم کا بوجھ اٹھانا بھی دشوار ہو جاتا ہے، چنانچہ نیکی کا جذبہ اور نیکی کی ہمت بھی کم پڑ جاتی ہے اور بیماری کسی کو نہ آنے کی گارنٹی نہیں ہے اور آنے کا وقت معلوم نہیں ہے لہٰذا اس سے پہلے پہلے نیک عمل کرلیں۔

"اَوْ هَرَماً مُفَنِّداً"

یا وہ بڑھاپا جو قوتوں اور صلاحیتوں کو بے کار اور بے وزن بنا دیتا ہے۔"

آدمی جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو پھر اس کی جسمانی قوت مضمحل ہو جاتی ہے، اس کی سوچ، اس کے افکار، اس کی یادداشت، حتیٰ کہ اس کی گفتگو بے معنی اور مہمل سی ہو جاتی ہے، اس کے گھر والے اس کے پاس بیٹھنے کو تیار نہیں ہوتے کیونکہ وہی باتیں بار بار کر رہا ہوتا ہے، مہمان آجائے تو اس سے گھر والوں کی شکایتیں کرتا ہے تو ایسی صورت میں اسے عمل کی طرف کیا توجہ ہوگی، کیا اس کا شوق اور کیا اس کی ہمت ہوگی، لہٰذا اس حالت سے پہلے پہلے عمل کر لینا چاہیے۔

قرآن پاک عمر کے اس حصے کو ارذل العمر کہتا ہے: جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝﴾ (النحل: ۷۰)

اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر وہ تم کو موت دیتا ہے اور تم میں سے کوئی بدترین عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے، تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے، یقیناً اللہ ہی علم میں بھی کامل ہے اور قدرت میں بھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارذل العمر کو پہنچنے والا شخص چاہے کتنا بڑا عالم ہو، ڈاکٹر ہو، انجینئر ہو، سائنسدان ہو، ایک بار پھر سے بے علم ہو جاتا ہے، وہ جو علم میں، تجربے میں، ذہانت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، آج اسے کچھ بھی یاد نہیں، عمل کی جب بات کی جائے تو عموماً لوگ کہتے ہیں کہ بس جب میں ریٹائر ہو جاؤں گا تو پھر نماز روزے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دوں گا، حالانکہ ریٹائرمنٹ کے بعد ایسی عمر آنے میں بھی کوئی زیادہ دیر نہیں لگتی، تو آدمی جب ایسی کیفیت کو پہنچ جائے تو کیا عمل کا شوق ہوگا اور کیا اس کی ہمت ہوگی لہٰذا اس سے پہلے پہلے عمل کر لینا چاہیے۔

”اَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا“

یا اچانک موت کے منتظر ہو؟

موت کی حقیقت سے تو کسی کو انکار نہیں اور موت واقع ہونے کے بعد کسی بھی قسم کے عمل کی توفیق کا حتمی طور پر ختم ہو جانا ہر انسان تسلیم کرتا ہے اور پھر موت بھی جب اچانک ہو تو وہ تمام منصوبوں اور تمام امیدوں پر پانی پھیر دیتی ہے اور اچانک اموات ویسے بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، لہٰذا موت تک عمل کو نہیں لٹکانا چاہیے کیونکہ عام حالات میں جو موت آتی ہے تو وہ بھی اچانک ہی ہوتی ہے کیونکہ بتا کر نہیں آتی۔

اور فرمایا:

((أَوِ الدَّجَّالَ ، فَشَرٌّ غَائِبٌ يُنْتَظَرُ))

کیا دجال کی آمد کا انتظار ہے، جس کا انتظار ایک غائب شر کا انتظار ہے۔

اور دجال دنیا کا سب سے بڑا فتنہ ہے، جس سے ہر نبی علیہ السلام نے اللہ کی پناہ مانگی ہے، اگر عمل کو لٹکاتے لٹکاتے دجال آ گیا تو پھر تو آدمی کو اپنا ایمان بچانا مشکل ہوگا چہ جائیکہ وہ عبادات میں مگن ہو سکے، لہٰذا اس سے پہلے پہلے عمل کر لیں۔

اور آخر میں فرمایا:

”اَوِ السَّاعَةَ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ“ (مستدرك حاكم: ٧٩٠٦ ، ترمذي: ٢٣٠٦ ، ضعفه الألباني)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”یا قیامت کا انتظار ہے جو کہ بڑی سخت اور کڑوی مصیبت ہے۔“

قیامت برپا ہونے کے بعد تو پھر عمل کرنے کا نہیں بلکہ عمل کے حساب کا وقت ہوگا اور اس سے بڑا اور مشکل وقت انسان پر کیا ہوگا لہٰذا عمل میں سستی، کاہلی اور لیت ولعل سے کام نہ لیا جائے بلکہ فوراً بجالانے کی کوشش کی جائے۔

عمل کی انسان کی زندگی میں کیا اہمیت ہے! دنیا میں عمل کی حد تک تو ہم سب اس کو خوب سمجھتے ہیں، مگر آخرت کے معاملے میں ہم تساہل سے کام لیتے ہیں، یا اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لئے اسے اللہ کی رحمت کی امید کا نام دیتے ہیں۔

حالانکہ یہ صرف خواہش ہے، امید نہیں ہے امید اور خواہش میں فرق یہ ہے کہ امید عمل کی بنیادی پر ہوتی ہے، جبکہ خواہش کے ساتھ عمل نہیں ہوتا، بس صرف خواہش ہوتی ہے، امید کی مثال ایک ایسے شخص کی مثال ہے جو زمین میں ہل چلاتا ہے، بیج بوتا ہے، آبیاری کرتا اور پھر فصل کی امید کرتا ہے اور خواہش کی مثال اس کے برعکس ہے کہ کیا کرایا کچھ نہیں مگر فصل کی خواہش رکھتا ہے تو امید عمل کی متقاضی ہوتی ہے، چنانچہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ (الکھف: ۱۱۰)

”پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے۔“

دوسری طرف یہود و نصاریٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ (البقرة: ۱۱۱)

”ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی یا عیسائی نہ ہو۔“

اللہ فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ﴾

یہ ان کی تمنائیں ہیں، یہ محض ان کی خواہشات ہیں۔

عمل کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ یہ زندگی اور موت کا سلسلہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

قائم ہی اس لیے کیا گیا تا کہ دیکھا جائے کہ کون بہتر عمل کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (الملك : ۲)

”وہی جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔“

تو جو لوگ خواہشات پر زندگی گزارتے ہیں پھر موت کے وقت کہ جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو کہتے ہیں:

﴿ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۱۰ ﴾ (المنافقون : ۱۰)

”اے میرے رب کیوں نہ تونے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔“

اور ایک دوسری جگہ اس کی خواہش کا ذکر یوں کیا:

﴿ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝۹۹ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ ﴾ (المؤمنون ۱۰۰-۹۹)

”جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے اسی دنیا میں واپس بھیج جسے میں چھوڑ آیا ہوں تا کہ نیک اعمال کرلوں۔“

قرآن وحدیث میں عمل کی اہمیت اور اس کی ترغیب و تاکید کا بہت زیادہ ذکر کیا گیا ہے، مگر اتنی بات ذہن میں میں رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے عملوں کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ حدیث قدسی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَازَادَ ذٰلِكَ فِیْ مُلْكِیْ شَیْئًا“

”اے میرے بندو! اگر تمہارے سارے پہلے اور سارے بعد والے تمہارے تمام جن اور انسان تم میں سے کسی ایک سب سے متقی شخص کے دل جیسے ہو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جائیں تو یہ میری ملکیت میں کسی چیز کا اضافہ نہ کرے گا۔"

"یَا عِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ ، وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْکُمْ ، مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِیْ شَیْئًا"

"اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے اور تمام جن وانس تم میں سے کسی سب سے برے دل والے شخص جیسے ہوجائیں تو میرے ملک میں کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا۔"

"یَا عِبَادِیْ: اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُکُمْ ، اُحْصِیْهَالَکُمْ ، ثُمَّ اُوَفِّیْکُمْ اِیَّاهَا"

"اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں، میں انہیں تمہارے لئے گن گن کے رکھتا ہوں اور پھر تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔"

"فَمَنْ وَجَدَ خَیْرًا فَلْیَحْمَدِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ"

پس جو اس میں خیر اور اچھائی پائے تو وہ اللہ عزوجل کا شکر ادا کرے، اس کی حمد وتعریف کرے۔

"وَمَنْ وَجَدَ غَیْرَ ذٰلِكَ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ" (مسلم : ۲۵۷۷)

"اور جو معاملہ اس کے برعکس پائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔"

عمل کی ضرورت واہمیت کے حوالے سے یہ بات بھی یاد رکھیں کہ ہم اپنے اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے تجارت کررہے ہوتے ہیں، اس تجارت میں ہمیں اعمال کے مقابلے میں عذاب الیم سے بچنا ہے اور جنت حاصل کرنا ہے۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۱۰ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ یُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ (الصف : ۱۰۔۱۲)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمھیں عذاب الیم سے بچادے؟ ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) پر، اور جہاد کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، یہی تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو، اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کردے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گے، اور ابدی قیام کی جنتوں میں گھر تمھیں عطا فرمائے گا، یہ ہے بڑی کامیابی۔“

تو جنت اللہ تعالیٰ کا مال تجارت ہے اور وہ بہت مہنگا ہے۔

((أَلا إِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ أَلا إِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ))

(ترمذي : ۲٤٥٠)

جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا مال تجارت بہت قیمتی اور بہت مہنگا ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا مال تجارت جنت ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (النساء : ۱۲۲)

”وہ لوگ جو ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں، تو انھیں ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“

اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سودا صرف خواہشات پر طے نہیں پاتا بلکہ عمل درکار ہوتا ہے۔

﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ (النسا : ۱۲۳)

انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عید الفطر

﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٨٥﴾﴾

(البقرہ: ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں رمضان المبارک سے استفادے کا موقع عطا فرمایا، اس پر جتنا بھی اس کا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

نیکی کی توفیق یقیناً اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام واحسان ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ وہ انہیں نیکی کے مواقع فراہم کرتا رہتا ہے تاکہ اُس کے بندے اس کی رحمتوں، برکتوں اور مغفرتوں سے مستفید ہوکر اُن گھروں کے وارث بنیں اور ان کی طرف لوٹیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک ومتقی اور مطیع وفرمانبردار بندوں کے لئے تیار کررکھے ہیں:

﴿وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٣﴾﴾ (آل عمران : ۱۳۳)

''وہ جنت جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے اور وہ متقی لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔''

اور ان مؤمنین متقین کی ایک جگہ چند صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١١﴾﴾

(المؤمنون ۱۰ ـ ۱۱)

''یہی لوگ وہ وارث ہیں جو فردوس کے وارث بنیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

تو اللہ تعالیٰ اپنے مخلص، متقی اور مطیع وفرمانبردار بندوں کے لئے ایسے مواقع فراہم کرتا ہے تاکہ وہ اُن مواقع سے مستفید ہوکر بخیروعافیت اور سیدھے اپنے گھروں کو لوٹیں اور بھٹکتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈگمگاتے، لڑکھڑاتے، گرتے پڑتے اور جہنم کی آگ میں جھلستے ہوئے نہیں بلکہ سیدھے اپنے گھروں کو لوٹیں کہ:

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ (آل عمران: ۱۸۵)

''کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتشِ دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا جائے۔''

تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو مواقع فراہم کرتا رہتا ہے اُن میں سے ایک رمضان المبارک بھی ہے اور رمضان المبارک کی بہت سی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس سے مستفید کرنے کا خصوصی انتظام فرمایا ہے اور وہ یہ کہ مہینہ بھر کے لئے شیاطین الجن کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ .)) (صحیح مسلم: ۱۰۷۹)

''اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔''

تاکہ وہ مسلمانوں کو بہکا نہ سکیں، بھٹکا نہ سکیں، گمراہ نہ کر سکیں، ان کے توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ کے درمیان حائل نہ ہو سکیں، ان کو نیکی سے روک نہ سکیں، اور ان بابرکت اور قیمتی لمحات سے استفادے کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔لیکن بعض احادیث میں بڑے بڑے سرکش شیاطین کو جکڑنے کا ذکر بھی ہوا ہے، جس کا مطلب ہے کہ تمام کے تمام شیاطین کو جکڑا نہیں جاتا، اس میں بھی یقیناً اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہوں گی۔

البتہ شیاطین الانس کھلے رہتے ہیں اور وہ شاید اس لئے کہ انہیں دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے، انہیں سمجھا جاسکتا ہے اور انہیں سمجھایا بھی جاسکتا ہے اور اس لئے بھی تاکہ انہیں بھی توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ کا یکساں طور پر موقع میسر آئے۔

اسی طرح خود انسان کے اندر، اس کے نفس میں برائی کی طرف میلان اور رجحان موجود ہے، وہ بھی آزاد رہتا ہے، اُس کے اس رجحان پر اگر پابندی لگا دی جاتی تو رمضان میں جو اس کی تربیت اور اصلاح کے لئے محنت کی جاتی ہے وہ رائیگاں جاتی اور نفس اصلاح سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محروم رہتا۔

تاہم انسان کے رمضان المبارک سے استفادے کے لئے اللہ تعالیٰ نے خصوصی انتظامات فرمائے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ بنیادی طور پر اپنے بندوں کو عذاب نہیں دینا چاہتے۔

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ﴾ (النساء: ۱۴۷)

''اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور ایمان کی روش پر چلتے رہو تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔''

اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عذاب سے بچانے کے لئے ہر قسم کے انتظامات فرمائے: انبیاء و رسل علیہم السلام کو بھیجا، کتابیں نازل فرمائیں، عقل و خرد سے نوازا، علماء و صلحاء سے کام لیا اور دیگر بہت سی استعدادات مہیا فرمائیں کہ جن سے دین کو سمجھنے کی راہ ہموار ہو، لیکن پھر بھی اگر کوئی نہ سمجھنا چاہے تو:

((فَلَا يَلُوْ مَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ))

تو بس پھر وہ اپنے آپ کو ہی کوسے اور ملامت کرے۔ یعنی وہ اس کوتاہی پر ہرگز کوئی عذر نہیں پیش کر سکتا۔

اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ اور مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے اس مبارک مہینے سے مستفید ہونے کی کوشش کی، روزے رکھے، تراویح پڑھیں، تلاوت قرآن پاک کرتے رہے، صدقہ خیرات کیا، تسبیحات اور دعائیں کرتے رہے، چنانچہ عید کا دن ان کے لئے خوشی اور مسرت کا دن بھی ہے اور شکر گزاری کا دن بھی ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم رمضان کے روزوں کی گنتی پوری کرو۔

یعنی پورے مہینے کے روزے رکھو اور وہ الحمد للہ، اللہ کی توفیق سے سب نے پورے روزے ہی رکھے ہوں گے۔

﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو ہدایت بخشی ہے اس پر اس کی بڑائی اور کبریائی بیان کرو۔

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو ہدایت بخشی ہے، رمضان المبارک سے استفادے کی توفیق عطا فرمائی ہے، اُس پر اُس کی بڑائی، کبریائی اور عظمت بیان کرو اور اسی کے گن گاؤ، اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین عیدین کے روز بآواز بلند تکبیرات کہتے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عید الفطر کے روز گھر سے عیدگاہ تک بآواز بلند تکبیرات کہتے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر تو نو ذی الحجہ کی فجر سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی عصر تک تکبیرات کہی جاتی تھیں۔

رمضان المبارک کے روزوں کے حوالے سے تیسری بات اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی:

﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾

اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ یعنی اس نعمت قرآن پر، نعمت ہدایت اسلام پر اور نعمتِ توفیقِ صیام رمضان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کیسے بجالانا چاہیے؟ اس پر تو ان شاء اللہ الگ سے تفصیلاً گفتگو کریں گے، مگر فی الحال مختصراً یہ جان لیجئے کہ اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہوئے شکر بجالایا جاسکتا ہے، ورنہ تو دل، زبان اور اعضاء وجوارح تینوں پہلوؤں سے اس کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نعمت اسلام کی صورت میں ہم پر جو احسان فرمایا ہے، رمضان المبارک کے روزے رکھنے کی توفیق عطا کرتے ہوئے ہم پر جو انعام فرمایا اور دیگر ٹوٹی پھوٹی عبادات بجالانے کی ہمت عطا کرتے ہوئے جو فضل وکرم فرمایا، ہم اس پر اللہ تعالیٰ کا بے حد وحساب شکر بجالاتے ہیں، اور اُنہی الفاظ سے اس کا شکر بجالاتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی پسندیدہ کام پر فرمایا کرتے تھے اور وہ ہیں:

"اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ" (ابن ماجة : ۳۸۰۳)

اللہ کا شکر اور اس کی حمد وتعریف ہے کہ جس کی نعمت سے نیکیاں اتمام وتکمیل کو پہنچتی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ہم اُن الفاظ سے اُس کی حمد وثناء بیان کرتے اور اس کا شکر بجالاتے ہیں کہ اہل جنت، جنت میں داخل ہونے کے بعد جن الفاظ سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں گے اور وہ کہیں گے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾

(الاعراف: ٤٣)

’’تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت بخشی، ہم خود ہدایت نہ پاسکتے تھے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ کرتا اور ہمیں ہدایت نصیب نہ کرتا۔‘‘

﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ﴾ (الاعراف: ٤٣)

’’ہمارے رب کے بھیجے ہوئے رسول واقعی حق ہی لے کر آئے تھے۔‘‘

﴿وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾

(الاعراف: ٤٣)

اور جب وہ یہ کلمات شکر ادا کریں گے تو اُس وقت ندا آئے گی کہ: یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہیں اُن اعمال کے بدلے میں ملی ہے جو تم کرتے رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو انہی خوش نصیبوں میں شامل فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شکر کیسے ادا کریں؟

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ (البقرۃ : ۱۵۲)

''تم میرا ذکر کرو، میں تمھیں یاد رکھوں گا، میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔''

عید کے خطبے میں شکر کی بات ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کیا جا سکتا ہے، تو آیئے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ سب سے پہلے شکر کی اہمیت کو سمجھتے ہیں کہ شکر ادا کرنا کتنا ضروری ہے، اور کیوں ضروری ہے۔ کسی انسان کا شکر ادا کرنا کتنا ضروری ہے اس کی اہمیت کو کچھ نہ کچھ تو ہم ضرور سمجھتے ہوں گے، کیونکہ جو چیز انسان کی فطرت میں ہوتی ہے اسے کم از کم سمجھنا مشکل نہیں ہوتا اور یہ بات انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ احسان مندی اور شکر گزاری کو پسند کرتا ہے اور ناشکری اور احسان فراموشی کو ناپسند کرتا ہے۔

احسان مندی کسی انسان کی بڑی بڑی اخلاقی خوبیوں میں سے ایک ہے اور احسان فراموشی کسی انسان کی بڑی بڑی خامیوں میں سے ایک ہے۔ یہ خامی ایسی قابل مذمت و نفرت ہے اور آدمی کی شخصیت کو ایسی مجروح کرتی ہے کہ کسی احسان فراموش انسان کو دیکھ کر اُس سے گھن سی آنے لگتی ہے اور آدمی اس سے فاصلے پر رہنا چاہتا ہے اس سے دوستی کرنا پسند نہیں کرتا، حالانکہ اس نے احسان فراموشی کسی دوسرے سے کی ہوتی ہے۔

شکر گزاری کی یہ اہمیت تو انسان کے فطری تقاضوں کے لحاظ ہے، جبکہ عقل و منطق کے لحاظ سے اس کی اہمیت اور زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔

کسی کی نیکی اور احسان پر اُس کا احسان مند ہونا اور تہہ دل سے اس کا شکر گزار ہونا ایک انصاف پر مبنی اور حقیقت پسندانہ فیصلہ ہوتا ہے، کسی کی خوبی، برتری، سخاوت اور احسان کا اعتراف اور قدر دانی آدمی کی شرافت اور عالی ظرفی کی علامت اور اظہار ہوتا ہے، اور عموماً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی کی اس طرح کی خوبی پر کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص خاندانی آدمی ہے۔

جبکہ اس کے برعکس احسان فراموش انسان کے بارے میں تجزیہ اور تبصرہ کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص گھٹیا، کمینہ، خودغرض اور کسی گھٹیا خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

اسی طرح سائنسی اعتبار سے اگر احسان مندی اور ممنونیت کا جائزہ لیا جائے تو اس پر ریسر چز اور سٹڈیز موجود ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ: شکر ایک بہت بڑی طاقت ہے، شکر انسان کی زندگی میں عجیب وغریب اور سحر انگیز اثر رکھتا ہے، شکر کامیابی کے راستے کو آسان کرتا ہے اور شکر انسان کو نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہونے سے بچاتا ہے۔

ڈاکٹر جان گرے Dr. John Gray a Psychiatrist ایک ماہر نفسیات ہے وہ ایک کامیاب انسان کی زندگی میں شکر کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے کہ: عورت مثال کے طور پر خاوند کی خدمات کے صلے میں اور اسے سراہتے ہوئے جب اس کا شکریہ ادا کرتی ہے تو وہ شکریہ اس میں مزید ایجاد و اختراع اور کامیابیوں کے لئے ترغیب وتحریک اور جذبہ پیدا کرتا اور اس کے لئے کامیابیوں کا راستہ آسان کرتا ہے۔

اور اسی طرح دیگر ریسرچرز نے بھی شکر کے متعدد فوائد وثمرات اخذ کئے ہیں۔ غرضیکہ انسانوں کا شکر ادا کرنا فطری تقاضوں کے لحاظ سے، عقل ومنطق کے لحاظ سے اور سائنسی طریقوں اور اصولوں کی روشنی میں نہایت ہی مفید، ضروری اور بہت سے فوائد وثمرات کا حامل ہے۔

اور جہاں تک شریعت کا تعلق ہے، تو شریعت نے انسانوں کا شکر ادا کرنے کو سب سے بڑھ کر اہمیت دی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَا یَشْكُرُ النَّاسَ)) (ابو داود: ٤٨١١)

وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا، جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔

اب اس حدیث میں لوگوں کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور نہ کرنے کی مذمت کی گئی ہے، اور ایک دوسری حدیث میں مزید تاکید کے ساتھ لوگوں کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((مَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ))

''جو تمہارے ساتھ کوئی نیکی اور احسان کرے تو اس کو اُس کا صلہ دو۔''

((فَإِنْ لَمْ تَجِدُوْا مَاتُكَافِئُوْنَهُ ، فَادْعُوْا لَهُ حَتّٰى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَئْتُمُوْهُ)) (ابو داود : ١٦٧٢)

اور اگر تمہارے پاس اُس کا بدلہ چکانے کو کچھ نہ ہو تو اُس کے لئے دعا کرو حتی کہ تم محسوس کرو کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔ یعنی سرسری نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے اس کے لئے دعا کرو۔

اور اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے، فرمایا:

((مَنْ صُنِعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ)) (ترمذي : ٢٠٣٥)

''جب کسی کے ساتھ نیکی اور احسان کیا جائے اور وہ نیکی کرنے والے کو جزاک اللہ خیرا'' کہے، تو اس نے اس کی انتہائی مدح وتعریف کی۔''

کیونکہ جب کوئی اپنے ساتھ کی گئی نیکی کا بدلہ چکانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کرتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیکی کا بہترین بدلہ عطا فرمائے تو اس نے بہت بڑی بات کہہ دی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر نیکی کا کم از کم بدلہ دس گنا دیتا ہے اور پھر آدمی کے خلوص کے حساب سے اجر وثواب بڑھتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک اور پھر اس سے بڑھ کر۔

((اِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ)) (بخاري : ٦٤٩١)

''اس سے بھی کئی گنا زیادہ۔''

اور بعض نیکیوں کا ثواب سیدھا جنت بتایا گیا ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

((وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ)) (بخاري : ١٧٧٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''مقبول حج کی جزاء جنت کے سوا کچھ نہیں۔''

یہ تو فرض نیکی کی جزاء ہے، جبکہ نفلی نیکی کی جزاء بھی بسا اوقات جنت قرار دی جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلَى ظَهْرِ طَرِيقٍ فَقَالَ : وَاللّٰهِ لَأُنَحِّيَنَّ هَذَا عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ فَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ))

(مسلم : ١٩١٤)

ایک شخص درخت کی ایک شاخ کے پاس سے گزرا جو راستے پر پڑ رہی تھی، تو اس نے کہا واللہ! میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستے سے ہٹا دوں گا تاکہ انہیں تکلیف نہ پہنچے، تو اسے جنت میں داخل کر دیا گیا۔

اسی طرح کسی کی چھوٹی سی نیکی کے بدلے اس کے گناہوں کو بخش دینے کا مژدہ سنایا گیا ہے اور کسی کی تنگی اور تکلیف دور کرنے کا بدلہ قیامت کے دن کی سختیوں اور تکلیفوں کو دور کرنا بتلایا گیا ہے۔

تو جب کوئی اپنے ساتھ کی گئی نیکی کی جزا کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو وہ صحیح معنوں میں اس انسان کا شکر ادا کرتا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ دل کی گہرائیوں سے کسی آدمی کی نیکی کا اقرار و اعتراف کرنا، اسے سراہنا اور اس کا شکر گزار ہونا عام بات نہیں ہے اور آسان بات نہیں ہے، کیونکہ اکثر لوگ اسے Taken for Granted لیتے ہیں۔ اسے کوئی بڑی بات نہیں سمجھتے، قدردانی نہیں کرتے، بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ اسے بدھو سمجھتے ہیں، حالانکہ پیسوں کے معاملے میں کوئی آدمی بدھو نہیں ہوتا، حتی کہ وہ لوگ بھی جنہیں دنیا پاگل یا مجذوب سمجھتی ہے وہ بظاہر چاہے کتنی ہی احمقانہ حرکتیں کر رہے ہوں لیکن جب انہیں پیسے دیئے جاتے ہیں تو وہ انہیں خوب سنبھال کے رکھتے ہیں۔

اس لئے جس طرح مال و دولت کے ذریعے کسی کے ساتھ نیکی کرنا بہت مشکل کام اور

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بہت بڑی نیکی ہے، اسی طرح دل کی گہرائیوں سے اس کا شکر گزار ہونا آدمی کی شرافت نفسی، حقیقت پسندی اور عاجزی اور انکساری کی علامت ہوتی ہے۔

مخلوقات میں سے آپ ﷺ کا جو مقام و مرتبہ ہے، اپنے تو اپنے رہے، اغیار بھی اس کے معترف ہیں، اُس میں آپ ﷺ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود آپ ﷺ کسر نفسی اور تواضع کی ایک مثال اور نمونہ تھے۔

بہت سے واقعات میں سے ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے: حدیث میں ہے کہ:

((أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ فَكَلَّمَهُ فَجَعَلَ تُرْعَدُ فَرَائِصُهُ))

ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سے باتیں کرتے ہوئے آپ ﷺ کے رعب وجلال کی وجہ سے کانپنے لگا۔ فرمایا:

((فَقَالَ لَهُ: هَوِّنْ عَلَيْكَ ، فَإِنِّي لَسْتُ بِمَلِكٍ إِنَّمَا أَنَا ابْنُ إِمْرَأَةٍ تَأْكُلُ الْقَدِيْدَ)) (ابن ماجة : ٣٣١٢)

''حوصلہ رکھو! میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں ایک عورت کا بیٹا ہوں جو قدید کھایا کرتی تھی۔''

اور قدید گوشت کے سوکھے ٹکڑے ہوتے ہیں، جنہیں نمک لگا کر دھوپ میں خشک کر کے رکھ لیا جاتا ہے۔

آپ ﷺ کا احسان پوری امت پر بالخصوص اور پوری انسانیت پر بالعموم موجود ہے اور قرآن وحدیث کے واضح دلائل کی روشنی میں ثابت شدہ ہے، مگر آپ ﷺ کی تواضع اور انکساری، حلم و بردباری اور شرافت ونجابت کا عالم ملاحظہ فرمائیے۔

آپ ﷺ کسی کی نیکی اور احسان کی کس طرح قدر دانی کرتے ہیں: فرمایا:

((مَا لِأَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ إِلَّا وَقَدْ كَافَأْنَاهُ مَا خَلَا أَبَابَكْرٍ))

ہمارے ساتھ جس کسی نے بھی کوئی نیکی اور احسان کیا ہے، ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِئُهُ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

(صحيح الجامع : ٥٦٦١)

اُس کی ہمارے ساتھ نیکی ہے کہ اس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی ادا کرے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی کون سی ایسی نیکی تھی جس کا بدلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں چکایا؟

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی یقیناً بہت سی نیکیاں تھیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے جان، مال، اولاد، عزت، ہر چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر اللہ کی راہ میں پورے خلوص، جوش و جذبے اور دل کی گہرائیوں سے وقف کر رکھی تھی۔ ان کی چند خوبیوں، نیکیوں اور مناقب کا ذکر سنتے ہیں: حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا كَلَّمْتُ فِي الْإِسْلَامِ أَحَدًا إِلَّا أَبَى عَلَيَّ وَرَاجَعَنِي الْكَلَامَ إِلَّا ابْنَ أَبِي قُحَافَةَ ، يَعْنِي أَبَابَكْرٍ ، فَإِنِّي لَمْ أُكَلِّمْهُ فِي شَيْءٍ إِلَّا قَبِلَهُ وَاسْتَقَامَ عَلَيْهِ)) (الفردوس صحيح المعنى : ٦٢٢٦)

میں نے جس کسی سے بھی اسلام کی بات کی تو اس نے بے رغبتی دکھائی اور مجھ سے بحث و تکرار کی، سوائے ابن ابی قُحافہ کے، یعنی ابوبکر کے، کہ میں نے جس چیز میں بھی اس سے بات کی تو اس نے قبول کی اور اس پر ڈٹ گیا۔

ایک جگہ فرمایا:

((مَانَفَعَنِي مَالٌ قَطُّ ، مَانَفَعَنِي مَالُ أَبِي بَكْرٍ))

(صحيح الجامع : ٥٦٦١)

مجھے کبھی کسی مال کا اتنا فائدہ نہیں ہوا، جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال کا فائدہ ہوا۔

ایک موقع پر فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبَابَكْرٍ))

(بخاري : ٣٩٠٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میرا ساتھ نبھانے اور مجھ پر مال خرچ کرنے میں سب سے زیادہ جو کسی کا احسان ہے تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((كَانَتْ بَيْنَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ مُحَاوَرَةٌ فَأَغْضَبَ أَبُوبَكْرٍ عُمَرَ ، فَانْصَرَفَ عَنْهُ عُمَرُ مُغْضَبًا))

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی بات پر بحث وتکرار ہوئی، حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی بات پر ناراض کردیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراضی کی حالت میں وہاں سے چلے گئے۔

((فَاتَّبَعَهُ أَبُوبَكْرٍ يَسْأَلُهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَلَهُ ، فَلَمْ يَفْعَلْ حَتَّى أَغْلَقَ بَابَهُ فِي وَجْهِهِ ، فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰه ﷺ ، فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَنَحْنُ عِنْدَهُ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : أَمَّا صَاحِبُكُمْ هَذَا فَقَدْ غَامَرَ ، قَالَ: وَنَدِمَ عُمَرُ عَلَى مَاكَانَ مِنْهُ ، فَأَقْبَلَ حَتَّى سَلَّمَ وَجَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَصَّ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْخَبَرَ ، قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ : وَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَجَعَلَ أَبُو بَكْرٍ يَقُوْلُ: وَاللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَأَنَا كُنْتُ أَظْلَمَ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوْنَ لِي صَاحِبِيْ ، هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوْنَ لِي صَاحِبِيْ ، إِنِّيْ قُلْتُ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ، فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ ، وَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ : صَدَقْتَ)) وَوَاسَانِيْ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ ، فَمَا أُذِيَ بَعْدَهَا)) (بخاري : ٤٦٤٠، ٣٦٦١)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُن کے پیچھے گئے اور ان سے معذرت کی اور درخواست کی کہ وہ انہیں معاف کردیں، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاف نہ کیا۔حتی کہ انہوں نے ان کے سامنے دروازہ بند کرلیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس چلے آئے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: تمہارا یہ ساتھی لگتا ہے کسی سے جھگڑا کر کے آرہا ہے۔اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے فعل پر ندامت ہوئی(وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے ان سے صلح کرنے کے لئے مگر وہ نہ ملے،تو وہ بھی آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوگئے۔)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے،سلام کیا، بیٹھے اور سارا ماجرا سنایا،آپ ﷺ کو اس پر بہت غصہ آیا کہ اُن کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا، ان کو معاف نہیں کیا،حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ کا غصہ دیکھا تو کہنا شروع کیا کہ: اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول ﷺ اس میں میرا قصور تھا۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میرے ساتھی کو میرے لیے چھوڑ نہیں سکتے، کیا تم میرے لیے میرے ساتھی کو چھوڑ نہیں سکتے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کی طرف بھیجا تو تم لوگوں نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو،اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔اوراس نے اپنی جان اوراپنے مال سے مجھے تسلی دی اور میری دلجوئی کی۔

تم میرے ساتھی کو میرے لئے چھوڑ نہیں سکتے دوبار آپ ﷺ نے یہ فرمایا: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر اُس کے بعد اُن کی کبھی دل آزاری نہ کی گئی اور کسی نے کبھی کوئی دکھ نہ پہنچایا۔تو یہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے چند فضائل و مناقب اوران کی خوبیاں تھیں، ورنہ ان کے فضائل اور خدمات اور بہت زیادہ ہیں۔تو سوال یہ تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کون سی ایسی نیکیاں تھیں جن کا آپ ﷺ نے بدلہ نہ چکایا ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بہت سی خوبیاں بہت سی صفات، بہت سی خدمات اور بہت سے احسانات کے باوجود آپ ﷺ کا یہ احسان سب سے بڑا ہے کہ آپ ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی اور نعمت اسلام سے نوازا۔

اور اگر یہ احسان نہ بھی ہوتا تو آپ ﷺ ان کے لئے مال، اولاد اور عزت کی دعا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر کے حساب برابر کر سکتے تھے، مگر آپ ﷺ نے اُس کا اجر اور بدلہ اللہ پر چھوڑتے ہوئے بڑے بڑے انعامات اور اجروثواب سے نوازنے کا شاید ارادہ کر رکھا تھا۔

اور دوسری طرف شاید کسی انسان کی شکرگزاری اور حسان مندی کی ایک اعلیٰ مثال قائم کرنا تھا اور یقیناً کسی انسان کی احسان مندی کی اس سے بڑی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شکر ایک اخلاقی، عقلی، فطری اور شرعی ضرورت

﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴾ (البقرة: ۱۵۲)

''تم میرا ذکر کرو، میں تمھیں یاد رکھوں گا، میرا شکر ادا کرو، اور ناشکری نہ کرو۔''

گذشتہ جمعے ہم نے شکر کی مبادیات سنیں، آج ذرا تفصیل جاننے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

تو آیئے جانتے ہیں کہ شکر کیا ہے، شکر کی اہمیت کیا ہے اور انسانی معاشرے میں شکر ضروری کیوں ہے؟

ایک شکرگزار انسان بننے کے لئے ان چند نہایت ہی بنیادی باتوں کا جاننا اور سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ جب تک انسان کوکسی چیز کی ضرورت اور اہمیت سمجھ نہیں آتی، تو اس کی طرف عموماً دل مائل نہیں ہوتا، اس کام کے کرنے کا ذوق، شوق اور جذبہ پیدا نہیں ہوتا، اور جب سمجھ آجاتی ہے تو پھروہ کام آسان ہوجاتا ہے، آدمی اسے بجالاتے ہوئے توہین محسوس نہیں کرتا اور اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بناتا، بلکہ جوش و جذبے سے کرتا ہے اور اپنی ضرورت سمجھ کر کرتا ہے۔

تو شکر کہ جس کی ضرورت واہمیت جاننے کی کوشش کررہے ہیں، انسان کی ضرورت ہے اور وہ یوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی، انسان کو اِس میں لا بسایا اور زمین وآسمان اوران کے درمیان کی ہر چیز انسان کے لئے مسخر کردی، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ﴾ (الجاثية : ۱۳)

اُس نے زمین اور آسمان کی ساری ہی چیزوں کوتمھارے لئے مسخر کردیا ہے۔

زمین وآسمان اور اُن کے درمیان کی ہر چیز انسان کے لیے بنائی، مگر انسان کا قیام اس

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

دنیا میں عارضی اور مختصر رکھا، کیونکہ وہ صرف امتحان کے لئے ہے۔ ایک طرف اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے زمین وآسمان اور ان کے مابین کی ہر چیز کو جو مسخر کر دیا ہے، وہ انسان کے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام و مرتبے اور عزت و تکریم کی دلیل ہے، مگر دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اُس کے امتحان کے تقاضے بھی پورے کیے ہیں، اس کی فطرت میں کچھ ضرورتیں، کچھ خواہشیں اور چاہتیں اور کچھ خامیاں اور کمزوریاں رکھ دیں، خیر اور شر میں فرق و امتیاز کرنے کی صلاحیت سے نوازا اور راہ راست اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو بہت سی کمزوریاں رکھی ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دوسرے کا ضرورت مند اور محتاج بنا دیا، جیسا کہ فرمایا:

﴿ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٣٢﴾ ﴾ (الزخرف : ٣٢)

دنیا کی زندگی میں اُن کی گزر بسر کے ذرائع ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دے دی ہے، تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت لوگوں کے درمیان درجات و تفاوت رکھے ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لیں، کوئی امیر ہے، کوئی غریب ہے، کوئی طاقتور ہے، کوئی کمزور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو ایسا نہیں بنایا کہ اسے سب کچھ دے دیا ہو، کہ اسے کسی کی خدمت کی ضرورت نہ رہے، کوئی آدمی دنیا میں ایسا نہیں ہے کہ وہ بیک وقت ڈاکٹر بھی ہو، انجینئر بھی ہو، عالم بھی ہو، مکینک بھی ہو، پائلٹ بھی ہو، الیکٹریشن بھی ہو، پلمبر بھی ہو۔ غرضیکہ دنیا میں سینکڑوں قسم کے علوم و فنون ہیں مگر کوئی آدمی اُن سب کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ہر آدمی کو کسی نہ کسی کی خدمات اور تعاون کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ خود بھی کسی نہ کسی طرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسروں کی خدمت کر رہا ہوتا ہے۔

اور اس سب کا مقصد یہ ہے کہ لوگ باہمی تعاون سے زندگی گزاریں، مل جل کر رہیں، کہ اصل میں تمام انسان ایک ہی خاندان ہیں، ایک ہی آدمی کی اولاد ہیں۔

تو انسانوں کا مل جل کر رہنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ انسان تنہا زندگی نہیں گزار سکتا، کیونکہ ایسا کرنے سے اسے بہت سارے مسائل، پیچیدگیوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، بہت ساری مصیبتیں جھیلنا پڑیں گی اور تنہائی تو ویسے بھی انسان کو ڈستی ہے، انسان تنہائی سے گھبراتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ وہ معاشرتی اور اجتماعی زندگی پسند کرتا ہے اور تنہائی سے بھاگتا ہے اس لیے اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے کا تعاون ناگزیر ہے۔

معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں انسان کو دوسروں سے کس طرح کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے؟ یوں تو انسان کو اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے سے بیسیوں معاملات میں تعاون کی ضرورت ہوتی ہے، جن میں دینی معاملات بھی ہیں اور دنیاوی معاملات بھی ہیں۔

رشتہ دار کی حیثیت سے، دوست کی حیثیت سے، پڑوسی کی حیثیت سے، مسافر اور اجنبی کی حیثیت سے ایک دوسرے سے تعاون کیا جاتا ہے، اور اس تعاون کی اسلام بہت زیادہ ترغیب دیتا ہے اور اُسے صدقہ قرار دیتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ"

"ہر روز کہ جس میں سورج طلوع ہوتا ہے ہر آدمی کے ہر جوڑ کے بدلے اس پر ایک صدقہ لازم ہے۔"

"يَعْدِلُ بَيْنَ اثْنَيْنِ صَدَقَةٌ"

دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرے تو صدقہ ہوگا۔

"يُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”کسی آدمی کی سواری کے معاملے میں اس کی مدد کرنا کہ اس کو اس پر سوار ہونے میں مدد دے یا اُس کا سامان اٹھا کر سواری پر رکھ دے تو صدقہ ہوگا۔“

” وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ “

اچھی بات بھی صدقہ ہے۔

” وَبِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوْهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ“

”اور ہر قدم جو وہ نماز کے لیے چل کر جائے صدقہ ہے۔“

(وَيُمِيْطُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ) (صحيح البخاری: ٢٩٨٩)

راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دے تو صدقہ ہے۔

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

” كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ “ (صحيح البخاری: ٦٠٢١)

”ہر نیکی اور بھلائی صدقہ ہے۔“

اور حدیث میں ہے:

”إِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ ، وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ إِنَاءِ أَخِيْكَ “ (سنن ترمذی: ١٩٧٠)

اور بھلائی میں سے یہ بھی ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو اور یہ بھی بھلائی ہے کہ تم اپنے بالٹی اور ڈول میں سے اپنے بھائی کے برتن میں کچھ ڈال دو۔

اور ایک حدیث میں ہے، فرمایا:

” لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئاً ، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ “ (صحيح مسلم: ٢٦٢٦)

نیکی اور بھلائی کو کبھی ہلکا مت جانو، چاہے تمہارا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا ہی کیوں نہ ہو۔“

اور عورتوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ! لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا، وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ"

(صحيح البخاري: ٢٥٦٦)

"اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن کسی پڑوسن کے ساتھ بھلائی کرتے ہوئے کسی نیکی اور بھلائی کو کبھی حقیر اور کمتر نہ جانے، چاہے بکری کے پائے ہی کیوں نہ ہوں۔"

یعنی بکری کے پائے یا اس کی ٹانگ کی ہڈی کہ جس پر گوشت بھی نہیں ہوتا، اگر کسی کو وہ ہڈی بھی دے سکو تو ضرور دو اور اسے ہلکا نہ جانو۔

اور اسلامی معاشرے کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں ایسی نیکیاں اور احسانات بھرپور طریقے سے عملی طور پر پائی جاتی ہیں، بالخصوص حقیقی اسلامی معاشرے میں، جیسا کہ حدیث میں ہے، ایک روز آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا:

"مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِماً"

آج تم میں سے کون روزے سے ہے؟"

"قَالَ: اَبُوْبَكْرٍ: أَنَا"

تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً؟"

آج تم میں سے جنازے پہ کون گیا ہے؟

"قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا"

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں۔

"قَالَ: فَمَنْ اَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِيناً"

آپ ﷺ نے پوچھا آج تم میں سے کس نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟

"قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا" تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : مَا اجْتَمَعْنَ فِیْ امْرِئٍ اِلَّا دَخلَ الْجَنَّةَ“

(صحیح مسلم: ۱۰۲۸)

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص میں یہ خوبیاں جمع ہوجائیں وہ جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔“

یقیناً اتنی ساری خوبیاں ایک ساتھ کسی شخص میں پایا جانا آسان بات نہیں، وہ بہت خوش قسمت اور بہت عظیم لوگ ہوتے ہیں جو لوگوں کے اس قدر ہمدرد اور خیر خواہ ہوں، جو لوگوں کے ساتھ اُن کے دکھ درد بانٹتے ہوں، انہیں ان کی مصیبتوں، پریشانیوں اور تکلیفوں میں سہارے اور تسلیاں دیتے اور تعزیتیں کرتے ہوں۔

یہ کوئی محض اتفاق نہیں تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک دن میں اتنی نیکیاں اور احسان کئے ہوں، بلکہ یہ ان کے مستقل اخلاق تھے، حتیٰ کہ ان کے ان اخلاق کریمہ کے غیر بھی معترف تھے، جیسا کہ جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر اذیتوں کی انتہا کردی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرتِ حبشہ کا ارادہ کیا، رختِ سفر باندھا، راستے میں ابن الـدَّغِـنَة ملا جو ایک سردار تھا، پوچھا کہاں جارہے ہو؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اَخْرَجَنِیْ قَوْمِیْ فَأُرِیْدُ أَنْ اَسِیْحَ فِی الْاَرْضِ فَأَعْبُدَ رِبِّی“

تو فرمایا: میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، اب میں زمین میں گھوموں پھروں گا اور اپنے رب کی عبادت کروں گا۔“

تو ابن الدغنہ نے کہا:

”اِنَّ مِثْلَكَ لا یَخْرُجُ وَلَا یُخْرَجُ“

تمہارے جیسا نہ نکلتا ہے اور نہ نکالا جاتا ہے

”فَـاِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَقْرِي الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ“

”تم تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہو،

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مہمان نوازی کرتے ہو، اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہو۔"

"وَأَنَا لَكَ جَارٌ فَارْجِعْ فَاعْبُدْ رَبَّكَ بِبَلَدِكَ"

(صحيح السيرة النبوية للألباني : ٢١٤)

میں تمہیں پناہ دیتا ہوں، واپس چلو اور اپنے شہر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کرو۔" تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی یہ خوبیاں مستقل خوبیاں تھیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح دولت اللہ کی تقسیم ہے اسی طرح یہ خوبیاں بھی اللہ کی تقسیم ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ"

(مسند احمد: ٣٦٧٢)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق، خوبیاں اور صفات تقسیم کر رکھی ہیں جس طرح تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم کئے ہیں۔"

کسی کو اخلاق اور خوبیوں کا وافر حصہ عطا ہوا ہے اور کسی کو کم اور کسی کو بہت کم۔ تاہم جس کسی کو جس میدان اور جس شعبے میں کوئی اخلاقی خوبی عطا ہوئی ہے، اسے چاہیے کہ وہ اس میں مزید بہتری لانے کی کوشش کرے، اور اپنے اندر مزید خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

بدیہی بات ہے کہ جو شخص اپنے اندر کوئی خوبی دیکھنا چاہتا ہے تو وہ اس کے لئے کوشش بھی کرتا ہے۔ کوئی شخص مالدار اور امیر ہونا چاہتا ہو مگر اس کے لئے کوشش نہ کرے تو اسے کیا کہا جائے گا؟ آپ بہتر سمجھتے ہوں گے، مگر کم از کم اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ امیر ہونا، اس کی خواہش ہے ارادہ نہیں ہے۔ کیونکہ جب ارادہ ہوتا ہے تو آدمی اس کے لئے کوشش کرتا ہے، جیسا کہ منافقین کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً﴾ (التوبة : ٤٦)

"اگر واقعی ان کا ارادہ جہاد کے لئے نکلنے کا ہوتا تو اس کے لئے کچھ تیاری کرتے۔"

اور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ وَاِنَّمَا الْحِلْمُ بِالتَّحَلُّمِ "

کہ علم حاصل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور حلم، بردباری کا مظاہرہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔" (شعب الایمان لِلبَیْھَقِي: ١٠٢٥٤)

یعنی جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے، یقیناً وہ استاد کے سامنے زانوئے طے کرے گا، اس کے لئے وقت صرف کرے گا اور محنت کرے گا، اسی طرح جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے اندر حلم اور بردباری پیدا ہو تو وہ لازماً بردباری دکھانے کی اور اپنے آپ کو اس کی عادت ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ غصے کے وقت وہ اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرے گا اور تزکیہ نفس کی عادت ڈالے گا۔

صرف خواہشات سے نہ دنیا حاصل ہوتی ہے اور نہ آخرت۔ بلکہ اس کے لئے محنت درکار ہوتی ہے اور عملی جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔

تو معاشرے میں باہمی تعاون کی بات ہو رہی تھی کہ معاشرتی اور اجتماعی زندگی انسان کی ضرورت اور مجبوری ہے اور وہ باہمی تعاون کے بغیر مشکل ہے، چنانچہ اسلام نے باہمی تعاون پر بہت زور دیا ہے، بہت زیادہ ترغیب دی ہے اور بہت اجر وثواب بتلایا ہے۔

اب تک کی گفتگو میں ہم نے جانا کہ اسلام نے ہر قسم کے تعاون کی ترغیب دی ہے، صرف شرط اتنی ہے کہ:

﴿ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ ﴾

جو کام نیکی اور تقویٰ کے ہیں ان میں ایک دوسرے کا تعاون کرو اور جو کام گناہ اور زیادتی کے ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔"

اور تعاون کے بارے میں آپ ﷺ نے ایسی شدید ترغیب اور تاکید فرمائی کہ فرمایا:

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ "

(صحيح البخاری: ١٣)

"کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لئے بھی وہ کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرے۔''

ہر شخص اپنے لئے پسند کرتا ہے کہ اسے کوئی اذیت نہ دے، زیادتی نہ کرے، برا بھلا نہ کہے، نقصان نہ پہنچائے، اس کی غیبت نہ کرے، اس کی توہین نہ کرے۔ اور ایک سچے مسلمان سے مطلوب ہے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی ایسے ہی جذبات اور خیالات رکھے اور ان کی دل آزاری نہ کرے۔ اور فرمایا:

"الْمؤمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا" وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ"

''مؤمن مؤمن کے لئے عمارت اور دیوار کی طرح ہے جو ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہے۔ اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کر دیں۔''

کسی عمارت کی اینٹیں اگر بغیر گارے اور سیمنٹ کے، صرف ساتھ جوڑ جوڑ کر رکھ دی جائیں تو ایسی عمارت یقیناً ہلکی سی لرزش سے زمین بوس ہو جائے گی۔ لیکن جب سیمنٹ سے ان کو جوڑ دیا جاتا ہے تو اب وہ چونکہ ایک دوسری کو اسپورٹ کر رہی ہوتی ہیں لہٰذا عمارت بہت مضبوط رہتی ہے۔

ایمان کے جذبے سے جب باہمی تعاون ہوتا ہے تو وہ معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن جاتا ہے۔ باہمی تعاون کو ایک اور مثال کے ذریعے آپ ﷺ نے بیان فرمایا اور وہ ہے:

جسد واحد

"مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ، اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى" (صحيح البخاري: ٢٥٨٦)

''اہل ایمان کی مثال ان کی آپس میں رحمدلی، محبت ومودت اور نرم دلی کے معاملے میں جسد واحد کی سی ہے۔ کہ جب جسم کا کوئی ایک حصہ اور عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو پورا جسم ایک دوسرے کو بے خوابی اور بخار کی طرف بلاتا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی جب آدمی کو جسم کے کسی ایک حصے میں درد ہو تو آدمی سو نہیں سکتا اور جب وہ سو نہ پائے تو پھر بخار کی سی کیفیت ہو جاتی ہے۔

اسی طرح دیگر آیات واحادیث میں باہمی تعاون کی بہت تاکید کی گئی ہے، اور یہ ترغیب دین اور دنیا کے معاملات میں ہے۔ خصوصی طور پر دین کے معاملے میں بھی الگ سے باہمی تعاون کی بہت ترغیب دی گئی ہے۔

جیسا کہ ایک حدیث میں ہے، صحابہ نے عرض کیا:

"اَیُّ الْمَالِ خَیْرٌ فَنَتَّخِذَهُ"

کون سا مال اچھا ہے کہ ہم اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں؟ تو فرمایا:

"اَفْضَلُهُ لِسَانٌ ذَاكِرٌ وَقَلْبٌ شَاكِرٌ وَزَوْجَةٌ مُؤْمِنَةٌ تُعِيْنُهُ عَلٰى اِيْمَانِهٖ" (جامع ترمذی: ٣٠٩٤)

"سب سے افضل مال ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور ایمان والی بیوی جو اس کا اس کے ایمان پر تعاون کرے۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

"تُعِيْنُ اَحَدَكُمْ عَلٰى اَمْرِ الْاٰخِرَةِ" (سنن ابن ماجه: ١٨٥٦)

"ایسی بیوی جو آخرت کے معاملے میں تمہاری مدد کرے، یعنی نیکی کی طرف لگائے اور برائی سے روکے۔"

آپ نے دیکھا کہ معاشرے میں باہمی تعاون کی کس قدر اسلام میں ترغیب دی گئی اور تاکید کی گئی ہے اور کتنا ضروری ہے اور اس تعاون پر شکر ادا کرنے کا جو اخلاقی اور شرعی حق بنتا ہے اسے کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور اگر اس میں سے شکر کو نکال دیں تو معاشرتی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے شکر گزار بندے بنائے اور ہمیں آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ احسان مندی کے معاملات کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باہمی تعاون میں شکر ایک ناگزیر ضرورت

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ (البقرة: ١٥٢)

بندوں کا شکر ادا کرنے کے حوالے سے گزشتہ دو خطبوں میں ہم نے چند بنیادی باتیں جانیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کی نیکی اور احسان کے بدلے میں اُس کا شکر ادا کرنا فطری، عقلی، اخلاقی اور شرعی طور پر لازم اور واجب ٹھہرتا ہے۔

شکر کے بارے میں بنیادی قاعدہ تو آپ نے گزشتہ خطبات میں سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ"

''جو تمہارے ساتھ کوئی نیکی اور احسان کرے تو اُس کا اُس کو صلہ دو۔''

"فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْنَهُ فَادْعُوْا لَهُ، حَتّٰى تَرَوْا اَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوْهُ" (سنن ابی داؤد: ١٦٧٢)

اور اگر تمہارے پاس اُس کا بدلہ چکانے کو کچھ نہ ہو تو اُس کے لئے دعا کرو، حتی کہ محسوس کرو کہ تم نے اُس کا بدلہ چکا دیا، اس کا حق ادا کر دیا ہے۔''

اس حدیث کی تشریح میں علماء کرام لکھتے ہیں کہ کسی کی نیکی اور احسان کا بدلہ چکاتے ہوئے اس بات کا خیال بھی رکھنا چاہیے کہ اگر وہ نیکی کرنے والا، مالی معاونت کرنے والا کوئی بڑا آدمی ہو، جیسے بادشاہ یا کوئی اور مالدار اور رئیس آدمی تو اس کے احسان کا بدلہ ضروری نہیں کہ مالی صورت میں ہو، کیونکہ وہ اس سے مستغنی ہوتا ہے اور وہ مالی معاونت کے بدلے میں مالی معاونت کو اپنی عزت و احترام اور مقام و مرتبے کے منافی سمجھتا ہے، لہٰذا اس کے لئے دعا کر دی جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح شکر کے بارے میں ایک اور بنیادی قاعدہ قرآن پاک میں بھی بیان ہوا ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾ (النساء : ٨٦)

''اور جب تمہیں تحیّہ پیش کیا جائے، یعنی سلام کیا جائے، تو تم اس سے بہتر تَحیَّہ پیش کرو۔''

یعنی اُس سلام کا اُس سے بہتر اسلوب میں جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو۔

اب سلام جو ایک بظاہر معمولی سی بات ہے، کیونکہ آپ زبان سے کسی کے لئے سلامتی، رحمت اور برکت کی دعا کرتے ہیں، اُس کو اسلام اتنی اہمیت دیتا ہے کہ کسی کے سلام کا بھی اس کو بہتر جواب دو یا کم از کم انہی الفاظ کو لوٹا دو۔ جیسے کوئی آدمی السلام علیکم کہتا ہے تو جواب میں وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ برکاتہ کہو۔ یعنی زیادہ کہنا مستحب ہے لیکن اگر اتنا بھی کہہ دے کہ جتنا اس نے کہا ہے تو بھی ٹھیک ہے۔

اسلام میں سلام محض خیر مقدمی کلمات نہیں ہیں کہ آپس میں ملاقات کرتے وقت ایک دوسرے کو رسمی سے الفاظ کہہ دیئے جائیں بلکہ ان کلمات میں اسلامی عقیدہ بھی ہے، ان میں ایک دوسرے کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات بھی ہیں اور ان کا شکر بھی ہے اور ان کے ذریعے اجر وثواب کے مواقع بھی دیئے گئے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

" جَاءَ رجلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَـقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ ، فَرَدَّعَلَيْهِ ، ثُمَّ جَلَسَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَشْرٌ "

ایک شخص آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، السلام علیکم کہا، آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا اور وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: دس

"ثُمَّ جَاءَ آخرُ ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ: فَرَدَّ عَلَيْهِ ، فَجَلَسَ فَقَالَ: عِشْرُوْنَ "

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر ایک اور شخص آیا، اس نے کہا: السلام علیکم ورحمتہ اللہ اس کا بھی جواب دیا، وہ بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیس۔

"ثُمَّ جَاءَ آخَرُ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَرَدَّ عَلَيْهِ، فَجَلَسَ، فَقَالَ: ثَلَاثُوْنَ"

(سنن ابی دائود: ٥١٩٥ ، ترمذي : ٢٦٨٩)

"پھر ایک اور شخص آیا اور کہا: السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ، اس کا جواب دیا، وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: تیس۔"

یعنی سلام اگر السلام علیکم تک ہوتو دس نیکیاں اور اگر السلام علیکم ورحمتہ اللہ تک ہوتو بیس اور اگر السلام علیکم ورحمتہ اللہ ور برکاتہ تک ہوتو تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

تو مطلب یہ ہے کہ سلام جسے ہمارے معاشرے میں کوئی نیکی اور احسان نہیں سمجھا جاتا بلکہ صرف خیر مقدمی کلمات سمجھا جاتا ہے، جس طرح ہر معاشرے میں ہوتے ہیں اور یہ معاشرتی آداب میں سے ہے، جیسے معاشرے میں ہر کام کے کچھ نہ کچھ آداب ہوتے ہیں، گفتگو کے آداب ہیں، اٹھنے بیٹھنے کے آداب ہیں، رہنے سہنے کے آداب ہیں، کھانے پینے کے آداب ہیں، کاروبار کے آداب ہیں، حتی کہ قضائے حاجت کے آداب ہیں۔ اسی طرح میل جول کے آداب ہیں کہ ایک انسان کا کسی دوسرے انسان سے آمنا سامنا ہوجائے یا ارادتاً اس سے ملاقات کے لئے جائے تو سب سے پہلے اسے سلام کرے اور اگر سلام نہ کرے تو یہ بے تہذیبی، اجڈ پن اور گنوار پن شمار ہوگا، یعنی ایسا شخص ہر قسم کی تہذیب و آداب سے نا آشنا سمجھا جائے گا۔

اور یقیناً ہر دور میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو شہروں سے اور سوسائٹی سے دور اور الگ تھلگ رہتے ہیں جن کے پاس تہذیب اور آداب نہیں پہنچے ہوتے تو ان کا رویہ بالکل مختلف ہوتا ہے۔

جیسا کہ بدو لوگ، بادیہ نشین، صحرا کے رہنے والے جب آپ ﷺ کے پاس آتے تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اُن کے رویوں میں آداب سے ناواقفی واضح طور پر دیکھی جاتی۔ جیسے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں مسجد میں پیشاب کر دینا، آپ ﷺ کو نام لے کر پکارنا اور صدقہ خیرات مانگتے ہوئے آپ ﷺ کی چادر کھینچنا اور ایک بار تو ایک شخص نے چادر اتنی زور سے کھینچی کہ اس کے کھینچنے سے آپ ﷺ کی گردن میں نشان پڑ گئے، مگر آپ ﷺ نے اس پر مسکراتے ہوئے انہیں مال دینے کا حکم صادر فرمایا۔

تو اگر آداب نہ ہوں تو آدمی غیر مہذب اور گنوار سمجھا جاتا ہے لہٰذا معاشرتی آداب ہر معاشرے میں ہوتے ہیں، مگر اسلام نے جو آداب سکھائے ہیں وہ محض آداب نہیں ہیں، بلکہ متعدد پہلوؤں سے دیگر اقوام عالم سے مختلف ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ اُن میں عقیدہ بھی ہوتا ہے اور انسانی ہمدردی اور خیر خواہی بھی ہوتی ہے اور جہاں ہمدردی اور خیر خواہی، نیکی اور احسان ہوگا وہاں شکر بھی لازمی ہوگا۔

اور اگر کوئی کہے کہ دوسری قوموں کے ہاں بھی خیر خواہی، نیکی اور حسن سلوک انسانی ہمدردی اور خیر خواہی کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے، تو ایک حد تک تو یہ بات ٹھیک ہے، مگر حقیقت میں اُن کی انسانی ہمدردی اور اسلام کی بتائی ہوئی انسانی ہمدردی کے معیار میں بہت بڑا فرق ہے۔

اور وہ یوں کہ ان کے ہاں انسانی ہمدردی کا معنی ومفہوم اور معیار بڑا محدود ہے، وہ صرف ایک انسان اور جاندار مخلوق ہونے کے ناطے ہمدردی کرتے ہیں اور انسانی ہمدردی کرتے ہوئے شہرت اور نام ونمود کی خواہش کو معیوب نہیں سمجھتے، جبکہ اسلام میں یہ جذبۂ ہمدردی ایک انسان ہونے کے ناطے کیساتھ ساتھ خالص اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ان کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝﴾ (الدھر: ۸)

اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

اور وہ دل میں یا زبان سے ان سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ:

﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝﴾ (الدھر: ۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔''

اسی طرح غیر مسلموں میں غریبوں کی ہمدردی، خیرخواہی اور معاونت کے حوالے سے کچھ لوگ ایسے خیالات بھی رکھتے ہیں کہ:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ﴾ (یٰس : ٤٧)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرو۔

﴿قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ﴾

(یٰس : ٤٧)

''تو کافر لوگ اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم ان کو کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔''

یعنی جب اللہ ہی انہیں فقراء و مساکین رکھنا چاہتا ہے تو ہم اللہ کے ارادے کے خلاف کیوں کریں۔

تو ان میں غریبوں کی مدد کے حوالے سے ایسی سوچ رکھنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں جبکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو غریبوں، مسکینوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی مدد کی اس قدر تاکید شدید کرتا اور ترغیب دیتا ہے کہ دنیا کے کسی اور دین و مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

وہ مشہور حدیث تو آپ نے ضرور سنی ہوگی، جس میں آپ ﷺ نے پڑوسی کے حقوق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

" مَازَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ "

(سنن ابی دائود: ٥١٥٢)

''جبریل علیہ السلام مجھے مسلسل پڑوسی کے حقوق اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتے رہے، حتی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو مال میں حصہ دار ہی بنا دیا جائے گا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑوسی حالانکہ ضروری نہیں کہ غریب ہو، امیر بھی ہوسکتا ہے، صرف پڑوسی ہونے کی حیثیت سے اس کے اتنے زیادہ حقوق ہیں۔غریب، مسکین، ضرورت منداورمحتاج ہونے کی حیثیت سے اس کے کیا حقوق اور کیا مقام ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ یہ کہ اسلام فقراء ومساکین کو بے حیثیت، بے سروسامان، بے سہارا اور کمزور ہونے کے باوجود معاشرے کا محسن اور اہم ترین فرد قرار دیتا ہے۔

حدیث میں ہے، حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

"يَـا رَسُولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ رَجُلًا حَامِيَةَ الْقَوْمِ وَيَدْفَعُ عَنْ أَصْحَابِهِ أَيَكُوْنُ نَصِيْبُهُ كَنَصِيْبِ غَيْرِهِ."

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا ایک ایسا شخص کہ جو قوم کی حفاظت کرتا ہے اور ان کا دفاع کرتا ہے کیا اُس کا حصہ دوسرے کے حصے جیسا ہوگا؟

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا سوال یہ تھا کہ ایک ایسا شخص جو بہت بہادر اور شجاع ہے، جو بہت قوی، دلیر اور طاقتور ہے اور میدان جنگ میں اپنی شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے اپنے لوگوں کی حفاظت کرتا ہے اور انہیں دشمن سے بچاتا ہے، کیا مال غنیمت میں سے اُس کا حصہ اور ایک عام آدمی کا حصہ کہ جو کمزور ہو اور ایسی خوبیاں نہ رکھتا ہو ایک جیسا ہوگا؟

سوال معقول معلوم ہوتا ہے اور سوال کرنے والے کا مقام ومرتبہ یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں اور السابقون الاولون میں سے ہیں، یعنی اسلام لانے والوں میں سے تیسرے یا ساتویں نمبر پر ہیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیال میں سے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں لگتے تھے ایک بار آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

"هَذَا خَالِي ، فَلْيُرِنِي امْرُؤٌ خَالَهُ" (سنن ترمذی: ۳۷۵۲)

''یہ میرے ماموں ہیں، کسی کا ان جیسا ماموں ہو تو دکھائے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت سعد رضی اللہ عنہ زبردست تیر انداز تھے، معرکہ احد میں انہوں نے مشرکین پر ایک ہزار تیر برسائے۔ وہ تیر چلاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرماتے:

"اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ" (صحیح البخاری: ۲۹۰۵)

"تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر قربان۔"

ان کے مناقب میں اور بہت سی باتیں ہیں مگر اس آخری بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ وہ اُن چھ آدمیوں میں سے ایک تھے کہ جن کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوری بنائی کہ وہ اُن کے بعد کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں۔

تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب ذہن میں رکھتے ہوئے ان کے سوال کا جواب ملاحظہ فرمایئے:

تو جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ"

(صحیح البخاری: ۲۸۹۶)

"تمہاری مدد و نصرت اور تمہیں رزق صرف تمہارے کمزوروں کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔"

دنیا میں مسائل کے حل کے حوالے سے، بالخصوص نصرت و کامیابی اور حصول رزق کے معاملے میں لوگوں کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ میدان جنگ میں یا دوسرے معاملات میں کامیابی علم، عقل، طاقت، شجاعت اور بہادری اور اسلحے کے زور پر حاصل ہوتی ہے، اسی طرح رزق بھی علم، عقل، ہنر اور محنت کے بل بوتے پر حاصل ہوتا ہے۔

اور ایک حد تک یہ بات صحیح بھی ہے، کیونکہ یہ اسباب ہیں: نصرت و کامیابی کے اور حصول رزق کے۔ مگر یہ اس کے مادی اسباب ہیں۔ جبکہ مدد، حصولِ رزق یا کوئی اور کام ہو، اس کے دو طرح کے اسباب ہوتے ہیں، مادی اسباب اور معنوی اسباب۔

اور اسباب کی اس قسم پر یعنی مادی اسباب پر لوگوں کی سوچ اٹک کر رہ گئی ہے، اس سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آ گے نہیں جاتی اور اس کی وجہ کوتاہ نظری اور ایمان کی کمزوری ہے۔

ایک طرف یہ حکم ہے کہ:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ﴾ (الانفال : ٦٠)

''اور تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو۔''

اور یہاں ہر قسم کی قوت مراد ہے، علمی، عقلی، بدنی اور عددی قوت بھی مراد ہے اور آلات واسلحے کی قوت بھی مراد ہے، یعنی دشمن سے مقابلے کے لئے تمام قسم کی قوتیں جمع کر رکھو۔ مگر دوسری جانب یہ بھی فرما دیا کہ:

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿١٢٦﴾﴾ (آل عمران : ١٢٨)

''اور فتح ونصرت صرف اور صرف اللہ کی طرف سے ہے، جو بڑی قوت والا اور حکمت والا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ مادی اسباب ضرور اختیار کرو مگر حقیقی اعتماد اور توکل صرف اللہ پر رہے، بصورت دیگر فتح ونصرت اور کامیابی حاصل نہ ہوگی بلکہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا اور شکست وہزیمت سے دوچار ہونا پڑے گا اور تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ جب اپنی قوت پر توکل کا عنصر غالب ہوا تو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سوال کا ذکر ہو رہا تھا، حضرت معصب بن سعد رضی اللہ عنہ، اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتا رہے تھے کہ:

"رَأَى سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ لَهُ فَضْلًا عَلَى مَنْ دُونَهُ."

کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ انہیں دوسرے لوگوں پر ایک لحاظ سے فضیلت حاصل ہے یعنی وہ بہترین جنگجو اور تیر انداز ہیں، شجاع اور بہادر ہیں، اپنے لوگوں کی حفاظت کرتے ہیں، اپنی قوت اور بہادری سے دوسروں کا دفاع کرتے ہیں۔ لہٰذا اس حساب سے مال غنیمت میں بھی ان کا حصہ زیادہ بنتا ہوگا۔

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ "

(صحیح البخاری: ٢٨٩٦)

''تم لوگ صرف اپنے کمزوروں اور ضعیفوں کی وجہ سے مدد ونصرت اور رزق دیے جاتے ہو۔''

مطلب یہ ہے کہ تمہاری شجاعت، بہادری، تمہاری کارکردگی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے، مگر فتح ونصرت اور حصول رزق کا ایک دوسرا لازمی پہلو اور عنصر تم نے نظر انداز کر دیا ہے اور وہ ہے غریبوں اور کمزوروں کا وجود کہ ان کا وجود معاشرے کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

فتح ونصرت کا انحصار صرف اور صرف تمہاری قوت، تمہاری جاں نثاری اور تمہارے مال ودولت پر نہیں ہے بلکہ اس میں غریبوں، کمزوروں اور ضعیفوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّمَا يَنْصُرُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْأُمَّةَ بِضَعِيفِهَا، بِدَعْوَتِهِمْ، وَصَلَاتِهِمْ، وَاِخْلَاصِهِمْ)) (سنن نسائی: ٣١٧٨)

''اللہ تعالیٰ اس امت کو فتح ونصرت اور کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے اس امت کے کمزوروں کی وجہ سے، ان کی دعاؤں اُن کی نمازوں اور ان کے اخلاص کی وجہ سے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو مسکینوں، یتیموں، کمزوروں، ناداروں اور بے سہاروں کے ساتھ حسن سلوک، مدد واعانت اور احسان کی تاکید کرتا اور ترغیب دیتا ہے۔انسان ہونے کے ناطے، غریب ہونے کے سبب، پڑوسی ہونے کی وجہ سے، ان کے امت کے لئے مدد ونصرت کا باعث ہونے کے سبب اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے۔

اور آخر میں ایک اور سبب کا اضافہ کرتے چلیے اور وہ ہے: ان کی آخرت سنوارنے اور اُنہیں جہنم سے بچانے کے لئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ:

"اَنَّه اَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَهْطًا وَاَنَا جَالِسٌ فِيْهِمْ"

کہ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو مال دیا، اور میں ان میں بیٹھا ہوا تھا

"قَالَ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ مِنْهُمْ رَجُلاً، لَمْ يُعْطِهِ وَهُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَيَّ"

آپ ﷺ نے ان میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا اُسے کچھ نہ دیا اور وہ اُن میں سے مجھے سب زیادہ پسند تھا، یعنی نیکی اور تقوی کی وجہ سے۔

"فَقُمْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَارَرْتُهُ، فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، مَالَكَ عَنْ فُلَانٍ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَ رَاهُ مُؤْمِنًا، قَالَ اَوْ مُسْلِماً"

'تو میں اٹھا اور جا کر آپ ﷺ سے سرگوشی کی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ فلاں شخص کو کیوں نہیں دے رہے۔ واللہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ مومن آدمی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مومن یا مسلمان۔؟''

(صحیح مسلم: ١٥٠)

اسی طرح آپ ﷺ نے دوسری بار لوگوں کو دینا شروع کیا اور اسے پھر کچھ نہ دیا، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سمجھے کہ شاید آپ ﷺ بھول گئے، چنانچہ انہوں نے یاد دہانی کے لئے پھر ویسے ہی سرگوشی کی۔ اسی طرح تیسری بار آپ نے دینا شروع کیا پھر اسے چھوڑ دیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پھر سرگوشی کی، تو تب آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِنِّيْ لَاُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةَ اَنْ يُكَبَّ فِي النَّارِ عَلٰى وَجْهِهِ."

"فرمایا: میں ایک شخص کو دیتا ہوں جبکہ دوسرا شخص مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس ڈر سے کہ کہیں وہ جہنم میں اوندھے منہ نہ دھکیل دیا جائے۔''

یعنی کوئی آدمی کمزور ایمان کا ہوتا ہے تو اسے تالیفِ قلب کے لئے دیتا ہوں کہ کہیں وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام سے نکل نہ جائے اور کوئی اور دین نہ اختیار کرلے جس کے نتیجے میں وہ جہنم میں پھینک دیا جائے۔ اس دور میں خرچ کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ بہت سے اسلامی ملکوں میں عیسائی مشنریز کام کرتی ہیں اور وہ لوگوں کو کافر بناتے ہیں۔ تاہم وجہ جو بھی ہو، جس وجہ سے بھی کسی کی مدد واعانت کی جاتی ہو اس پر شکر ادا کرنا لازم ٹھہرتا ہے۔

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝٨ ﴾ (آل عمران : ۸)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شکر معاشرتی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ (البقرة:١٥٢)

انسانی معاشرے میں باہمی تعاون ایک بہت بڑی حقیقت اور ناگزیر عمل ہے۔ ہر انسان کو زندگی میں بہت سے معاملات میں دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے، جیسا کہ گذشتہ خطبات میں ہم نے سنا اور پھر خصوصی طور پر فقراء و مساکین کے ساتھ تعاون تو معاشرے کی بہت بڑی ضرورت اور بہت بڑا مسئلہ ہے اور اس ایک مسئلے کے ساتھ دیگر بہت سارے معاشرتی مسائل جڑے ہوئے ہیں۔

اگر آدمی ایمان کی دولت سے مالا مال نہ ہو تو غربت و افلاس بہت سارے مسائل کو جنم دیتا ہیں، بہت ساری اخلاقی برائیاں پیدا ہوتی ہیں چوری چکاری، لڑائی جھگڑا، امن و امان کی خرابی اور ہر قسم کی بے راہ روی زور پکڑتی ہے، عوام اور حکمرانوں کے درمیان عدم اعتماد کی فضا پیدا ہو جاتی ہے، نفرتیں اور عداوتیں بڑھنے لگتی ہیں، سِوَل نافرمانی کے خیالات ابھرنے لگتے ہیں، سازشیں ہوتی ہیں، اکھاڑ پچھاڑ ہونے لگتی ہے، گویا کہ ہر طرف افراتفری، لوٹ مار اور دنگا فساد کا بازار گرم ہوتا ہے، احترام ختم ہو جاتا ہے اور خود غرضی چھا جاتی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ انسانی معاشرے کے بہت سارے مسائل میں سے دو مسئلے بہت بڑے اور بہت بنیادی ہیں اور وہ ہیں بھوک اور خوف، جو معاشرہ ان دو مسائل پر قابو پا لیتا ہے وہ خوشحال تصور ہوتا ہے۔

ان مسائل کی اہمیت کا اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے قریشِ مکہ کے انہی دو مسائل کو دو انعامات کے ذریعے حل کرتے ہوئے اُن سے شکر اور عبادت کا مطالبہ کیا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خَوۡفٍ ۝٤﴾ (القريش: ٣-٤)

”انہیں چاہیے کہ اِس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک سے بچاتے ہوئے کھانا دیا اور خوف سے بچاتے ہوئے امن عطا کیا۔“

اور اگر اِن کے ساتھ تیسری نعمت بھی شامل ہوجائے جو کہ جسمانی امراض وآفات سے عافیت وسلامتی ہے تو پھر تو گویا دنیا کی نعمتوں کا نچوڑ اسے حاصل ہوگیا، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِيْ سِرْبِهٖ ، مُعَافًى فِيْ جَسَدِهٖ عِنْدَه قُوْتُ يَوْمِهٖ ، فَكَاَ نَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا“ (ترمذي : ٢٣٤٦)

جس شخص کا دن یوں شروع ہو کہ گھر میں امن وامان ہو، جسم بیماریوں سے پاک اور سلامت ہو اور اسے ایک روز کا کھانا دستیاب ہو، تو اُس کے لیے گویا پوری دنیا سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔“

بھوک کے وقت کھانا دستیاب ہونا کتنی بڑی ضرورت اور کتنی بڑی نعمت ہے یہ تو سب جانتے ہیں، مگر خود بھوک کتنی بڑی نعمت ہے شاید بہت کم لوگ جانتے ہوں گے۔

آپ اندازہ کرسکتے ہوں گے کہ انسان اگر بھوک محسوس نہ کرے تو کیا ہوسکتا ہے وہ بھوک سے مرسکتا ہے، وہ بھوک سے مر جائے گا اور موت کا سبب بھی معلوم نہ ہوگا۔

جیسے گاڑی کے انجن میں آئل ختم ہو جائے اور Low Engine Oil کا کوئی انڈیکیٹر ہی نہ ہوتو انجن (Seize) خراب ہو جائے گا۔

اسی طرح بھوک ایک انڈیکیٹر ہے، پیاس ایک انڈیکیٹر ہے اور اگر بھوک اور پیاس کا احساس ختم ہوجائے تو انسان بھوک اور پیاس کی شدت سے مرسکتا ہے، اگرچہ بھوک کے اور بھی فائدے ہیں جیسا کہ بھوک کی وجہ سے ہی کھانے کی لذت آتی ہے اگر بھوک نہ ہوتو کھانا چاہے کتنا ہی لذیذ کیوں نہ ہو کھانے کو جی نہیں چاہتا اور اس کی لذت نہیں آتی تاہم بھوک اور پیاس کا احساس اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

شکر کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کی بات ہورہی تھی کہ کسی کی خیر خواہی، تعاون اور احسان کے بدلے میں شکر ادا کرنا عقلی، فطری، اخلاقی اور شرعی لحاظ سے لازم و واجب ہوتا ہے۔

اور انسانوں کا آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا معاشرتی ضرورت اور مجبوری ہے، لہٰذا آپس میں تعاون کے بغیر معاشرہ بکھرا ہوا، غیر منظّم اور مسائل کا شکار ہوتا ہے، اسی طرح شکر کے بغیر بھی معاشرہ غیر مہذب اور خود غرض ہوتا ہے۔

شکر کی اہمیت کا اندارہ اس بات سے بھی کیجئے کہ اعانت چاہے کسی نوعیت کی بھی ہو، آدمی کو اس کا ذاتی طور پر فائدہ نہ بھی ہوتا ہو، تب بھی اخلاقی لحاظ سے اس کا شکر ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ ﷺ یقیناً اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود گواہی دیتے ہیں:

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ (القلم : ٤)

"آپ یقیناً اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔"

اور آپ ﷺ نے یقیناً دنیا کے لئے اخلاق کے سب سے اعلیٰ نمونے پیش کئے، جن میں سے ایک یہ بھی ہے:

غزوۂ حنین کے موقع پر مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ لگا، جس میں چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور تقریباً چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔

آپ ﷺ نے واپس آکر جِعِرَّانَہ کے مقام پر مال غنیمت تقسیم کیے بغیر چند روز قیام فرمایا اور مقصد یہ تھا کہ اگر شکست خوردہ قبیلہ ہوازن کا وفد تائب ہوکر آجائے تو ان کا مال اُن کو واپس کر دیا جائے، لیکن جب کئی روز تک وہ واپس نہ آئے تو آپ ﷺ نے مال کی تقسیم شروع کردی۔

آپ ﷺ نے قبائل کے سردار اور مکہ کے اشراف کو کہ جو بڑی شدت سے مال کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تقسیم کے منتظر تھے انہیں بڑے بڑے حصے عطا فرمائے، سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو تقریباً چھ کلو چاندی اور ایک سو اونٹ عطا کیے انہوں نے کہا میرا بیٹا یزید رضی اللہ عنہ؟ آپ نے اتنا ہی ان کو بھی دیا، انھوں نے کہا: اور میرا بیٹا معاویہ رضی اللہ عنہ؟ آپ نے اتنا ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی دیا۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ [1] کے موقع پر مسلمان ہوئے، اُن کی بیٹی سیدہ اُم حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ام المؤمنین بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

غزوۂ حنین میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے اور اُس وقت ان کی عمر ستر سال تھی، جبکہ مسلمانوں پر اچانک حملے کے دوران شروع میں کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے مگر وہ ثابت قدم رہے، دوران معرکہ ان کی آنکھ میں ایک تیر آ کے لگا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی، انہوں نے آ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری آنکھ جاتی رہی۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ فَرُدَّتْ عَلَيْكَ وَإِنْ شِئْتَ فَالْجَنَّةُ)

اگر تم چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں تمہاری آنکھ واپس آجائے گی اور اگر چاہو تو اس کے بدلے میں جنت لے لو

((فَقَالَ: الْجَنَّةُ)) (الاصابة في تمييز الصحابة ،ج: ٣ ، ص: ٣٣٤ ، معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني : ٣٥٢٦)

تو انہوں نے کہا: مجھے جنت چاہیے۔

تو اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے سرداران قبائل اور اشراف مکہ کو بڑے بڑے حصے عطا فرمائے حتی کہ مشہور ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بے دریغ عطیہ دیتے ہیں کہ انہیں فقر کا کوئی اندیشہ ہی نہیں ہے۔

چنانچہ عطیات حاصل کرنے کے لئے بدو آپ پر ٹوٹ پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے چلتے چلتے ایک درخت کی جانب سمٹنے پر مجبور ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ایک درخت میں پھنس

[1] ایک تحقیق کے مطابق سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر رہ گئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! میری چادر دے دو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد میں بھی چوپائے ہوں تو میں انہیں بھی تم پر تقسیم کر دوں اور تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے، نہ بزدل اور نہ جھوٹا۔

ان لوگوں کو عطیات دینے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مال غنیمت کو فوج پر تقسیم کا حساب لگائیں، انہوں نے حساب لگایا تو ایک ایک فوجی کے حصے چار چار اونٹ اور چالیس چالیس بکریاں آئیں، جو شہسوار تھے انہیں بارہ بارہ اونٹ اور ایک سو بیس فی کس بکریاں ملیں۔

یہ تقسیم یقیناً بہت حکیمانہ تھی مگر شروع شروع میں بہت سے لوگوں کو سمجھ نہ آئی، بالخصوص انصار نے اس کو محسوس کیا، کیونکہ انہیں ان عطیات سے بالکل محروم رکھا گیا حالانکہ مشکل کے وقت انہیں کو پکارا گیا اور وہ دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ مل کر اس طرح جنگ لڑی کہ شکست فتح میں بدل گئی، لیکن انہوں نے دیکھا کہ تقسیم کے وقت انہیں بالکل محروم رکھا گیا ہے، جو انہوں نے جی ہی جی میں محسوس کیا، اس پر چہ مگوئیاں ہونے لگیں، یہاں تک کہ کسی ایک نے یہ بھی کہہ دیا کہ آپ ﷺ اپنی قوم سے جا ملے ہیں۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اس ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے کہا: کہ میں بھی تو اپنی قوم ہی کا ایک آدمی ہوں، گویا کہ انہوں نے بھی اسی طرح محسوس کیا ہے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے انصار کو اس گودام میں جمع کرو۔ وہ جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد اُن سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

"يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ! مَاقَالَةٌ بَلَغَتْنِي عَنْكُمْ"

انصار کے لوگو! تمہاری یہ کیا چہ مگوئیاں مجھ تک پہنچی ہیں۔

"وَجِدَةٌ وَجَدْتُمُوْهَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ"

اور میرے متعلق جی ہی جی میں تم نے کیا محسوس کیا ہے؟''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”أَلَمْ آتِكُم ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ “

کیا ایسا نہیں ہے کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے تمہیں میرے ذریعے ہدایت دی۔

”وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ “

تم محتاج تھے، اللہ نے تمہیں میرے ذریعے غنی بنا دیا۔

”وَاَعْدَاءً فَاَلَّفَ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ “

اور باہم دشمن تھے اللہ نے تمہارے دل جوڑ دیئے۔“

”قَالُوْ ، بَلَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُه اَمَنُّ وَاَفْضَلُ “

لوگوں نے کہا کیوں نہیں، اللہ اور اس کے رسول کا بڑا فضل وکرم ہے۔

”قَالَ: أَلَا تُجِيْبُوْنِى يَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ “

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: انصار کے لوگو! مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟“

”قَالُوْا بِمَاذَا نُجِيْبُكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ الْمَنُّ وَالْفَضْلُ “

انصار نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بھلا ہم آپ کو کیا جواب دیں، اللہ اور اس کے رسول کا فضل وکرم ہے،

” قَالَ ﷺ : اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ شِئْتُمْ لَقُلْتُمْ فَلَصَدَقْتُمْ وَصُدِّقْتُمْ “

آپ ﷺ نے فرمایا: دیکھو! اللہ کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تمہارا کہنا سچ ہی ہوگا اور تمہاری بات سچ ہی مانی جائے گی۔“

اب یہاں وہ بات بیان ہونے جارہی ہے جس کے حوالے سے میں نے یہ سارا قصہ بیان کیا ہے، تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو اور وہ بات یہ تھی کہ کسی کی مدد واعانت چاہے کسی نوعیت کی بھی ہو اس سے چاہے آدمی کی ذات کو قطعا کوئی فائدہ نہ پہنچتا ہو، پھر بھی اس کی نیکی کا اور اس کی مدد واعانت کا اقرار واعتراف کرنا چاہیے یہ اس کا اخلاقی تقاضا ہے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ بات کہہ سکتے ہو اور تمہارا کہنا سچ ہو ہوگا اور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسے سچ ہی مانا جائے گا۔

تم کہہ سکتے ہو کہ:

"أَتَيْتَنَا مُكَذَّباً فَصَدَّقْنَاكَ "

آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپ کو جھٹلایا گیا، ہم نے آپ کی تصدیق کی۔

"وَمَخْذُوْلاً فَنَصَرْنَاكَ "

آپ کو بے یارو مددگار چھوڑ دیا گیا تھا، ہم نے آپ کی مدد کی۔

"وَطَرِيْداً فَآوَيْنَاكَ "

آپ کو دھتکار دیا گیا تھا، ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔

"وَعَائِلاً فَآسَيْنَاكَ "

آپ محتاج تھے، ہم نے آپ کی غم خواری اور غم گساری کی۔

"أَوَجَدْتُمْ يَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ فِيْ اَنْفُسِكُمْ فِيْ لُعَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا تَاَلَّفْتُ بِهَا قَوْماً لِيُسْلِمُوْا، وَوَكَلْتُكُمْ اِلٰى اِسْلَامِكُمْ "

"اے انصار کے لوگو! تم اپنے جی میں دنیا کی اُس عارضی دولت کے لئے ناراض ہوگئے جس کے ذریعے میں نے لوگوں کا دل جوڑا، تالیف قلب کی، تاکہ وہ مسلمان ہوجائیں اور تم کو تمہارے اسلام کے حوالے کردیا تھا" (یعنی تاکہ وہ لوگ مالی اعانت سے خوش ہوکر اسلام پر ثابت قدم رہیں اور چونکہ تمہارے دلوں میں اسلام راسخ ہوچکا ہے جس کے متزلزل ہونے کا ڈر نہیں تھا اس لئے تمہیں تمہارے اسلام کے حوالے کردیا تھا۔)

"أَلَا تَرْضَوْنَ يَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيْرِ وَتَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْ رِحَالِكُمْ "

اے انصار کے لوگو! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول ﷺ کو لے کر اپنے گھروں کو پلٹو۔

"فَوَ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَلْاَنْصَارِ“

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔“

یعنی دین کی خدمت کے حوالے سے یہ جو دو نسبتیں ہیں: ایک ہجرت کرنا اور دوسری ہجرت کرنے والوں کی مدد کرنا دین کی سربلندی کے لئے مدد کرنا۔ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں انصار کے ساتھ ہوتا، مگر ہجرت چونکہ لکھی جا چکی تھی اور اس کا حکم تھا اس لئے میری نسبت اس کی طرف رہے گی۔

اور پھر انصار کی دل جوئی کے لئے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

”وَلَوْسَلَكَ النَّاسُ شِعْباً، وَسَلَكَتِ الْاَنْصَارُ شِعْباً لَسَلَكْتُ شِعْبَ الْأَنْصَارِ“

”اگر سارے لوگ ایک راہ پر چلیں اور انصار دوسری راہ پر تو میں انصار ہی کی راہ پر چلوں گا۔“

”اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ، وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ“

”اے اللہ رحم فرما انصار پر اور ان کے بیٹوں پر اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں پر۔“

”قَالَ: فَبَكَى الْقَوْمُ حَتّٰى أَخْضَلُوا لِحَاهُمْ“

”آپ ﷺ کا یہ خطاب سن کر لوگ اس قدر روئے کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔“

”وَقَالُوْا رَضِينَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ قِسْماً وَحَظًّا ثُمَّ انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَتَفَرَّقُوْا“ (مسند احمد: ١١٧٣٠، ج:١٨، ص:٢٥٥-٢٥٤)

”اور کہنے لگے ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے اور نصیب میں رسول اللہ ﷺ ہوں، اس کے بعد رسول ﷺ واپس ہو گئے اور لوگ بھی بکھر گئے۔“

آپ نے دیکھا کہ کسی کی نیکی، ہمدردی، خیر خواہی اور احسان پر اس کی شکر ادا کرنا اس کا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اقرار واعتراف کرنا کتنا ضروری ہے اور کتنی بڑی اخلاقی خوبی ہے۔

حالانکہ یقیناً ان کی مدد ونصرت کا آپ ﷺ کو ذاتی طور پر قطعا کوئی فائدہ نہ تھا، وہ سب اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تھا، اسلام کی سربلندی کے لئے تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کی اُس مدد کا اقرار واعتراف کیا۔

آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لئے مدد نہیں مانگی تھی، بلکہ حدیث میں ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

"مَكَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَشْرَ سِنِيْنَ يَتْبَعُ النَّاسَ فِيْ مَنَازِلِهِمْ بِعُكَاظٍ ومَجَنَّةِ، وَفِي الْمَوْسِمِ بِمِنًى"

آپ ﷺ دس سال تک لوگوں کے پیچھے پیچھے موسم حج میں موقع منیٰ میں ان کے خیموں میں، ان کے ڈیروں میں اور عکاز و مَجَنَّة کے بازاروں میں لوگوں کو دعوت اسلام دیتے پھرتے، اور کہتے

"مَنْ يُؤْوِيْنِي، مَنْ يَنْصُرْنِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي وَلَهُ الْجَنَّةُ"

(مسند احمد: ١٤٤٥٦)

مجھے کون ٹھکانہ دے گا اور کون میری مدد کرے گا حتی کہ میں اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں اور اس کے لئے جنت ہوگی۔"

تو یہ مدد آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے لئے اور اس کے دین کی سربلندی کے مانگتے تھے مگر اس مدد ونصرت کا اقرار واعتراف پھر بھی کیا۔

دین کے لئے مدد ونصرت کسی پر احسان نہیں ہے، اپنے ہی فائدے کے لئے ہے، حتیٰ کہ مسلمان ہونا بھی کسی پر احسان نہیں ہے۔

﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (الحجرات: ١٧)

"اے پیغمبر (ﷺ) یہ لوگ آپ (ﷺ) پر احسان جتلاتے ہیں کہ انھوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اسلام قبول کرلیا، ان سے کہو اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت دی ، اگر تم واقعی اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو۔''

لہٰذا کوئی عالم، کوئی مجاہد اور کوئی مالدار ہرگز نہ سمجھے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا فائدہ کررہا ہے بلکہ خود اس کے اپنے لئے سعادت کی بات ہے کہ اس سے دین کی کوئی خدمت لی جارہی ہے۔ وہ یقیناً خوش قسمت لوگ ہیں کہ جنھیں اللہ تعالیٰ خدمتِ دین کے لیے چن لیتا ہے یا اُن سے کسی بھی لحاظ سے اور کسی بھی سطح پر خدمتِ دین کا کوئی کام لے لیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے خوش نصیبوں میں شامل فرمائے اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچانے کے لیے کی جانے والی ٹوٹی پھوٹی کوششوں اور کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احسان اور شکر خوشگوار معاشرے کی اساس

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ (البقرة: ١٥٢)

شکر کی ضرورت واہمیت پر گذشتہ چند جمعوں سے بات ہورہی تھی، اس موضوع پر اگرچہ ابھی اور بہت کچھ جاننے اور سمجھنے کو باقی ہے، لیکن چاہوں گا کہ اسے سمیٹ کر دوسرے موضوعات کی طرف بڑھا جائے، چنانچہ موضوع کو سمیٹتے ہوئے، اس موضوع کے حوالے سے یعنی لوگوں کا شکر ادا کرنے کے حوالے سے آج کے خطبے میں چند آخری باتیں عرض کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ

گذشتہ خطبات میں ہم نے جانا کہ شکر انسانی معاشرتی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے اور یہ کہ شکر فطری لحاظ سے، عقلی لحاظ سے، اخلاقی لحاظ سے اور شرعی لحاظ سے لازمی اور ضروری ہے اور یہ کہ شکر کے بہت سے دنیوی اور اخروی فوائد ہیں۔

شکر، مالی، اخلاقی، علمی اور ہر قسم کے تعاون کے صلے میں ہوتا ہے، اور تعاون یعنی باہمی تعاون معاشرتی زندگی کی اساس ہے، اُس کے بغیر پُرامن اور خوشگوار معاشرے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا معاشرے میں جہاں باہمی تعاون ضروری ہے، وہاں شکر بھی ضروری ہے۔

گذشتہ خطبات میں باہمی تعاون کی ضرورت واہمیت کے بارے میں بھی ہم نے جانا اور خصوصی طور پر معاشرے کے کمزور وناتواں اور ضعیف طبقے کے بارے میں بھی جانا۔

اسلام میں عمومی طور پر باہمی تعاون کی بہت ترغیب دی گئی ہے اور خصوصی طور پر کمزور طبقے کے ساتھ تعاون کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

معاشرے کے کمزور طبقے کے ساتھ تعاون کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"إِبْغُوْنِي فِيْ ضُعَفَائِكُمْ، فَإِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ"

(مسند احمد: ۲۱۷۳۱، سنن ابی دائود: ۲۵۹۴)

مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو، کہ تمہیں صرف تمہارے کمزوروں کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔''

اور کمزوروں سے مراد مالی لحاظ سے کمزور مراد ہیں، یعنی خستہ حال لوگ۔ تو کمزوروں کے ساتھ تعاون اور ہمدردی اور خیرخواہی کی اسلام حد درجہ تاکید کرتا ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے آدمی کے ایمان کو اس سے مشروط کردیا، فرمایا:

((مَـا آمَنَ بِيْ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ وَهُوَ يَعْلَمُ بِهِ)) (صحیح الجامع: ۵۵۰۵)

وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا کہ جو خود تو شکم سیر ہوکر رات کو سوئے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رات گزارے اور وہ اس کے حال سے واقف بھی ہو۔

تو اس حدیث میں ایسے شخص کے کمالِ ایمان کی نفی کی گئی ہے، یعنی وہ شخص کامل ایمان نہیں رکھتا کہ جسے معلوم بھی ہو کہ اس کا پڑوسی کھانا دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے بھوکا ہے اور وہ پھر بھی اس کی مدد نہ کرے۔

اور اسلام میں غریب، مسکین اور مفلوک الحال شخص کے تعاون کی شدتِ تاکید کا اندازہ لگائیے کہ اسلام صرف ایسے شخص کے کمالِ ایمان کی نفی ہی نہیں کرتا کہ جو معلوم ہونے کے باوجود بھوکے کو کھانا نہ کھلائے، بلکہ اسلام دوسروں کو غریب اور مسکین کی مدد کرنے کی ترغیب دینے کی بھی تاکید کرتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝﴾ (الفجر: ۱۸)

''اور تم مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو ابھارتے نہیں ہو۔''

یعنی تمہارا طرز معاشرت ایسا ہے کہ تم لوگوں نے فقراء ومساکین کو بالکل نظر انداز کررکھا ہے حتی کہ تم ایک دوسرے کو غریبوں مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو غریبوں کی مدد کی اہمیت کا یہ ایک انوکھا پہلو ہے کہ کافروں کے جہنم کا مستحق ہونے کا اصل سبب تو ایمان نہ لانا ہے مگر اس کے ساتھ ان کی بعض بری صفات کا بھی ذکر فرمایا جن میں سے ایک نماز نہ پڑھنا اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینا بھی ہے، حالانکہ اگر وہ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے اور نماز بھی پڑھتے تو پھر بھی اللہ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے جہنم میں جاتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ غریبوں کی مدد اور تعاون کے حوالے سے قرآن و حدیث میں بہت زیادہ ترغیب و تاکید کی گئی ہے، جس کی تفصیل کے لئے یقیناً وقت درکار ہوگا۔

تاہم جتنی تاکید تعاون کی کی گئی ہے اتنی ہی تاکید شکر کی بھی کی گئی ہے، ایک طرف تعاون کو فرض و واجب قرار دیا جاتا ہے تو دوسری طرف اس پر شکر کو بھی لازم قرار دیا جاتا ہے۔

مثلاً: مرد پر اس کی بیوی کا نان ونفقہ ہر حال میں واجب ہے چاہے اس کی بیوی مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے برعکس والدین اور اولاد کا نان ونفقہ مشروط ہے اس کی استطاعت سے کہ اگر وہ استطاعت رکھتا ہوتو ، کیونکہ وہ حسن سلوک کے ضمن میں آتا ہے اور یہ کہ اگر والدین محتاج ہوں اور اولاد استطاعت رکھتی ہوتو پھر ان کے مال میں والدین کا شرعی حق بنتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک احسان ، تعاون اور نان ونفقہ جو کہ واجب ہے اُس پر بھی شکر واجب ہے اور ایسا واجب ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”يَـامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَاَكْثِرْنَ الْاِسْتِغْفَارَ فَاِنِّى رَاَيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ“

”اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو اور کثرت سے استغفار کیا کرو، کہ میں نے جہنم میں تمہاری اکثریت دیکھی ہے۔“

”فَقَالَتْ اِمْرَاَةٌ مِنْهُنَّ جَزْلَةٌ وَمَالَنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ“

”تو اُن میں سے ایک سمجھدار عورت نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہماری جہنم میں اکثریت کا سبب کیا ہے؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”قَالَ: تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ“ (صحيح مسلم: ٧٩)

”تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لعنت و ملامت اور گالی گلوچ بہت کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔“

تو آپ نے غور فرمایا کہ مردوں کا اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان پر خرچ کرنا جو کہ واجب تھا اس پر بھی شکر واجب قرار دیا گیا اور ایسا واجب قرار دیا کہ ناشکری اور احسان فراموشی پر جہنم کی سزا کا مستحق ٹھہرایا۔

احسان اور شکر کی بحث تو بہت طویل ہے جو دو ایک نشستوں میں بیان نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس بحث کو سمیٹتے ہوئے اس ضمن میں ایک آخری بات عرض کرتے ہیں جو لوگوں کے مابین احسان اور شکر کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے اور وہ یہ کہ عمومی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرنے کی قرآن وحدیث میں بہت تاکید کی گئی ہے، مگر ایک شخصیت ایسی بھی ہے کہ جس کا نام لے کر شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔

اور وہ ہے: والدین، چنانچہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝﴾ (لقمان : ١٤)

”ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے، اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ یہ کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔“

لوگوں کے ایک دوسرے پر بے شمار قسم کے احسانات ہوسکتے ہیں کوئی بڑے ہوسکتے ہیں اور کوئی بہت بڑے ہوسکتے ہیں، مگر دنیاوی معاملات میں والدین سے بڑھ کر کسی انسان پر کس کا احسان ہوسکتا ہے؟ یقیناً کسی کا نہیں۔ اس لئے کہ انسان کے وجود سے بڑھ کر، اس کی زندگی سے بڑھ کر تو دنیا کی کوئی نعمت نہیں ہوسکتی اور وہ نعمت اسے والدین کے ذریعے حاصل ہوئی ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بہت سے نادان لوگ اپنے والدین کے احسان کو نہیں مانتے، کچھ لوگ زبان سے تو انکار نہیں کرتے مگر عملاً احسان فراموشی کرتے ہیں۔ جو لوگ احسان نہیں مانتے، ان کے نزدیک احسان کا معنی شاید یہ ہے کہ انھوں نے اُن کے لئے کوئی دولت جمع نہیں کی اور اس میں نادانی کا پہلو یہ ہے کہ انہوں نے دولت کی قدر تو جانی مگر زندگی کی قدر نہ جان سکے۔ ان کے نزدیک زندگی کی اگر کوئی قیمت ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کے بعد یقیناً والدین ہوتے جن کے احسان منداور شکر گزار ہوتے کہ زندگی یقیناً ایک بے مول چیز ہے اور دنیا میں بھلا کون ہے جو زندگی کی قیمت چکا سکے؟ چلیے اگر وہ والدین کا یہ احسان نہیں مانتے نہ سہی، مگر اُن کے اُس احسان کا انکار کیسے کریں گے جس کا ذکر قرآن پاک نے کیا ہے کہ:

﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ﴾

"اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے۔"

شاید اسے یہ احسان یاد نہیں رہا یا وہ اس احسان کی گہرائی اور حقیقت کو سمجھ نہیں پایا، آیئے ماں باپ کے اس احسان کو ایک دوسرے انداز سے سمجھتے ہیں۔ فرض کرو! آپ زمین کے ایک گڑھے میں ننگے پڑے ہوئے تھے، آپ کے پاس کھانا تھا نہ پانی، تنہا تھے، ضعیف اور ناتواں تھے اور اتنے کمزور کہ اپنا دفاع نہ کر سکتے تھے، نہ کوئی فائدہ حاصل کر سکتے تھے، بول نہ سکتے تھے، کوئی زبان نہ آتی تھی، صرف رو سکتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر رحم کرتے ہوئے ایک مشفق و مہربان اور رحم دل انسان آپ کے پاس بھیج دیا، جس نے آپ کو کپڑے پہنائے، کھانا کھلایا، سینے سے لگایا، رہائش دی، آپ کو گرمی اور سردی سے بچایا، آپ کی گندگی صاف کرتا، خود تکلیفیں اٹھا کر آپ کو ہر تکلیف سے بچاتا، اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچتی تو اسے آپ کی تکلیف بہت گراں گزرتی، اور یوں اس نے آپ کی پرورش کی۔

کیا اب بھی یاد نہیں آیا کہ وہ کون سی شخصیت تھی، وہ آپ کے والدین تھے۔ کیا کسی میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ وہ والدین کے ان احسانات کا انکار کر سکے؟ یقیناً نہیں۔

اور اگر کوئی پھر بھی انکار کرتا ہے تو وہ دنیا کا سب سے بڑا احسان فراموش ہے اور آپ جانتے ہیں کوئی انسان اپنے والدین کی احسان فراموشی کب کرتا ہے، جب وہ طاقت ور ہوجاتا ہے جب وہ دولت مند ہوجاتا ہے، جب وہ پاؤں پر کھڑا ہوجاتا ہے، جب اسے لکھنا پڑھنا آجاتا ہے، جب اس کی بڑے بڑے لوگوں سے دوستی ہو جاتی ہے، جب وہ خود کفیل ہوجاتا ہے، جب وہ بے نیاز ہوجاتا ہے اور اسے ماں باپ کی مدد کی ضرورت نہیں رہتی۔

ہاں ایسی صورت میں وہ اپنے والدین کے احسانات کو بھول سکتا ہے، مگر اللہ نہیں بھولتے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴾ (لقمان : ١٤)

"میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا، تجھے میری ہی طرف لوٹنا ہے۔"

یعنی پھر شکر ادا کرنے پر اجر دوں گا اور ناشکری کی سزا دوں گا۔ والدین کا شکر ادا کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اجر وثواب کیا ہے، یہ ایک الگ موضوع ہے، مگر دو ایک باتیں اس ضمن میں عرض کیے چلتا ہوں۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" نِمْتُ فَرَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ ، فَسَمِعْتُ صَوْتَ قَارِئٍ يَقْرَأُ "

میں سویا اور دیکھا کہ میں جنت میں ہوں ایک پڑھنے والے کی آواز سنی کہ وہ پڑھ رہا تھا

" فَقُلْتُ مَنْ هَذَا؟ "

میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟

" قَالُوْا هَذَا حَارِثَةُ بْنُ النُّعْمَانِ "

انہوں نے کہا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہیں

" فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كَذَاكَ الْبِرُّ ، كَذَاكَ الْبِرُّ "

تو آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی ایسے ہی ہوتی ہے حسن سلوک کا اجر ایسے ہی ہوتا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" وَكَانَ اَبَرَّ النَّاسِ بِأُمِّهِ" (تخريج سير اعلام النبلاء : ١٩/ ١٤١ ،
النسائی (السنن الكبرى) : ٨٢٣٣)

اور وہ اپنی والدہ کے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والے تھے۔

دوسری طرف والدین کی نافرمانی اور احسان فراموشی کتنا سنگین جرم ہے ملاحظہ کیجئے، حدیث میں ہے:

" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَلا أُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ ثَلَاثًا"

آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہوں کے متعلق نہ بتاؤں؟ تین بار ارشاد فرمایا۔

"قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!"

صحابی کہتے ہیں ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں اللہ کے رسول ﷺ:

" قَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ"

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا

" وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ"

اور والدین کی نافرمانی

" وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِأً"

آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ اٹھ کر بیٹھ گئے

" فَقَالَ: أَلا وَقَوْلُ الزُّوْرِ ، ، قَالَ: فَمَازَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ " (صحيح البخاری: ٢٦٥٤)

اور فرمایا: ہاں اور جھوٹی بات، آپ ﷺ اس بات کو دہراتے جارہے تھے، حتی کہ ہم نے کہا: کاش آپ سکوت فرمائیں۔"

تو لوگوں کے شکر کے حوالے سے یہ ایک مختصر سی گفتگو تھی اور اس گفتگو میں ہم نے یہ جانا کہ شکر انسانی معاشرے کی ایک ضرورت ہے، شکر ادا کرنے کے فائدے ہیں اور نہ کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے نقصانات۔

شکر پر گفتگو تو اصل میں اللہ تعالیٰ کے شکر کے حوالے سے کرنا مقصود تھی، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ بندوں کے شکر کو بھی جوڑا گیا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

((لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ)) (ابو داؤد: ٤٨١١)

''وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا، جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔''

اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ پہلے لوگوں کے شکر کی حقیقت اور اس کا معنی ومفہوم معلوم کیا جائے، تاکہ کہیں انجانے میں لوگوں کی ناشکری اور احسان فراموشی کے مرتکب نہ ہو رہے ہوں اور نتیجتاً اللہ کی ناشکری کر رہے ہوں۔

شکر کی ضرورت واہمیت اور اس کی کچھ تفصیل جاننا اس لئے بھی ضروری ہے کہ شیطان شکر کی راہ میں حائل ہوتا ہے تاکہ لوگ شکر گزار نہ بنیں، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ شکر کو پسند کرتا ہے اور ناشکری اور احسان فراموشی کو ناپسند کرتا ہے۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ﴾ (الزمر: ٧)

''اگر تم کفر کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے۔''

﴿ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ﴾ (الزمر: ٧)

''لیکن وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ﴾ (الزمر: ٧)

''اور اگر تم شکر کرو تو اسے وہ تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں کفر کے مقابلے میں شکر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر کو پسند نہیں کرتا اور شکر پسند کرتا ہے۔اس کا واضح مفہوم نظر آتا ہے کہ چونکہ کفر اصل میں ناشکری اور احسان فراموشی ہے اور ایمان حقیقت میں شکر گزاری ہے۔تو اللہ تعالیٰ احسان فراموشی پسند نہیں کرتا ہے اور شکر و احسان مندی کو پسند کرتا ہے، لہٰذا شیطان نہیں چاہتا کہ انسان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شکر گزار بنے۔

چنانچہ شیطان نے علی الاعلان اپنے ان عزائم کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُم مِّنۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾﴾ (الاعرف: ۱۷)

"پھر میں ان کے آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تُو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہ پائے گا۔"

اور وہ کافی حد تک اپنے ارادوں میں کامیاب نظر آتا ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿١٣﴾﴾ (سبا: ۱۳)

"میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔"

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾﴾

(البقرہ: ۲۴۳)

"یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے، مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں شکر ادا کرنے والوں میں سے بنائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صبر و شکر لوازمات زندگی ہے

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ (البقرة : ۱۵۲)

گذشتہ خطبات میں ہم نے بندوں کے شکر کے حوالے سے تھوڑا بہت جانا، اس کی ضرورت، اس کی اہمیت اور افادیت کے بارے میں جانا کہ بندوں کا شکر ادا کرنا کتنا لازمی اور ضروری ہے اور کس قدر اہمیت کا حامل ہے اور اس کے کتنے دنیوی اور اخری فوائد ہیں۔

تو جب یہ معلوم ہوگیا کہ بندوں کا شکر ادا کرنا نہایت لازمی اور ضروری ہے، تو پھر یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا یقیناً لازمی اور ضروری ہے اور بالا ولی لازمی اور ضروری ہے، کیونکہ لوگوں کے احسانات کا اللہ تعالیٰ سے کوئی مقارنہ اور موازنہ ہے ہی نہیں، اگر دنیا بھر کے احسانات ایک طرف ہوں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زندگی ایک طرف ہو تو آپ یقیناً اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے صرف اس ایک احسان کے مقابلے میں پوری دنیا کے احسانات کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے۔

اور جو انعامات واحسانات اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے آخرت میں رکھ رکھے ہیں اُن کے مقابلے میں پوری دنیا و مافیہا کی حیثیت کیا ہے، وہ آپ ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے، فرمایا:

((مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ .)) (سنن ترمذی: ۲۳۲۳)

''دنیا آخرت کے مقابلے میں بس ایسے ہے جیسے تم میں سے کوئی سمندر میں اپنی انگلی ڈالے، پس وہ دیکھے کہ وہ ساتھ کیا لائی ہے۔''

انگلی پانی میں ڈبو کر نکالیں تو انگلی کے ساتھ کتنا پانی لگ کر آتا ہے، کوئی بہت زیادہ ہوگا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو شاید ایک آدھ قطرہ لگ جائے ورنہ تو انگلی صرف گیلی ہی ہوتی ہے اور پھر انگلی کے ساتھ لگے پانی کی اگر کوئی حیثیت ہو بھی تو بتلایئے سمندر کے پانی کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت ہوگی؟

تو لوگوں کے احسانات اگر اتنے بھی بڑھ جائیں کہ اُن کی حیثیت آخرت کے مقابلے میں انگلی کے ساتھ لگے پانی کی ہوجائے جو کہ ممکن ہی نہیں ہے اور ان احسانات پر شکر ادا کرنا شدت کے ساتھ عقلی، اخلاقی اور شرعی طور پر لازم اور واجب ٹھہرایا گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اس کا شکر ادا کرنا کس شدت کے ساتھ لازمی اور ضروری ہوگا، اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حقِ شکر اور حقِ عبادت کس شدت کے ساتھ بندوں پر واجب ہوتا ہے، آیئے اُس شدت کا اندازہ ایک حدیث کی روشنی میں کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے: محمد بن ابی عمیرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَوْ اَنَّ عَبْدًا خَرَّ عَلَى وَجْهِهٖ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ اِلٰى اَنْ يَمُوْتَ هَرَمًا فِىْ طَاعَةِ اللّٰهِ لَحَقَّرَهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ وَلَوَدَّ اَنَّهُ رُدَّ اِلَى الدُّنْيَا كَيْمَا يَزْدَادَ مِنَ الْاَجْرِ وَالثَّوَابِ .)) (مسند احمد: ١٧٦٥٠)

''اگر کوئی شخص پیدا ہونے کے دن سے لے کر بوڑھے ہو کر فوت ہونے کے دن تک، اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی عبادت و فرمانبرداری میں منہ کے بل گرا رہے، یعنی سجدے میں پڑا رہے، تو قیامت کے روز اپنی اس عبادت کو بھی حقیر جانے گا اور خواہش کرے گا کہ وہ دنیا کی طرف لوٹایا جائے تاکہ وہ مزید اجر و ثواب حاصل کر سکے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مکرم فرشتے جو صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر آن اس کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۚ﴾ (الانبیاء: ١٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''زمین و آسمان میں جو مخلوق بھی ہے اللہ کی ہے، اور جو فرشتے اُس کے پاس ہیں وہ عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔''

﴿ يُسَبِّحُونَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴾ (الانبیاء: ٢٠)

''دن رات تسبیح کرتے رہتے ہیں اور ذرا سا بھی وقفہ نہیں کرتے۔''

اور حدیث میں ہے کہ کچھ فرشتے ایسے ہیں کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا ہے تب سے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں انہوں نے کبھی سر نہیں اٹھایا اور قیامت تک سجدے میں ہی رہیں گے، اور کچھ فرشتے ایسے ہیں جو تب سے رکوع میں ہیں اور قیامت تک رکوع میں ہی رہیں گے اور جب سر اٹھائیں گے تو عرض کریں گے:

((سُبْحَانَكَ! مَاعَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ)) (تفسير ابن كثير / سورة المدثر ، معرفة الصحابة لأبی نعيم : ١٤٠٣ ، الطبرانی : ١٧٥١)

''اے اللہ تو پاک ہے، ہم تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکے۔''

تو اللہ تعالیٰ کا شکر اس حد تک شدت کے ساتھ واجب ہوتا ہے کہ کسی صورت میں اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا، جنت میں لوگ اللہ تعالیٰ کا حقِ شکر ادا کرنے سے نہیں، بلکہ خالص اس کی رحمت سے جائیں گے، یہ اُس کا فضل و کرم اور اس کی رحمت ہے کہ تھوڑے سے شکر کو قبول کر کے جنت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَنْ يُنَجِّيَ اَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ .))

''کسی کا عمل اُس کو ہرگز نجات نہیں دے گا۔''

((قَالُوْ وَلَا اَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! .))

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کیا آپ ﷺ بھی نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ ؟

((قَالَ: وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ .))

(صحيح البخاری: ٦٤٦٣)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

فرمایا: ''میں بھی نہیں، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔''

تو اللہ کا شکر ادا کرنا لازمی اور ضروری ہے، مگر یقیناً اس کے شکر کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اُس کے احسانات ہی اتنے بڑے، اتنے زیادہ، کامل اور پائیدار ہیں کہ ان کی کوئی مثال نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے شکر کے حوالے سے مزید تفصیلات سے پہلے میں چاہوں گا کہ شکر کی اہمیت کو ایک بار پھر مگر ایک دوسرے انداز سے سمجھ لیں۔

شکر اِس دنیا میں انسان کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور وہ یوں کہ اِس دنیا کی زندگی میں انسان کو جتنے بھی معاملات درپیش ہوتے ہیں، جتنے بھی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کے نتیجے میں انسان سے دو باتوں میں سے ایک بات ضرور مطلوب ہوتی ہے اور وہ یہ کہ یا تو وہ صبر کرے یا شکر کرے۔

حقیقت میں انسان کو اِس دنیا کی زندگی میں تمام تر مسائل کے نتیجے میں اِن دو حالتوں اور کیفیتوں میں سے کسی ایک سے ضرور گزرنا پڑتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ اِن کے مطابق عمل کرتا ہے یا نہیں، وہ صبر اور شکر سے کام لیتا ہے یا نہیں۔

اگر وہ کسی تکلیف اور مصیبت پر صبر نہیں کرتا اور کسی خوشی اور مسرت پر شکر نہیں کرتا تو وہ مسلسل بے چین و بے قرار رہتا ہے، وہ ہرگز سکون نہیں پا سکتا، بے صبری اور ناشکری کر کے وہ دنیا میں بھی پریشان رہتا ہے اور آخرت میں بھی ناکام ہوتا ہے۔

یہ سعادت ایک سچے مسلمان کو ہی حاصل ہوتی ہے کہ وہ صبر اور شکر سے کام لیتا ہے چنانچہ اُس کا ہر معاملہ اس کے لئے خیر ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَجَباً لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ .))

''بندۂ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کا ہر معاملہ اس کے لئے خیر ثابت ہوتا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ .))

"اور یہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے، صرف مؤمن کو ہی حاصل ہے۔"

((اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ ، وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْراً لَهُ .)) (صحيح مسلم : ٢٩٩٩)

"اگر خوش حالی اور آسودہ حالی کا معاملہ پیش آئے تو وہ اس پر شکر کرتا ہے چنانچہ وہ اس کے لئے خیر ہوتا ہے، اور اگر کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے چنانچہ وہ اس کے لئے خیر ہوتا ہے۔"

چنانچہ صبر اور شکر حقیقت میں ایمان کی دو حالتیں اور کیفیتیں ہیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَلإِيْمَانُ نِصْفَانِ نِصْفٌ صَبْرٌ وَنِصْفٌ شُكْرٌ)) (عدة الصابرين و ذخيرة الشاكرين : ١٠٨)

"ایمان کے دو حصے ہیں: ایک آدھا صبر ہے اور دوسرا آدھا شکر ہے۔"

تھوڑا سا غور کرنے پر یہ حقیقت انسان کو بآسانی سمجھ آجاتی ہے کہ زندگی میں معاملات یا تو انسان کی مرضی کے مطابق پیش آتے ہیں یعنی جو اسے پسند ہوتے ہیں، یا اس کی مرضی کے خلاف، یعنی ناپسندیدہ امور پیش آتے ہیں۔

جو امور ناپسندیدہ یا تکلیف دہ ہوتے ہیں اُن پر صبر کی ضرورت ہے، اور صبر کے بغیر چارہ بھی نہیں ہوتا، اور جو صبر کرتا ہے وہ فائدے میں رہ جاتا ہے، اسے مقصود حاصل ہوجاتا ہے، سکون بھی ملتا ہے اور اجر بھی ملتا ہے اور جو بے صبری سے کام لیتا ہے وہ اپنی پریشانی میں اضافہ کرتا ہے، اسے مقصود بھی حاصل نہیں ہوتا، بے سکونی بھی رہتی ہے اور صبر کے اجر سے بھی محروم رہتا ہے۔

بے صبری اصل میں اللہ کا شکوہ، اس کے ساتھ بدظنی اور تقدیر کا انکار ہے جب انسان کا تقدیر پر یوں ایمان ہو جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَاعْلَمْ أَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ))

یہ جان لو کہ جو مصیبت تم سے دور ہوگئی ہے، جس سے تم بچ گئے ہو وہ اصل میں تمہیں پہنچنے والی تھی ہی نہیں

(وَمَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ)

اور جو تکلیف تمہیں پہنچی ہے وہ دور ہونے والی تھی ہی نہیں، ہر حال میں تمہیں پہنچنے والی تھی۔

اور اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا:

((وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ .))

''اور جان لو کہ پوری امت بھی اگر اکٹھی ہوکر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیے، تو صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکتی ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے۔''

((وَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ .))

''اور اگر سارے مل کر بھی تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے کہ جو اللہ نے تم پر لکھ رکھا ہے۔''

((رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ .)) (سنن ترمذی: ۲۵۱۶)

''قلمیں اٹھالی گئیں اور صحیفے خشک ہوگئے۔''

یعنی اب کوئی چیز لوح محفوظ میں نہیں لکھی جاسکتی ہے اور نہ مٹائی جاسکتی ہے۔

اسی طرح مزید فرمایا:

((وَاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَاَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ وَاَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا .)) (مسند احمد: ۲۸۰۳، ترمذي: ۲۵۱۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور جان لو کہ صبر کے ساتھ مدد ہوتی ہے اور تکلیف کے ساتھ فراخی و کشادگی ہوتی ہے اور تنگی کے ساتھ آسانی آتی ہے۔''

جب انسان کو تقدیر پر ایسا ایمان اور یقین حاصل ہو تو اسے یقیناً سکون ملتا ہے، اجر ملتا ہے اور صبر کی توفیق حاصل ہوتی ہے، اور جب اسے اللہ کی طرف سے مدد کا یقین اور اس کے ساتھ حسن ظن حاصل ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد و نصرت اور مراد حاصل ہوتی ہے۔

جیسا کہ حدیث قدسی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ .))

میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جس طرح کا وہ میرے بارے میں گمان رکھتا ہے۔

((وَأَنَا مَعَهُ إِذَا دَعَانِيْ .)) (مسلم : ٢٦٧٥)

''اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔''

تو اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس پر حسن ظن رکھتے ہوئے اس کی طرف سے مدد آنے کی امید رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور آتی ہے اور اگر اس کے برعکس اللہ کے بارے میں گمان رکھتا ہو کہ اللہ اس کی مدد نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اُس کے گمان کے مطابق پیش آتا ہے۔

بلکہ اللہ فرماتے ہیں، کہ اگر اللہ کی مدد پر یقین نہیں رکھتا تو کوئی اور تدبیر کر کے دیکھ لے، جیسا کہ فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۝﴾ (الحج: ١٥)

''جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد نہیں کرے گا، تو پھر اسے چاہیے کہ ایک رسی کے ذریعے آسمان تک پہنچ کر شگاف لگائے، پھر دیکھ لے کہ آیا اُس کی تدبیر کسی ایسی چیز کو رد کر سکتی ہے جو اس کو ناگوار ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کی تقدیر پر ایمان اور اللہ تعالیٰ پر حسن ظن اور صبر میں ہی مسائل کا حل ہے، اور ان کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں اور اگر کوئی بے صبری کرنا چاہے تو کر کے دیکھ لے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صبر اور شکر ایمان کی دو شکلیں ہیں، دو کیفیتیں اور دو حالتیں ہیں، دنیا کے اندر تمام معاملات انہی کے گرد گھومتے ہیں، ان دونوں میں سے کسی ایک کے اندر کمی اور کوتاہی ہو تو ایمان نامکمل، ادھورا اور کمزور ہوگا۔

شکر کے بارے میں تو پھر بھی لوگ کچھ نہ کچھ سمجھ بوجھ رکھتے ہیں چاہے اس کا معنی مفہوم معلوم نہ بھی ہو، مگر انہیں معلوم ہے کہ ہاں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اگرچہ بعض شکر کا مفہوم بس اتنا ہی سمجھتے ہیں کہ زبان سے کہہ دیا جائے کہ اللہ کا بڑا شکر ہے تو کافی ہے جبکہ شکر کا یہ ادھورا مفہوم ہے شکر کا معنی و مفہوم ان شاء اللہ آئندہ خطبۂ جمعہ میں جاننے کی کوشش کریں گے۔

صبر کے بارے میں شاید اکثر لوگ علم نہیں رکھتے، اس کا معنی و مفہوم نہیں جانتے اور یہ نہیں جانتے کے صبر کی چند اقسام ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ صبر کبھی واجب ہوتا ہے کبھی مندوب ہوتا ہے، کبھی محظور ہوتا ہے، کبھی مکروہ ہوتا ہے اور کبھی مباح ہوتا ہے، (یعنی صبر کے درجات سے واقف نہیں ہیں)

صبر کی اس قسم سے تو سبھی واقف ہوں گے کہ کسی تکلیف اور مصیبت پر صبر کرنا، جیسے کسی کا عزیز، رشتے دار اور قریبی فوت ہو جائے، یا کوئی بیماری یا آفت آجائے تو اس پر صبر کرنا جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((اِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِيْ بِحَبِيْبَتَيْهِ فَصَبَرَ، عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ .))

(صحيح البخاري: ٥٦٥٣)

"جب میں اپنے کسی بندے کو اُس کی دو محبوب چیزوں کے بارے میں آزمائش میں ڈالتا ہوں، یعنی اسے بینائی سے محروم کرتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اسے ان کے بدلے جنت عطا کرتا ہوں۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آنکھیں آپ جانتے ہیں کہ آدمی دنیا کی بہت ساری نعمتوں سے انہی کے ذریعے محظوظ ہوتا ہے اور جو آنکھوں سے محروم ہو وہ بہت ساری نعمتوں سے محروم ہوتا ہے۔

تو کسی تکلیف اور مصیبت پر صبر کرنا، صبر کی ایک قسم ہے، اس کے علاوہ صبر کی دو اور قسمیں ہیں، اور ان میں سے ایک ہے نیکی پر صبر کرنا اور دوسری ہے برائی سے باز رہنے پر صبر کرنا۔

نیکی پر صبر کرنے کی بہت سی مثالوں میں سے ایک مثال ہے نماز با جماعت کی پابندی کرنا، بالخصوص فجر کی نماز پر، یوں تو ہر نیکی کے کام میں کچھ نہ کچھ مشقت ضرور ہوتی ہے، مگر فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے میں ایک خاص مشقت ہوتی ہے، بالخصوص جب آدمی رات کو دیر سے سوتا ہو۔ تو یہ صبر ہر حال میں مطلوب ہے۔

اسی طرح گناہ سے بچتے ہوئے صبر کرنا، آپ جانتے ہیں کہ گناہ میں بڑی کشش ہوتی ہے، اس کی بہت سی مثالوں میں سے ایک مثال حصولِ رزق سے متعلق ہے، جب کسی حرام کاروبار میں کسی کو بہت فائدہ نظر آ رہا ہو اور اسے لگے کہ وہ اس کاروبار کے ذریعے راتوں رات مالدار ہو سکتا ہے تو اس سے باز رہنا اور صبر کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے بالخصوص جب وہ دوسروں کو دیکھتا ہو کہ انہوں نے سود کے ذریعے گھر خرید رکھے ہیں، مہنگی مہنگی گاڑیوں میں گھومتے ہیں، ان کی کمیونٹی میں بڑی عزت اور شان و شوکت ہے تو صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو مختصراً صبر کی یہ تین قسمیں ہیں، آئندہ خطبہ میں صبر کے درجات کا ذکر کریں گے اور پھر شکر کا معنی و مفہوم جاننے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صبر ایک ضرورت

﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلوٰةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِينَ ﴿٤٥﴾﴾

(البقرہ: ٤٥)

صبر اور شکر زندگی کے لوازمات ہیں، جیسا کہ گذشتہ خطبہ جمعۃ المبارک میں ہم نے جانا، اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زندگی کے تمام تر معاملات انہی دو صفات کے گرد گھومتے ہیں، زندگی میں جو بھی معاملہ پیش آئے اس کے ردعمل کے طور پر انسان کو یا تو صبر اختیار کرنا ہوتا ہے، یا شکر ادا کرنا ہوتا ہے، تیسری کوئی صورت نہیں ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ صبر اور شکر کی حقیقت کو سمجھا جائے، انسان کی پوری زندگی جن دو صفات کے گرد گھومتی ہے انہیں تفصیل کے ساتھ جاننا اور سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

گذشتہ خطبۂ جمعہ میں صبر کے بارے میں چند باتیں جانیں، آج چند مزید باتیں جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

صبر کا آسان لفظوں میں معنی ہے برداشت، اور برداشت کی اس دنیا کی زندگی میں کیا اہمیت ہے، کیا فضیلت ہے، کتنی ضروری ہے اور کتنے فوائد ہیں اور کیا معنی و مفہوم ہے، یہ تفصیلات جاننے کے لئے یقیناً ایک اضافی وقت درکار ہوگا، لہٰذا اختصار کے ساتھ چند باتیں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

صبر کی ضرورت سے ہر انسان خوب آگاہ ہے، کیونکہ صبر کی ضرورت ہر انسان کو زندگی کے ہر معاملے، ہر شعبے، ہر مرحلے اور ہر قدم پر پڑتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ اکثر لوگ صبر کو ایک مستقل خوبی اور صفت کے طور پر نہیں جانتے لیکن وہ اس سے ہر حال میں گزر رہے ہوتے ہیں، اور کچھ دوسرے ہیں جو صبر اور برداشت کو کمزوری سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور اس کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کرتے، حالانکہ صبر انتہائی ضروری ہے اور بہت سے معاملات میں اُس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا۔

مثلاً: اگر کسی کا کوئی عزیز اپنی طبعی موت فوت ہو جائے تو ایسی صورت میں آدمی صبر کے سوا کیا کر سکتا ہے، یقیناً ایسے موقعے پر صبر کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا، لیکن بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ایسے مواقع پر بھی صبر سے کام نہیں لیتے۔

جی ہاں! بہت سے لوگ اپنے کسی عزیز کی وفات پر صبر نہیں کرتے بلکہ بے بسی کا اظہار کرتے ہیں، وہ اپنے تئیں شاید اُس کو صبر ہی سمجھ رہے ہوں، مگر حقیقت میں ان کا رویہ صبر کا نہیں بلکہ بے بسی کا ہوتا ہے، اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ صبر اور بے بسی کے فرق سے واقف نہیں۔

بے بسی کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ آدمی بے بس ہوتا ہے کچھ کرنے کی قوت، طاقت، قدرت، استطاعت اور اختیار نہیں رکھتا، مکمل طور پر Helpless ہوتا ہے۔

جب انسان مکمل طور پر اپنے آپ کو بے بس اور بے یار و مددگار پاتا ہے تو اس کے اندر غم و غصے کا ایک طوفان برپا ہوتا ہے وہ انتقام کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے، بس چلنے پر کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا دل میں مصمم ارادہ رکھتا ہے، وہ اندر ہی اندر کڑھتا ہے دانت پیستا ہے، اور اس کا خون کھولتا ہے۔

جبکہ اس کے برعکس صبر اگرچہ بعض صورتوں میں بے بسی کا ہی دوسرا نام ہوتا ہے ان معنوں میں کہ آدمی کچھ کرنے کا اور مصیبت کو ٹالنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا ہوتا، لیکن صبر چونکہ ایک عقیدہ ہے، اک مخصوص معنی و مفہوم رکھتا ہے، اور مخصوص آداب رکھتا ہے، اس لئے صبر کے وقت آدمی کی کیفیت، بے بسی کی کیفیت سے یکسر مختلف ہوتی ہے، صبر میں انسان نہایت پرسکون ہوتا ہے، جزع فزع نہیں کرتا، نوحہ نہیں کرتا، کپڑے نہیں پھاڑتا، چیخ و پکار نہیں کرتا، بدکلامی نہیں کرتا، زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکالتا جس سے اللہ ناراض ہوتا ہو جس سے تقدیر کا انکار لازم آتا ہو، جس سے اللہ تعالیٰ کا شکوہ ہوتا ہو، بلکہ وہ زبان سے ایسے الفاظ ادا کرتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے جس سے اللہ تعالیٰ خوش اور راضی ہوتا ہو۔

آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ جب فوت ہوئے، تو فرطِ جذبات سے آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

((وَاَنْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟))

اے اللہ کے رسول ﷺ آپ (ﷺ) بھی؟

((فَقَالَ: یَابْنَ عَوْفٍ اِنَّھَا رَحْمَةٌ .))

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن عوف (رضی اللہ عنہ)! یہ رحمت کے آنسو ہیں۔'' یعنی کوئی شکوہ نہیں شکایت نہیں، ناراضی نہیں ہے، اور پھر فرمایا:

((اِنَّ الْعَیْنَ تَدمَعُ وَالْقَلْبَ یَحْزَنُ، وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضَی رَبُّنَا، وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاھِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ .))

(صحیح البخاری: ۱۳۰۳)

فرمایا: ''آنکھ اشک بار ہے، دل غمگین ہے، اور ہم زبان سے صرف وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہوتا ہو اور اے ابراہیم (رضی اللہ عنہ) ہم تیری جدائی میں بڑے غمزدہ ہیں۔''

آپ نے دیکھا کہ صبر بے بسی سے کس قدر مختلف ہے، یہ صبر ہی کی حقیقت ہے کہ تکلیف پہنچے، آزمائش آئے، مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹیں تو آدمی اللہ کی حمد بیان کرتا ہے۔

جیسا کہ مشہور حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَامَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ، قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَ لِمَلَائِکَتِہٖ: قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ؟))

''جب کسی شخص کا بیٹا فوت ہوتا ہے تو اللہ عزوجل اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے۔''

((قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ؟))

''تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کی ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ .))

وہ کہتے ہیں: جی ہاں۔

((فَيَقُوْلُ: قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ .))

''اللہ فرماتا ہے: تم نے اس کے ثَمَرِ قلب اور لختِ جگر کی روح قبض کر لی؟''

((فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ .))

تو فرشتے عرض کرتے ہیں: جی ہاں۔

((فَيَقُوْلُ: مَاذَا قَالَ عَبْدِيْ؟))

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے پھر کیا کہا؟

((فَيَقُوْلُوْنَ: حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ .))

تو فرشتے کہتے ہیں کہ اُس نے تیری حمد بیان کی اور انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کہا۔

((فَيَقُوْلُ اللّٰهُ: إِبْنُوْا لِعَبْدِيْ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ)) (سنن ترمذی: ١٠٢١)

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے کے لیے جنت میں گھر بنادو اور اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھ دو۔

آپ نے دیکھا کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے بار بار فرشتوں سے استفسار فرمایا حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں اور اللہ کے حکم سے ہی ہوتا ہے اور یہ گویا اس کی اہمیت بیان کرنا تھا کہ کسی انسان کو اولاد کے فوت ہونے پر کتنا غم ہوتا اور کتنی تکلیف پہنچتی ہے، اور اس شدت غم کے باوجود ایک مسلمان اس پر کوئی جزع وفزع اور شکوہ شکایت نہیں کرتا بلکہ اللہ کی حمد بیان کرتا ہے۔

اور یہ سب صبر ہی کی بدولت اسے حاصل ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے ایسے اجر وانعام سے نوازتا ہے کہ اس کا جنت میں گھر بناتا ہے اور پھر اپنی پسند کا اس کا نام رکھتا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ لوگ اپنے گھروں کے اپنی اپنی پسند کے نام رکھتے ہیں، جو ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خاص پسند کا اظہار ہوتا ہے، ایسے ہی لوگ اپنے کاروبار کے نام بھی اپنی پسندیدہ شخصیات کے نام پر رکھتے ہیں۔

تو بیت الحمد نام گویا ایک بہت بڑی خصوصیت کی علامت ہے جو بہت بڑی ایمانی کیفیت، گہرے عقیدے، تقدیر پر مضبوط ایمان، اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر راضی رہنے کی نسبت کے اظہار اور اس کے صلے میں رکھا جاتا ہے، ممکن ہے کچھ لوگ دن میں پانچ سو مرتبہ الحمد للہ کہتے ہوں، مگر ان کے لئے جنت میں بیت الحمد کے نام سے گھر نہیں بنایا جاتا اور یہاں ایک بار الحمد للہ کہنے سے اتنے بڑے انعام سے نوازا جاتا ہے!

اس لئے کہ یہاں ایک بار الحمد للہ کہنا مصیبت پر صبر کے اظہار کے طور پر ہوتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی بنائی ہوئی تقدیر پر ایمان اور رضا کی علامت ہوتا ہے۔

دوسری طرف برداشت کی ایک اور شکل ہے یعنی بے بسی کی کیفیت میں برداشت کرنا اور برداشت صبر نہیں کہلاتی کیونکہ اس برداشت میں جزع فزع ہوتا ہے، تقدیر پر اعتراض اور اللہ کا شکوہ ہوتا ہے، آپ نے بھی کئی بار لوگوں کو تکلیف میں کہتے ہوئے سُنا ہوگا کہ میرے ساتھ ہی ایسے کیوں ہوتا ہے۔ آخر میں نے کون سا گناہ کیا ہے، یا کہتے ہیں پتہ نہیں مجھ سے کون سا گناہ ہوگیا ہے جس کی مجھے سزا مل رہی ہے حالانکہ انسان سے غلطی اور گناہ تو دن میں شاید بیسیوں بار سرزد ہوتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ انسان انہیں گناہ ہی نہ سمجھے تو بہت سے لوگ شاید صبر کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتے، وہ سمجھتے ہیں کہ رونا پیٹنا محض غم کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے، اور غم کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ہوتا ہے، مگر حقیقت میں یہ باتیں صبر کے منافی ہیں اور ان سے منع کیا گیا ہے اور یہ بے صبری کے ضمن میں آتی ہیں۔

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِإِمْرَأَةٍ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ .))

آپ ﷺ کا ایک عورت کے پاس سے گزر ہوا جو ایک قبر کے پاس رو رہی تھی اور ایک حدیث میں ہے کہ اپنے بچے کی قبر کے پاس رو رہی تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَقَالَ اِتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِيْ .))

تو آپ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔''

((فَقَالَتْ: اِلَيْكَ عَنِّيْ .))

اس نے کہا پیچھے ہٹ جاؤ۔

((فَإِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيْبَتِيْ .))

تم پر میرے والی مصیبت نہیں آئی۔

((قَالَ: وَلَمْ تَعْرِفْهُ .))

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ آپ ﷺ کو پہچانتی نہ تھی۔

((فَقِيْلَ لَهَا اِنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ .))

آپ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد اسے بتایا گیا کہ وہ آپ ﷺ تھے۔

((فَاَخَذَهَا مِثْلُ الْمَوْتِ .))

یہ بات سن کر اسے تو ایسے لگا گویا اس پر موت طاری ہوگئی ہو۔

((فَأَتَتْ بَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِيْنَ .))

اور آپ ﷺ کے دروازے پر حاضر ہوئی، دیکھا کہ آپ کے پاس دربان اور سکیورٹی والے نہیں ہیں۔

((فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ اَعْرِفْكَ .))

کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے آپ ﷺ کو پہچانا نہیں تھا۔''

((فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلَى))

(صحيح مسلم : ٩٢٦)

''تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کہ صبر مصیبت کے آغاز پر ہوتا ہے۔''

غور فرمائیے اس عورت نے حاضر ہو کر سب سے پہلے تو معذرت کی کہ میں نے آپ ﷺ کو پہچانا نہیں تھا، اور پھر کہا کہ میں صبر کروں گی، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے اس کی پہلی بات کا جواب نہیں دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے حق کی بات نہیں کی اور یہ آپ ﷺ کے ہاں صبر کا عالم ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا، جیسا کہ حدیث میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں:

((وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهٖ: اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.)) (صحیح البخاری: ٣٥٦٠)

''اور آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کیا جارہا ہو۔''

تو اس عورت نے آپ ﷺ کو کس لہجے میں مخاطب کیا، آپ ﷺ نے اس طرف توجہ نہیں دی، التفات نہیں فرمایا، البتہ دوسری بات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جب مصیبت آتی ہے تو اس وقت فوری طور پر آدمی کا جو ردعمل ہوتا ہے اس سے صبر کا پتہ چلتا ہے۔

کچھ دیر بعد تو غم ہلکا ہو ہی جاتا ہے، اور آدمی کے ہوش ٹھکانے آ ہی جاتے ہیں، جب صبر دکھانے کا وقت تھا اس وقت بے صبری کا مظاہرہ کیا، اور جب غم ہلکا ہو جائے تو پھر کہے کہ میں صبر کرتا ہوں، صبر نہیں کہلاتا۔

اور یہ اللہ کا نظام ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑے سے بڑا صدمہ آدمی بھول جاتا ہے یا غم ہلکا ہو جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان کا جینا دشوار ہو جاتا۔

چنانچہ احادیث میں تعزیت کے تین دن ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَايَحِلُّ لِاِمْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ، اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ ، اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ فَاِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا .)) (صحيح البخاري : ١٢٨٠)

''کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ تعزیت کرے، سوائے اپنے خاوند کے، کہ اس پر چار مہینے دس دن عدت پوری کرے۔"

تو صبر وہ ہے کہ مصیبت کے نزول کے وقت جس کا اظہار ہو کچھ وقت گزرنے کے بعد صبر، صبر نہیں کہلاتا اور صبر کا مفہوم یہ ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ اس میں جزع فزع نہ ہو، شکوہ شکایت نہ ہو، اللہ کی رضا پر راضی ہو اور تقدیر پر ایمان ہو۔

بلکہ جو لوگ صبر کی لذت سے آشنا ہوتے ہیں مصیبت کے وقت ان کے انداز ہی نرالے ہوتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں کہ فَتْحُ الْمَوْصِلِي جو کہ اپنے دور کے ایک بہت بڑے عابد و زاہد گزرے ہیں، ان کی اہلیہ بھی جو ایک بہت دیندار اور پرہیز گار خاتون تھیں ایک بار ان کا ناخن ٹوٹ گیا۔

((عَثَرَتْ إِمْرَأَةُ فَتْحِ الْمَوْصِلِيِّ ، فَانْقَطَعَ ظُفْرُهَا فَضَحِكَتْ .))

کہ فتح الموصلی کی بیوی کو ٹھوکر لگی اور اس کا ایک ناخن ٹوٹ گیا تو وہ ہنس پڑی

(فَقِيْلَ لَهَا: فَأَيْنَ مَا تَجِدِيْهِ مِنْ حَرَارَةِ الْوَجَعِ)

تو اس سے کہا گیا کہ درد کی حرارت کہاں گئی؟

((فَقَالَتْ : إِنَّ لَذَّةَ ثَوَابِهِ أَزَالَتْ عَنْ قَلْبِيْ مَرَارَةَ وَجَعِهِ))

(المجالسة وجواهر العلم : ٣٠٦١)

تو اس نے کہا کہ اس کے ثواب کی لذت نے اس کے درد کی کڑواہٹ کو میرے دل سے زائل کر دیا ہے۔

تو جب آدمی صبر کی نعمت، صبر کے اجر و ثواب اور اس کی فضیلت سے آگاہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کے سوچنے کا انداز ہی بدل جاتا ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ:

((مَاابْتُلِيْتُ بِبَلَاءٍ إِلَّا كَانَ لِلّٰهِ تَعَالَى عَلَيَّ فِيْهِ أَرْبَعُ نِعَمٍ))

"میں جب بھی کسی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہوں تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجھ پر چار انعامات ہوتے ہیں۔"

(إِذْ لَمْ يَكُنْ فِيْ دِيْنِيْ)

ایک یہ کہ وہ مصیبت میرے دین کے معاملے میں نہیں ہوئی۔

(وَإِذْ لَمْ يَكُنْ اَعْظَمَ مِنْهُ)

اور ایک یہ کہ جو مصیبت آئی ہے، اس سے بڑی نہیں آ گئی۔

(وَإِذْ لَمْ أُحْرَمِ الرِّضَابِهِ)

اور ایک یہ کہ اس پر رضا سے محروم نہیں ہوا۔

(وَإِذْ أَرْجُو الثَّوَابَ عَلَيْهِ) (مختصر منهاج القاصدين للمقدسي : ٢٩٢)

اور ایک یہ کہ اس پر ثواب کی اُمید رکھتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صبر کا مفہوم اور اس کی اہمیت

﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿٤٥﴾﴾

(البقرہ : ٤٥)

گذشتہ خطبات میں صبر کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے، صبر یقیناً ایک بہت بڑی حقیقت ہے، زندگی میں ہر انسان کو، ہر روز اور تقریباً ہر شعبے اور ہر معاملے میں صبر کی کیفیت سے گزرنا پڑتا ہے، وہ صبر سے گزرنا شعوری ہو یا غیر شعوری مگر ہر حال میں اسے ہر روز بہت سی باتوں میں صبر سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

انسان جب صبح نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اس کی تکلیفوں ، مصیبتوں، پریشانیوں اور آزمائشوں کا آغاز ہوجاتا ہے اور اگلے روز نیند سے بیدار ہونے تک وقفے وقفے سے یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

انسان کسی عمر، کسی طبقے اور کسی حیثیت سے بھی تعلق رکھتا ہو، اسے ہر حال میں کسی نہ کسی پریشانی کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے، وہ بچہ ہو، نوجوان ہو، بوڑھا ہو، مرد ہو، عورت ہو، امیر ہو، غریب ہو، عالم ہو یا جاہل ہو، کسی بھی صورت میں پریشانیوں سے بچنا ممکن نہیں ہے اور یہ کسی ایک مخصوص وقت کی بات نہیں بلکہ زندگی بھر کا معمول اور دستور ہے۔

موٹی موٹی پریشانیوں سے تو سبھی لوگ واقف ہوتے ہیں کہ جن پر صبر کی ضرورت پیش آتی ہے، جیسے کاروبار کے دوران میں کبھی اختلاف ہوجائے تو اکثر تو تکار ہونے لگتی ہے اور کبھی نوبت ہاتھا پائی تک بھی پہنچ جاتی ہے، ملازمت میں بھی اکثر سیٹھ اور افسر کی تلخ اور ترش باتیں سننے کو ملتی ہیں جو طبیعت پر ناگوار گزرتی ہیں۔ کبھی پڑوسیوں کی طرف سے زیادتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوست واحباب اور رشتہ داروں کی طرف سے طنز وطعن کا نشانہ بننا پڑتا ہے، اسی طرح کام کی مشقت اور بیماریوں کی تکلیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے، بھوک اور پیاس کی شدت سے گزرنا پڑتا ہے، اور تو اور اپنے گھر کے اندر بھی بہت سی ناگوار باتوں کو سہنا پڑتا ہے، حتیٰ کہ انسان کو دکھ، تکلیف، آزمائش اور پریشانی اس طرف سے آتی ہے جہاں سے انسان تصور بھی نہیں کرسکتا، اور وہ ہے اس کی اولاد۔

اولاد کہ جس کے لئے انسان اپنا تن من دھن قربان کردینے کو تیار ہوتا ہے، جس کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں اور ساری توانائیاں صرف کردیتا ہے، اس کی طرف سے جب تکلیف آتی ہے تو بہت گراں گزرتی ہے۔ تو ایک طرف جسمانی تکلیفیں اور اذیتیں ہوتی ہیں اور دوسری طرف ذہنی اور نفسیاتی تکلیفیں بھی ہوتی ہیں، اور ذہنی اور نفسیاتی تکلیف عموماً جسمانی تکلیف سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے حتیٰ کہ زیادہ تر واقعات میں خودکشی کا باعث بھی ذہنی تکلیف ہی ہوتی ہے۔

ذہنی اور نفسیاتی اذیت ایک بہت بڑی حقیقت ہے، قرآن پاک میں اس کا جا بجا ذکر کیا گیا ہے، اور اس کا اثر تسلیم کیا گیا ہے۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳﴾ (الانعام: ۳۳)

ہمیں بخوبی علم ہے کہ ان کی باتیں آپ ﷺ کو رنجیدہ کرتی ہیں۔ لیکن یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کررہے ہیں۔

اور ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝۹۷ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۹۸﴾ (الحجر: ۹۷ ـ ۹۸)

ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ دل میں تنگی اور انقباض محسوس کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں پس آپ ﷺ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں، اور سجدہ کرنے والوں میں رہیں گویا کہ لوگوں کی باتوں پر آپ ﷺ کو جو کوفت پہنچتی تھی اس پر تسلی بھی دی اور اس کا حل اور علاج بھی بتلا دیا۔

نفسیاتی تکلیف ایک ایسی حقیقت ہے کہ زبان سے کچھ کہنے کی بجائے محض اشاروں کنایوں سے بھی تکلیف پہنچتی ہے، اور بعض صورتوں میں تو غیر ارادی اشاروں اور حرکت سے بھی تکلیف پہنچتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا کَانُوْا ثَـلَاثَةً فَـلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُوْنَ الثَّالِثِ .))

(صحیح البخاری: ٦٢٨٨)

’’اگر تین آدمی ہوں تو ان میں سے دو لوگ تیسرے سے الگ ہو کر آپس میں سرگوشیاں نہ کریں۔‘‘

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

((فَاِنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهٗ .)) (سنن ابی داود: ٤٨٥١)

’’کہ یہ بات اسے رنجیدہ اور غمگین کر دیتی ہے۔‘‘

کیونکہ اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات گزرنے لگتے ہیں وہ سوچنے لگتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ میرے خلاف ہی کوئی بات کر رہے ہوں۔ یا یہ خیال آ سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ وہ بات جو وہ آپس میں سرگوشی کر رہے ہیں مجھے بھی اس میں شریک کریں، تو اس طرح کے اور بھی خیالات آتے ہونگے جو کہ اسے رنجیدہ کر دیتے ہیں، چنانچہ اسلام نے اس سے منع کر دیا ہے، کیونکہ اصل میں یہ ایک شیطانی کام ہے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰﴾ (المجادلة: ١٠)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کا نا پھوسی تو ایک شیطانی کام ہے اور وہ اس لئے کی جاتی ہے کہ ایمان والے رنجیدہ ہوں۔

دراصل یہ یہودیوں کی ایک بدخصلتی تھی کہ جب وہ کسی مسلمان کو پاس سے گزرتے ہوئے دیکھتے تو چپکے چپکے، اشاروں کنایوں سے آپس میں سرگوشیاں کرنے لگتے، جس سے اس اکیلے مسلمان کو لگتا کہ جیسے وہ اس کے قتل کی سازش کر رہے ہیں اور ترکیب سوچ رہے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام سے روک دیا مگر وہ پھر بھی باز نہ آئے۔

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ زندگی میں ہر انسان کو ہر روز بہت سے ایسے مسائل سے گزرنا پڑتا ہے جن پر صبر کی ضرورت پیش آتی ہے مگر چونکہ اکثر لوگ ان سے آگاہ نہیں ہوتے، یا موقعے پر ان کی طرف دھیان نہیں جاتا کہ یہ بھی کوئی صبر کا مقام ہے، لہٰذا صبر کرنے کی کوشش ہی نہیں کی جاتی۔

تو ان بہت سے مسائل میں سے یہ چند موٹی موٹی اور آسان سی باتیں بطور نمونہ ذکر کی گئی ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو ہر قدم پر صبر کی ضرورت پڑتی ہے مگر افسوس کہ اس پہلو سے سوچنا اور خبردار رہنا ہماری عادات میں شامل نہیں ہے۔

تو ہم صبر کی حقیقت، اس کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے، کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جب تک صبر کی ضرورت و اہمیت سمجھ نہیں آئے گی اس کی کوشش نہیں کی جاسکتی۔

صبر زندگی گزارنے کے آداب میں سے سب سے بنیادی اور سب سے اہم ادب اور سلیقہ ہے جو دنیوی اور اخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔اور یہ ادب اسلامی نظام کا خاصہ ہے جو دنیا کے کسی اور نظام اور دین و مذہب میں نہیں ملے گا۔

دنیا کے بڑے بڑے دانشور اس ادب کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے اور اس کی گہرائی تک پہنچنے میں ناکام رہے، کیونکہ عقیدے اور ایمان کی آمیزش کے بغیر صبر اور برداشت کی حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے اور نہ اس سے مطلوبہ نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

صبر ایک حقیقت ہے اور اس کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھنے کے لئے بہت سی آیات و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احادیث موجود ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

اللہ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ﴾ (البلد: ٤)

''درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔''

اور یہ کتنی اہم بات ہے؛ اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے چند قسمیں کھانے کے بعد یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ فرمایا:

﴿لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ﴾ (البلد: ١)

''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔''

﴿وَأَنتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ﴾ (البلد: ٢)

''اور حال یہ ہے کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں۔''

﴿وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ﴾ (البلد: ٣)

''اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اس اولاد کی جو اس سے پیدا ہوئی۔''

اور انسان کے مشقت میں پیدا کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا انسان کے لئے آرام کی جگہ نہیں ہے اور نہ اسے دنیا میں مزے کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے، بلکہ یہ دنیا اس کے لئے محنت ومشقت اور سعی وجہد کی جگہ ہے۔ اور دنیا میں زندگی گزارنے کے حوالے سے ایک جگہ فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ (البقرة: ١٥٥)

''اور ہم ضرور تمہیں خوف، بھوک، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے اور ان حالات میں جو لوگ صبر کریں انہیں خوش خبری دے دو۔''

اور ایک اور مقام پر فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (البقرة : ٢١٤)

”کیا تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ یونہی تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں آیا جو تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں پر آ چکا ہے: ان پر سختیاں آئیں، مصیبتیں آئیں، ہلا کر اور جھنجھوڑ کر رکھ دیئے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول (علیہ السلام) اور اس کے ساتھی ایمان لانے والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی اور اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ جان لو اللہ کی مدد قریب ہے۔“

اسی طرح حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ، وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ .))

(صحيح مسلم: ٢٨٢٢)

”جنت کو ناپسندیدہ چیزوں کے ساتھ گھیر دیا گیا ہے اور جہنم کو خواہشات کے ساتھ گھیر دیا گیا ہے۔“

یعنی جنت میں جانے کے جتنے راستے ہیں سب خاردار اور دشوار گزار ہیں، جنت میں لے جانے والا ہر کام با مشقت ہے، اس میں سختی ہے، تنگی ہے، تکلیف ہے، آزمائش ہے، ابتلاء اور امتحان ہے، اور انسان کے مزاج پر فطرتاً ناگوار گزرنے والا ہے، الا یہ کہ ایمان کی طاقت اسے محبت، شفقت، رغبت، اور لذت میں تبدیل کر دے۔ عبادات کی بات کیجئے تو وہ انسان پر فطرتاً گراں گزرتی ہے جیسا کہ نماز کے بارے میں فرمایا:

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ (البقرة : ٤٥)

”صبر اور نماز سے مدد لو، بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے مگر ڈر رکھنے والوں پر۔“ مشکل نہیں ہے۔

اور وضو کے بارے میں حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((اَلاَ اَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ .))

''کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز کے بارے میں نہ بتاؤں کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجات بلند کر دیتا ہے؟''

((قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ .))

''صحابہ نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں اللہ کے رسول ﷺ۔''

((قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَااِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ .))

(صحيح مسلم ، كتاب الطهارة : ٢٥١)

''فرمایا: ناپسندیدہ حالتوں میں ٹھیک ٹھیک اور پوری طرح وضو کرنا اور مسجدوں کی طرف زیادہ قدم چل کر جانا اور نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور یہی رِباط ہے۔''

اور رباط کا معنی ہے کسی کام کے لئے اپنے آپ کو روکے رکھنا اور اس کا شرعی مطلب ہے سرحدوں کی حفاظت کے لئے پہرہ دینا۔ اور اس کی احادیث میں بہت بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((رِبَاطُ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهٖ .))

(صحيح مسلم: ١٩١٣)

''ایک دن اور رات کا رباط اور پہرہ ایک مہینے کے روزوں اور ان میں کئے گئے قیام اللیل سے بہتر ہے۔''

تو وضو کی بات ہو رہی تھی کہ وضو عام حالات میں بھی ایک مشکل کام ہوتا ہے چہ جائیکہ مشکل حالتوں میں وضو کرنا، جیسا کہ سخت سردی کے موسم میں جب کہ گرم پانی کی سہولت موجود نہ ہو یا بیماری اور معذوری کی حالت میں وضو کرنا اور وہ بھی سرسری سا نہیں بلکہ ٹھیک ٹھیک اور مکمل طور پر وضو کرنا، یعنی افضل طریقے سے وضو کرنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح دوسرے جنت میں لے جانے والے کام بھی فطرتاً انسان کی طبعیت پر گراں گزرتے ہیں، جیسے صدقہ کرنا، نوافل پڑھنا، روزے رکھنا، حج اور عمرہ کرنا اور دیگر نیک کام کرنا۔ اور ایسے ہی جہنم میں لے جانے والے کام انسان کو مرغوب اور من پسند ہیں، نفس کی فطری خواہشات کے مطابق ہوتے ہیں انسان ان کی طرف طبعی میلان اور رجحان رکھتا ہے، جیسا کہ حدیث ہم نے سنی کہ: (حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ) کہ جہنم کو خواہشات کے ساتھ گھیر دیا گیا ہے یعنی انسان کی خواہشات اسے جہنم میں لے جاتی ہیں حالانکہ خواہشات تو نیک بھی ہوتی ہیں مگر عمومی طور پر خواہشات کا ذکر فرمایا، یعنی ایسی خواہشات جو دین سے متصادم ہوں، جو دین کے تابع نہ ہوں، ایسی خواہشات کو دین کے مقابل قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ﴾

(القصص : ۵۰)

"اب اگر وہ لوگ آپ ﷺ کی آواز پر لبیک نہیں کہتے تو سمجھ لیجئے کہ وہ اپنی خواہشات کے پیرو ہیں۔"

تو جو خواہش نیک اور دین کے تابع ہو اسے اتباع کا نام دیا گیا ہے اور جو دین کے تابع نہ ہو اسے خواہشاتِ نفس کی پیروی کہا گیا ہے۔

تو صبر کی ضرورت واہمیت کو سمجھ رہے تھے کہ جب صورت حال یہ ہو کہ انسان سرتاپا پریشانیوں، مصیبتوں، اور آزمائشوں میں گھرا ہوا ہو اور قدم قدم پر اسے تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو تو ضروری ہو جاتا ہے کہ صبر سے مدد لی جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (البقرة : ۱۵۳)

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو۔

یعنی اپنے مسائل کے لئے صبر اور نماز کے ذریعے حل تلاش کرو اور ان سے مدد لو۔

لیکن جب انسان کا فطری مزاج یہ ہو کہ:

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مَنُوعًا ﴿٢١﴾ ﴾ (المعارج: ١٩ ـ ٢١)

''انسان تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے، جب اس پر مصیبت آئے تو گھبرا اٹھتا ہے، اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔''

تو صبر یقیناً مشکل ہو جاتا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ قربِ قیامت جب ایسی شدید آزمائشیں ہوں گی کہ ان پر صبر کرنا مٹھی میں انگارہ لینے کے مترادف ہوگا تو اس وقت صبر کرنا کس قدر مشکل ہوگا آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس دور کا نام ہی ایام الصبر قرار دے دیا گیا ہے کہ صبر کے ایام والا دور، اور پھر ان دنوں میں صبر کی شدت کے حساب سے اس کا اجر بھی بڑھا دیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ ، الصَّبْرُ فِيهِنَّ مِثْلُ الْقَبْضِ عَلَى الْجَمْرِ ، لِلْعَامِلِ فِيهِمْ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِهِ ، قَالَ : يَارَسُولَ اللّٰهِ أَجْرُ خَمْسِينَ مِنْهُمْ قَالَ أَجْرُ خَمْسِينَ مِنْكُمْ))

''کہ تمہارے بعد کچھ صبر کے ایام آئیں گے ان ایام میں صبر کرنا انگارے کو مٹھی میں لینا ہے اس زمانے میں عمل کرنے والے کو اتنا ثواب ملے گا جتنا کہ اس جیسے عمل کرنے والے پچاس لوگوں کو ملتا ہے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: پچاس ان میں کے، یا ہم میں سے پچاس آدمیوں کے اجر کے برابر؟ فرمایا: تم میں سے پچاس آدمیوں کے اجر کے برابر۔ (سنن ابن ماجه: ٤٠١٤ ، تخریج ابو داود شعیب الارناؤوط : ٤٣٤١)

صبر کا موضوع ایک بہت طویل موضوع ہے جس کے لیے ایک لمبا وقت درکار ہوگا ، تاہم اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فہم دین ہمارے لیے آسان بنا دے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظامِ زندگی میں صبر ایک ناگزیر ضرورت

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝﴾

(البقرہ: ٤٥)

صبر کے حوالے سے گفتگو جاری ہے، صبر ایک بہت طویل موضوع ہے اور اس کی طوالت بے معنی نہیں ہے، بلکہ اس لائق اور اس بات کی مستحق ہے کہ وہ طویل ہو، کیونکہ دنیا و آخرت میں انسان کی کامیابی کا انحصار صبر پر ہی ٹھہرتا ہے، رفعِ درجات کا باعث بھی صبر ہی قرار پاتا ہے، اور زندگی میں قدم قدم پر انسان کو صبر سے واسطہ پڑتا ہے۔اس لئے یہ ضروری ہے کہ صبر کی بحث طویل ہو، اور تفصیل کے ساتھ اس کی تمام جزئیات پر گفتگو ہو۔

صبر کے بارے میں یہ جاننا کہ اس کی حقیقت کیا ہے، اس کی ضرورت اور اہمیت کیا ہے نہایت ضروری ہے، صبر کے فوائد اور عدم صبر کے نقصانات سے آگاہی بھی ضروری ہے اور یہ معلوم کرنا بھی نہایت اہم ہے کہ انسان صبر کرنے میں ناکام کیوں ہوتا ہے، بے صبری کے اسباب کیا ہیں اور ان سے بچنے کے لئے کن اقدامات کی ضرورت ہے اور کون کون سی باتیں اور اسباب و وسائل صبر کے لئے مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اب سب سے پہلے صبر کی اہمیت کا اندازہ کیجئے کہ دنیا کی کامیابی کے لحاظ سے صبر کی کیا اہمیت ہے، دنیا کی کامیابی کا انحصار کس طرح صبر پر ہے۔

دنیا کی کامیابی کے یوں تو مختلف پہلو ہیں اور ہر آدمی کے ہاں کامیابی کا اپنا ہی ایک معیار ہوتا ہے، مگر ایک جو بہت نمایاں کامیابی سمجھی جاتی ہے وہ ہے کسی قوم کا قائد، امام اور رہنما بن جانا اور یہ کسی شخص کے لئے بہت بڑا شرف اور اعزاز ہوتا ہے، اور پھر بالخصوص اگر دین کے حوالے سے ہو تو پھر تو یقیناً سب سے بڑا اعزاز ہوتا ہے، اور یہ اعزاز کیونکر حاصل ہوتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، یہ اعزاز صبر کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ۫ وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ۝۲۴﴾ (السجدہ: ۲۴)

”اور ہم نے ان میں سے لوگوں کو قائد، رہنما، لیڈر، امام اور پیشوا بنادیا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے۔“

تو صبر کے نتیجے میں، صبر کے عوض، صبر کی جزا، بدلے اور انعام کی صورت میں ہم نے انہیں امام اور پیشوا بنادیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرنے والے بن گئے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو بڑی بڑی اور صبر آزما آزمائشوں میں سرخرو ہونے کے بعد فرمایا:

﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ﴾ (البقرۃ: ۱۲۴)

”میں تمہیں امام الناس بنا رہا ہوں۔“

اور ان آزمائشوں میں سے ایک آزمائش کہ ابراہیم علیہ السلام کی اللہ کے حکم کے مطابق بیٹے کو ذبح کرنے کی کوشش کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝۱۰۶﴾

”یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔“

تو قیادت اور پیشوائی ایک بہت بڑا انعام، بہت بڑا شرف اور اعزاز ہے، مگر صبر کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے، جس سے صبر کی فضیلت اور اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

یہاں ایک یہ بات سمجھنا بھی ضروری ہے کہ امامت اور پیشوائی دو طرح کی ہے: ایک خیر کی اور دوسری شر کی، لہٰذا خیر اور شر کے فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہے اور اگر اس فرق کو سمجھا نہ گیا تو یہ انسان کو اس دنیا میں بھی ناکامی سے ہمکنار کرسکتا ہے اور اس کی آخرت بھی تباہ و برباد کرسکتا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

خیر کی پیشوائی تو یہ ہے کہ:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا﴾ (السجدة : ٢٤)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ہم نے ان کے صبر اور یقین کے نتیجے میں اُن میں سے لوگوں کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔''

جبکہ دوسری طرف شر کے پیشوا وہ ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ (القصص : ٤١)

''اور ہم نے انہیں جہنم کی طرف دعوت دینے والے پیشوا بنا دیا۔''

اب کوئی لیڈر، کوئی رہنما اور پیشوا یوں تو نہیں کہے گا کہ لوگو آؤ جہنم کی طرف۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے کاموں کی دعوت دیتا ہے، ان پر عمل کرتا یا اہتمام کرتا ہے جو انسان کو جہنم کا مستحق بنا دینے والے ہیں، تو ایسے لیڈر اور ایسے پیشوا سے خبردار رہنا اور بچنا بہت ضروری ہے۔

جہنم کی طرف لے جانے والے اعمال یقیناً بے شمار ہیں جو اُن سے بچنا چاہتا ہے اُسے قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کی پہچان حاصل کرنی چاہیے، ویسے فطرتاً بھی انسان ان کی قباحت کو خوب سمجھتا ہے، جیسا کہ ناچ گانا وغیرہ ہے، یقیناً کوئی مسلمان ایسا نہیں جو ان اعمال کو جنت میں لے جانے والے اعمال شمار کرتا ہو۔

تو بات ہو رہی تھی کہ دنیا میں کامیابی کا انحصار صبر پر ہے جس کی بہت سی مثالوں میں سے ایک مثال کا ذکر کیا کہ صبر کی وجہ سے انسان بڑی بڑی کامیابیوں سے ہمکنار ہوتا ہے اور بڑے بڑے انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

اسی طرح آخرت کی کامیابی کا انحصار بھی صبر پر ہی ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل جنت، جب جنت میں داخل ہوں گے (تو فرشتے ان کا استقبال کرتے ہوئے) ہر طرف سے اُمنڈ آئیں گے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴾ (الرعد : ۲۳)

''ان کے پاس فرشتے ہر دروازے سے چلتے ہوئے آئیں گے۔''

یہ کہتے ہوئے کہ:

﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ (الرعد : ۲٤)

''تم پر سلامتی ہو! تم نے دنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا، اُس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو، پس کیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر۔''

تو صبر ایک ایسی خوبی، ایسی صفت اور ایسی نعمت ہے کہ اس پر دنیا اور آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے، مگر صبر کرنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ صبر کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں انسان کو ذہنی یا جسمانی اذیت اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو، اُس تکلیف کو برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اس لئے کہ آدمی اس میں اپنی توہین، خفت اور بے عزتی محسوس کرتا ہے، چنانچہ اس کا خون کھولنے لگتا ہے اور اس سے مشکل یہ ہوتا ہے کہ آدمی تکلیف پہنچانے والے کو اپنے حسنِ سلوک اور اخلاق حسنہ سے جواب دے اور برائی کا بدلہ نیکی سے دے۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾ (فصلت : ۳٤)

''اور نیکی اور بدی ایک نہیں ہیں، آپ بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ گویا جگری دوست بن گیا ہے۔''

﴿وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾

(فصلت: ۳۵)

''مگر یہ صفت اور یہ خوبی صرف صبر کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے اور یہ مقام

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بڑے نصیب والوں کو حاصل ہوتا ہے۔''

یعنی آسان کام نہیں ہے۔اس کے لئے بڑا دل گردہ چاہیے! یہ باہمت، باحوصلہ اور مضبوط اعصاب والا انسان ہی کرسکتا ہے:

﴿وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝﴾ (فصلت : ۳۵)

''مگر یہ خوبی کسی بڑے نصیب والے انسان کو ہی حاصل ہوتی ہے۔''

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے جیسے ایک عام آدمی کے لئے کوئی تکلیف برداشت کرنا اور دنیا کی تلخ باتیں برداشت کرنا بہت مشکل ہے،اس دنیا کی چمک دمک دیکھ کر ایک عام آدمی کی رالیں ٹپکنے لگتی ہیں، اس حقیر سی دنیا کے سامنے ڈھیر ہوجاتا ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَاللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَاسَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ .)) (جامع ترمذی: ۲۳۲۰)

''اگر دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کواس میں سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نصیب نہ کرتا۔''

مگر اکثر لوگ اس کی چمک اور اس کی کشش برداشت نہیں کرسکتے، چنانچہ اس کے حصول کے لئے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگتے ہیں اور حلال اور حرام کی تمیز بھلا دیتے ہیں۔

صبر ایک انسانی صفت ہے،معنی یہ کہ فرشتے صبر کے مکلّف نہیں قرار دیئے گئے، اس لئے کہ فرشتے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف میلان اور رجحان رکھتے ہیں، وہ اس کے کامل مطیع وفرمانبردار ہیں:

﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝﴾ (التحریم : ٦)

''وہ کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔''

ان کے اندر فرمانبرداری کے برعکس کوئی خواہش، کوئی جذبہ اور کوئی داعیہ سرے سے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

موجود ہی نہیں رہا جو انہیں معصیت اور نافرمانی پر اکسائے، انہیں عقل دی گئی ہے مگر ان میں خواہشات نہیں رکھی گئیں لہٰذا صبر کی انہیں ضرورت ہی نہیں اور نہ انہیں اس کا مکلّف ٹھہرایا گیا ہے۔

دوسری طرف حیوانات کو خواہشات دی گئی ہیں مگر ان خواہشات کو کنٹرول کرنے اور حدود میں رکھنے اور نفس کی پاکیزگی اور طہارت کے احکامات جاری نہیں کیے گئے چنانچہ وہ بلا روک ٹوک اپنی من مانی کرتے ہیں، لہٰذا انہیں بھی صبر کی نہ ضرورت ہے اور نہ انہیں اس کا مکلّف ٹھہرایا گیا ہے۔

صرف انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے کہ جس میں ایک طرف مادی خواہشات رکھی گئی ہیں، جیسے کھانے پینے کی خواہش، شہوت کی خواہش اور دیگر بے شمار ایسی خواہشات کہ جن کا اس دنیا کی زندگی سے تعلق ہے۔

دوسری طرف اس پر ایک بارِ امانت بھی ڈال دیا گیا ہے اور وہ بارِ امانت اتنا اہم اور اتنا عظیم ہے کہ فرمایا:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾ (الاحزاب: ٧٢)

''ہم نے اُس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے۔''

انسان کو نفس کی پاکیزگی کا مکلّف ٹھہرایا، اس کے لئے کائنات مسخر کر دی، اسے عقل سے نوازا اور شریعت کا پابند کیا اور ماننے اور نہ ماننے کا اختیار بھی دے دیا، تو انسان بنیادی طور پر دو قوتوں کے درمیان کھینچا تانی اور کشاکش کا شکار ہے۔

ایک قوت اسے زمین کی طرف کھینچتی ہے، خواہشات کے حصول اور ان کی تکمیل کی طرف کھینچتی ہے، دنیا کی لذتوں سے محظوظ ہونے کی طرف راغب اور مائل کرتی ہے تو دوسری اسے اللہ کی طرف رغبت دلاتی ہے، اخلاق و کردار کی بلندیوں کی طرف آمادہ کرتی ہے، عقل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے اللہ کی طرف بلاتی ہے اور خواہش اسے زمین کی طرف دباتی ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

ایمان مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

(غالب)

اور اہل ایمان سے مطلوب یہ ہے کہ جذبۂ دین خواہشاتِ نفس پر غالب رہے، اس مطلوب کے حصول میں صبر کے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔

اب سؤال یہ ہے کہ صبر میں انسان ناکام کیوں ہوتا ہے؟ تو اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ جب انسان کا عقیدہ اور ایمان کمزور ہو تو پہلے تو صبر کی توفیق ہی نہیں ہوتی اور اگر صبر کرنے کی کوشش کرے بھی تو اس میں بہت زیادہ مضبوطی اور قوت نہیں ہوتی، اور اگر صبر ٹھوس اور مضبوط ہو مگر عقیدہ وایمان مضبوط نہ ہو تو اس صبر سے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوتے، لہٰذا صبر کے ساتھ ایمان مضبوط ہونا ضروری ہے۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝﴾ (السجدة : ٢٤)

''اور ہم نے ان میں سے لوگوں کو ہدایت کے پیشوا بنادیا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں، جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے۔''

تو کامیابی کے لئے صبر کے ساتھ ساتھ ایمان اور یقین کی پختگی بھی ضروری ہے، اور دوسری چیز یہ ہے کہ انسان میں بہت سی فطری کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے انسان صبر میں ناکام ہوجاتا ہے، ان میں سے چند ایک کا قرآن پاک نے ذکر کیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝﴾ (النساء: ٢٨)

''اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور یہ کمزوری جسمانی طور پر بھی ہے اور عزم و ارادے کی کمزوری کے حوالے سے بھی ہے۔ اور ایک کمزوری یہ ہے کہ وہ بہت جلد مایوس ہو جاتا ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ﴾

(هود: ٩)

"اگر کبھی ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد اُس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس ہوتا ہے اور ناشکری کرتا ہے۔"

اور ایک یہ کہ انسان بے انصاف، ظالم اور ناشکرا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ﴾ (ابراهيم: ٣٤)

"جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا، اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے، حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔"

ایک فطری کمزوری جو کہ بے صبری کا ایک بہت بڑا سبب ہے وہ ہے جہالت، کہ انسان جاہل بھی ہے:

﴿ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴾ (الاحزاب: ٧٢)

"بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے"

بنیادی طور پر تو ہر انسان جاہل ہے چاہے وہ کتنا ہی علم کیوں نہ رکھتا ہو، کیونکہ علم تو بحر بے کنار ہے، اس کا کوئی کنارہ ہی نہیں۔

اپنی لاعلمی یا جہالت کا اندازہ کرنے کا ایک سیدھا سا معیار تو یہ ہے کہ انسان دیکھے کہ اسے اس دنیا کے سینکڑوں علوم میں سے کس کس علم میں سے کتنا کچھ علم حاصل ہے؟ مگر امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک دوسرا انوکھا اور نرالا معیار متعارف کروایا ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ اسی معیار کو ایک دوسرے انداز سے متعارف کروایا ہے۔ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَإِذَا ما ازْدَدْتُ عِلْمًا زَادَنِي عِلْمًا بِجَهْلِي

جب مجھے کسی نئی بات کا پتہ چلتا ہے تو ساتھ ہی میرے علم میں اس بات کا بھی اضافہ ہوتا ہے کہ میں تو جاہل تھا۔

یعنی جوں جوں علم میں اضافہ ہوتا ہے توں توں اپنی جہالت کی معرفت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں آیت ﴿ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴾ دنیا کے علوم میں جہالت مراد نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حوالے سے جہالت مراد ہے جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

((ظلومًا لنفسه ، جهولًا بربه))

''اپنے آپ پر ظلم کرنے والا، اپنے رب سے متعلق جاہل رہنے والا۔''

(النكت والعيون) (تفسير الماوردی ، الاحزاب : ۷۲)

اور یہ جہالت دنیاوی علوم کی جہالت سے زیادہ خطرناک ہے۔

اسی طرح ایک کمزوری یہ ہے کہ انسان فطرتاً جھگڑالو ہے:

﴿ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴾

(یس: ۷۷)

''کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا اور پھر صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہوگیا۔''

اسی طرح ایک اس کی فطری کمزوری اس میں جلدی بازی ہے۔

﴿ خُلِقَ الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ ﴾ (الأنبياء : ۳۷)

''انسان جلد باز مخلوق ہے۔''

اسی طرح چند اور فطری کمزوریوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تو بات ہو رہی تھی کہ صبر میں ناکامی کے اسباب میں عقیدہ وایمان کی کمزوری کے ساتھ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ساتھ انسان کی فطری کمزوریاں بھی اس کی ایک وجہ بنتی ہیں جن میں سے چند ایک کا ابھی ذکر ہوا، چنانچہ اس صفت اور خوبی کا حصول کوئی آسان کام نہیں ہے اور نہ ہی یہ ہر ایک کے بس کی بات ہے کہ بدی کو نیکی کے ذریعے دور کرے جو کہ صبر کا سب سے بلند ترین درجہ ہے، اور یہ یقیناً صعب المنال ہے یعنی اس کا حصول نہایت ہی مشکل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس خوبصورت پیرائے میں بیان فرمایا ہے کہ:

﴿وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۳۵﴾ (فصلت : ۳۵)

اور اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے کوئی نہیں پا سکتا۔

لہٰذا جو شخص اس کا متمنی ہو اسے اپنا عقیدہ و ایمان مضبوط کرنا ہوگا اور اپنی ان فطری خامیوں اور کوتاہیوں پر قابو پانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عیدالاضحیٰ

اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر .

لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد ، اللّٰہ اکبر کبیرا ، والحمدللّٰہ کثیرا ، وسبحان اللّٰہ بکرۃ واصیلا .

ان الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذباللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا......

﴿وَالْفَجْرِ ۝١ وَلَیَالٍ عَشْرٍ ۝٢ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝٣ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ ۝٤﴾

(الفجر: ١۔٤)

آج کا دن جو کہ عیدالاضحیٰ کا دن ہے، اُن دس ایام میں سے ایک ہے جو سال بھر کے دنوں میں سے سب سے افضل ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ اَیَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِیْھَا اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ ، یَعْنِی اَیَّامَ الْعَشْرِ .))

فرمایا: ”کوئی دن ایسے نہیں ہیں جن میں کیا ہوا عمل صالح ان دنوں میں کئے ہوئے عمل سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہو، یعنی ان دس دنوں میں۔“

((قَالُوْ! یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! وَلَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ! .))

”صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟“

((قَالَ: وَلَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ .))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فرمایا: ''جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں۔ ''

((اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ یَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ))

(سنن ابی داود: ٢٤٣٨)

''البتہ وہ شخص جو اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کے لئے نکلا، مگر اُن میں سے کچھ بھی واپس لے کر نہ لوٹا ہو۔''

ان ایام کی فضیلت کو آپ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں ایک دوسرے انداز میں یوں بیان فرمایا:

((اَفْضَلُ اَیَّامِ الدُّنْیَا اَیَّامُ الْعَشْرِ .)) (صحیح الجامع : ١١٣٣)

''پوری دنیا کے تمام ایام میں سے یہ دس دن سب سے افضل ہیں۔''

یعنی دنیا کی زندگی میں جو جو ایام جس جس نسبت سے بھی ہوں ذوالحجہ کے پہلے دس روز ان تمام ایام سے افضل ہیں۔اب یہاں عشرۂ ذوالحجہ کی فضیلت میں تھوڑی سی تفصیل ہے، مناسب ہوگا کہ وہ بھی معلوم کرتے چلیں اور وہ یہ کہ جب ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں کی فضیلت کا ذکر ہوتا ہے تو اُس سے مراد ان کی راتیں بھی ہوتی ہیں، یعنی راتوں سمیت دس دن، لیکن علماء کرام نے قرآن و حدیث میں ذکر ہونے والے تمام شب و روز کی فضیلت کو سامنے رکھ کر اُن کے اسباب و وجوہات پر غور کرنے کے بعد جو مسائل ذکر کئے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عشرہ ذوالحجہ کے دس دن اور دس راتیں باقی تمام دنوں اور راتوں سے افضل ہیں، سوائے رمضان المبارک کے آخری عشرے کی دس راتوں کے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں میں تمام بڑے بڑے اور فضیلت والے کام دن کے اوقات میں ادا ہوتے ہیں جیسا کہ وقوف عرفہ دن کے وقت ہوتا ہے، یوم النحر یعنی قربانی کا دن بھی دن کی نسبت سے کہلاتا ہے، یوں الترویہ بھی دن کے وقت میں ہوتا ہے، جبکہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی فضیلت اس کی راتوں میں کئے جانے والے عمل کی وجہ سے ہوتی ہے اور وہ ہے راتوں کو جاگ کر لیلۃ القدر کی تلاش کرنا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا اگر افضل دنوں کی بات ہو تو وہ ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں اور اگر افضل راتوں کی بات ہو تو وہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی راتیں سب سے افضل ہیں کیونکہ ان میں لیلۃ القدر ہے۔ تو عشرۂ ذوالحجہ کے دس دن سال بھر کے دنوں سے افضل ہیں اور اُن کی فضیلت کی متعدد وجوہات میں سے چند بنیادی وجوہات یہ ہیں کہ ایک تو ان میں فضا اللہ تعالیٰ کی عظمت وتوحید اور تسبیح وتحمید سے گونج اٹھتی ہے اور دوسرے یہ کہ اُن میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے قربانیوں کے ایمان پرور مناظر عروج پر ہوتے ہیں اور یہ دو عمل حج کی فضیلت کو چار چاند لگا دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا:

((أَيُّ الْحجِّ أَفْضَلُ؟)) ''کون سا حج سب سے افضل ہے؟''

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلعَجُّ وَالثَّجُّ)) (صحيح الترمذي ، للألباني : ٨٢٧)

''باآواز بلند تلبیہ کہنا اور قربانی کا خون بہانا۔''

تو عشرۂ ذوالحجہ کے دن اس لئے افضل ہیں کہ ان میں ایک یوم عرفہ بھی ہے کہ جس میں غیر حاجی کے روزہ رکھنے سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور حاجیوں کے لئے باعث خیر و برکت اور باعثِ مغفرت یوں ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ يَوْمٍ اَكْثَرَ مِنْ اَنْ يُعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْداً مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ .))

''عرفہ کے دن سے بڑھ کر کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ جس میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ بندوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔''

((وَاِنَّهُ لَيَدْنُو ثُمَّ يُبَاهِي بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُوْلُ: مَا اَرَادَ هٰؤُلَاءِ .))

(سنن ابن ماجه: ٣٠١٤)

''پھر وہ اپنے فضل و رحمت سے ان کے قریب ہوتا ہے اور ان پر فخر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے کہ (مَا اَرَادَ هٰؤُلَاءِ) یہ لوگ بھلا کیا چاہتے ہیں؟''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی یہ لوگ جو اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر آئے ہیں، اپنے گھر بار کو چھوڑ کر آئے ہیں اپنے مال خرچ کیے ہیں اور سفر کی صعوبتوں سے دوچار اور تھکن سے چور چور ہوئے جاتے ہیں یہ سب کچھ بھلا کس لئے ہے صرف اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور مغفرت کے طلبگار ہیں، اس کی رضا اور اس کا قرب چاہتے ہیں!

تو ماہِ ذوالحجہ کے پہلے دس دن نہایت ہی فضیلت والے دن ہیں ان میں کثرت سے تسبیح وتہلیل اور تکبیر وتحمید کہنے کی ترغیب ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اسلام کی تمام تر تعلیمات سراسر معتدلانہ ہیں، حتی کہ خوشی کے تہوار بھی مکمل طور پر پرُاعتدال ہیں چنانچہ عیدالفطر ہو یا عیدالاضحیٰ جہاں ان دنوں میں سنجیدگی اور متانت ہے۔عبادت ہے، ذکر وفکر ہے، تسبیح وتہلیل ہے، وہاں کھیل کود اور ہنسی مذاق بھی ہے، خوش گپیاں بھی ہیں اور خورد ونوش بھی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((یَوْمُ عَرَفَةَ وَیَوْمُ النَّحْرِ وَاَیَّامُ التَّشْرِیْقِ ، عِیْدُنَا اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَهِیَ اَیَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ .)) (سنن ابی داود: ٢٤١٩)

”عرفہ کا دن، قربانی کا دن اور ایامِ تشریق (یعنی ذوالحجہ کی ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ تاریخ) ہم مسلمانوں کی عید ہے اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔“

اسی طرح اسلام کے مقرر کردہ خوشی کے تہوار غریبوں، مسکینوں اور معاشرے کے کمزور افراد کے ساتھ اظہار ہمدردی و یکجہتی اور خیر خواہی کے دن ہیں۔

چنانچہ عیدالفطر کے موقع پر اسلام نے فطرانے کی صورت میں غریبوں کا ایک حصہ مقرر کر دیا ہے اور عیدالاضحیٰ کے موقعے پر قربانی کے گوشت کی صورت میں ان کے ساتھ تعاون کی ترغیب دے رکھی ہے، تاکہ وہ بھی خوشی میں شریک ہوسکیں۔ اس موضوع پر مزید گفتگو کی ضرورت ہے مگر چونکہ آج جمعہ بھی ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قربانی تقرب الی اللہ کا ایک ذریعہ

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾

(الانعام : ۱٦۲)

فریضۂ حج، عیدالاضحیٰ اور قربانی یہ تین اعمال اگرچہ ایک حیثیت سے مستقل اور الگ الگ موضوع ہیں، مگر حقیقت میں یہ تینوں ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہیں اور ان تینوں کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔

فریضۂ حج یوں تو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے کہ جس کا لغوی معنی قصد و ارادہ ہے اور شرعی اصطلاحی معنی بیت اللہ کا قصد و ارادہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾ (آل عمران : ۹۷)

”جو اس کے گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا قصد کرے (اس کا حج کرے۔)“

مگر آپ جانتے ہیں کہ حج صرف بیت اللہ کی زیارت اور طواف کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں مزید دیگر اعمال بھی شامل ہیں، جیسا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی ہے، منیٰ کا قیام، وقوف عرفہ، مَبیتِ مزدلفہ، رمیِ جمرات اور قربانی وغیرہ شامل ہیں، اور ان میں سے متعدد اعمال حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں سے متعلق ہیں، جیسا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی اور رمی جمرات وغیرہ ہیں۔

اسی طرح عیدالاضحیٰ اور قربانی بھی انہی کی نسبت و تعلق سے ہے، ان اعمال کا بنیادی مقصد تو تقرب الی اللہ ہے خصوصی طور پر قربانی کا جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝﴾ (الکوثر : ۲)

''پس تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔''

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

(الانعام: ۱۶۲)

''کہو میری نماز اور میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔''

مگر اس کے ساتھ ایک مقصد ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو بھی زندہ رکھنا ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور وہ دونوں باپ بیٹا قلبی، عقلی اور عملی طور پر اس کے لئے تیار ہو گئے۔

﴿فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝﴾ (الصافات: ۱۰۳)

جب ان دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا، اور ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا:

﴿وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝﴾

''اور ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، یعنی وہ حکم جو ہم نے تمہیں خواب کے ذریعے دیا تھا تم نے پورا کر دکھایا۔''

تو جب دل و جان سے آپ نے تسلیم کر لیا، نہ عقل اس میں آڑھے آئی، نہ بیٹے کی محبت رکاوٹ بنی اور عملی طور پر اسے پیشانی کے بل گرا کر چھری بھی چلا دی، تو ہمارے حکم کی تعمیل اور فرمانبرداری تو ہو گئی اور مقصد عذاب میں مبتلا کرنا اور سزا دینا تو نہ تھا بلکہ ابتلاء اور آزمائش تھا اور وہ آپ اس میں پورے اترے

﴿إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝﴾

''یقیناً یہ ایک بہت کھلی آزمائش تھی۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝١٠٧ ﴾

چنانچہ ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔

﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝١٠٨ ﴾

”اور اس کی تعریف وتوصیف ہم نے ہمیشہ کے لئے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔“

کہ اس دن کو ہم نے یوم عید بنا دیا اور اس قربانی کو لوگوں کے لئے قرب الٰہی کا ذریعہ بنا دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی آزمائشوں میں سرخرو ہونے کے بعد بڑے بڑے انعامات سے نوازا گیا، جن میں سے ایک انعام یہ تھا کہ انہیں امام الناس بنا دیا، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ ﴾

(البقرة:١٢٤)

”جب ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو اُس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اتر گیا، تو اُس نے کہا: میں تمہیں سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔“

یقیناً یہ ایک بہت بڑا انعام اور بہت بڑا شرف اور اعزاز ہے، اسی طرح انہیں اس اعزاز سے بھی نوازا کہ اُن کی قربانی کو شرف قبولیت عطا کرتے ہوئے اسے رہتی دنیا تک ایک یادگار بنا دیا اسے لوگوں کے لئے اطاعت وفرمانبرداری اور خلوص و وفاداری کی ایک مثال اور نمونہ بنا دیا، اس دن کو لوگوں کے لئے خوشی اور مسرت کا دن بنا دیا، انہیں خراجِ عقیدت اور خراج تحسین پیش کرنے کا دن بنا دیا، اُن کے جذبۂ تسلیم و رضا کو سراہنے اور اُن کے نقش قدم پر چلنے کا عہد کرنے کا دن بنا دیا

﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝١٠٨ ﴾

”ان کے ذکرِ خیر کو ہمیشہ کے لئے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دیا۔“

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام یقیناً ان بڑے بڑے انعامات و اعزازات کے مستحق تھے، کسی آزمائش میں پورا اترنا اور بالخصوص وہ آزمائش جس کو اللہ تعالیٰ بہت کھلی آزمائش قرار دیں اور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

وہ آزمائش کہ جس پر پورا اترنے کی گواہی خود اللہ تعالیٰ دیں کتنے عظیم مقام ومرتبے اور کتنی عزت اور شرف کی بات ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، ہم اُن کا تصور بھی نہیں کر سکتے اپنے لخت جگر کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کا صرف تصور ہی کر کے دیکھ لیجئے کہ دل پر کیا گزرتی ہے۔ صرف تصور کرنے سے ہی دل دہل جاتا ہے، رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جسم پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ آدمی پر غشی طاری ہوجائے اور حرکت قلب بند ہوجائے۔

تو ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے عملی طور پر تیار ہوجانا کوئی عام سا واقعہ نہیں ہے، بلکہ متعدد خصوصیات کا حامل ہے، ایک تو یہ کہ وہ اس وقت اکلوتا بیٹا تھا اور دوسرے یہ کہ بڑھاپے کی عمر میں ملا تھا اور تیسرے یہ کہ دعائیں مانگ کر لیا تھا اور چوتھے یہ کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا آزمائش در آزمائش تھا۔

اللہ تعالیٰ کو ابراہیم علیہ السلام کی وفاداری کا تو پہلے ہی علم تھا، مگر آزمائش اور امتحان میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں، امتحان سے گزر کر ہی انسان انعامات واکرامات اور درجات واعزازات پاتا ہے۔ کسی کو با اعتماد اور وفادار کا لقب پانے کے لئے مدتوں امتحانات کی چکی سے گزرنا پڑتا ہے، کبھی کسی کو کوئی پہلی ہی ملاقات میں وفادار کا لقب نہیں مل جاتا۔

تو ابراہیم علیہ السلام کو بھی بہت سے امتحانات سے گزر کر یہ لقب ملا

﴿وَإِبْرَٰهِيمَ ٱلَّذِى وَفَّىٰٓ ﴿٣٧﴾﴾

وہ ابراہیم جس نے وفاداری کا حق ادا کردیا۔‘‘

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ابراہیم علیہ السلام کی وفاداری کو پرکھنا چاہا، اور اس میں ایک حکمت یہ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگا تو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا کردیا اور چونکہ اولاد سے محبت ایک فطری بات ہے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے دل کے کسی کونے میں بیٹے کی محبت نے بھی کچھ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جگہ بنالی ادھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنا رکھا تھا اور خلیلیت ایک ایسا مقام و منصب ہے کہ جو کسی قسم کی شراکت قبول نہیں کرتا، تو جب بیٹے کی محبت نے باپ کے دل میں جگہ بنالی تو خلیل کی غیرت نے جوش مارا اور ابراہیم علیہ السلام کے دل سے بیٹے کی محبت کو نکال دینا چاہا، چنانچہ حکم دیا گیا کہ بیٹے کو ذبح کردو، تو جب ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے عملی طور پر تیار ہوگئے تو ثابت ہوگیا کہ اُن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بیٹے کی محبت پر غالب ہے، تو خُـلّـت شراکت کی آلائشوں سے پاک ہوگئی، چنانچہ ذبح کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی، کیونکہ اصل مقصود تو عزم و استقلال کو پرکھنا تھا کہ کہیں اس میں کوئی لغزش پیدا تو نہیں ہوئی، تو جب مقصود حاصل ہوگیا تو ذبح کرنے کا حکم منسوخ کرکے اس کی جگہ ایک دنبے کی قربانی دے کر اس کو چھڑا لیا گیا۔ (بدائع الفوائد: ۱۱۹۸)

اس مینڈھے کے سینگ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سنبھال کر کعبے کے اندر رکھ دیئے تھے اور قریش نسل در نسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک ان کو محفوظ رکھتے چلے آئے تھے، حتی کہ بنوامیہ کے دور میں جب بیت اللہ کو آگ لگ گئی تو وہ سینگ بھی اس میں جل گئے، امام الشعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ دونوں سینگ کعبہ میں دیکھے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: الصافات)

امام شعبی رحمہ اللہ کی تاریخ وفات ۱۰۳ ہجری ہے، اور کعبہ کے جلنے کا واقعہ ۶۴ ہجری میں پیش آیا۔)

عیدالاضحیٰ، عیدِ قربان جس نسبت سے منائی جاتی ہے آپ سب پہلے بھی اس سے واقف تھے، آج اس سے متعلق کچھ معلومات پھر سے تازہ ہوگئیں۔

یہ عید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے مینڈھے کی قربانی کی یاد تازہ کرتی ہے، جس کے پیچھے ایک اور بہت بڑی قربانی ہے، جو کہ دنیا کی عجیب، انوکھی اور نرالی قربانی ہے۔

اس یاد کو قیامت تک تازہ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے عید کی صورت میں جو انتظام فرمایا ہے، وہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑا انعام اور اعزاز ہے، جو انھیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کے آزمائشوں میں سرخرو ہونے کے نتیجے میں عطا کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگی تھی کہ:

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴾ (الشعراء: ٨٤)

''اور بعد کے آنے والوں میں میرا ذکرِ خیر باقی رکھ۔''

ذکر خیر کی خواہش انسان کی فطری خواہش ہے، انسان اگر خود اچھا نہ بھی ہو، اس کی عادات و صفات اچھی نہ بھی ہوں حتی کہ اس میں کوئی ایک اچھی صفت بھی نہ ہو، وہ پھر بھی چاہے گا کہ لوگ اس کی تعریف کریں، یا کم از کم اسے برا نہ کہیں۔

تعریفی کلمات میں ایک ایسی مٹھاس ہے کہ اس کی لذت و حلاوت انسان کو مسحور کر دیتی ہے اور مذمتی الفاظ میں ایسی کڑواہٹ ہے کہ پورے جسم کو مسموم اور زہر آلود کر دیتی ہے۔

مدح و تعریف کی خواہش سے کوئی انسان مستغنی نہیں ہے، اگر انسان کی زندگی کا ایک دن بھی باقی ہو تو وہ خواہش کرے گا کہ اس میں بھی اسے تعریف ہی سننے کو ملے۔

جھوٹی تعریف جھوٹ ہی ہوتا ہے، جھوٹی تعریف کی خواہش کرنے والے کی موت کے ساتھ تعریف بھی مر جاتی ہے، جبکہ سچی تعریف باقی رہتی ہے اور وہ آدمی کے فوت ہو جانے کے بعد بھی اسے زندہ رکھتی ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سچی تعریف اور سچے ذکر خیر کی دعا مانگی:

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴾ (الشعراء: ٨٤)

''کہ بعد والوں میں میرا سچا ذکر رکھ دے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی تعریف فرمائی اور لوگوں میں ان کا ذکر خیر رکھنے کا انتظام فرما دیا۔ چنانچہ مسلمان، یہود اور نصاری سب کے سب ان کے مداح اور ثنا خواں ہیں اور ان کو ماننے کا دعوی کرتے ہیں اور انہیں اپنے اپنے گروہ میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کے دعوے کی نفی کرتا ہے، فرمایا:

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾ (آل عمران :٦٧)

''ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ وہ تو ایک مسلم تھے اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

سچے ذکرِ خیر کی خواہش تو اچھی خواہش ہے کیونکہ اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نیکی کی توفیق مانگ رہا ہے، آدمی نیک کام کرے گا تو سچا ذکر خیر ہوگا۔

مثلاً: آدمی بخیل اور کنجوس ہو اور خواہش کرے کہ لوگ اسے اچھا سمجھیں تو یہ کیسے ممکن ہے ہاں کوئی آدمی کسی مقصد کے لئے اس کی جھوٹی تعریف کرتا ہے تو اور بات ہے مگر وہ ایک عارضی سی تعریف ہوگی اور لوگوں پر جھوٹی تعریف کرنے والے کا جھوٹا ہونا واضح ہوجائے گا اور جھوٹی تعریف کی خواہش رکھنا انسان کے لئے بہت بڑے نقصان اور دین کے فساد کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

'' مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ '' (سنن ترمذی: ٢٣٧٦)

''دو بھوکے بھیڑیئے اگر بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑے جائیں تو وہ اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا مال اور شرف (یعنی چودہراہٹ اور ریاست) کی خواہش اور حرص ولالچ آدمی کے دین کو نقصان پہچاتے ہیں۔''

جبکہ سچی تعریف اور سچے ذکر خیر کی خواہش جائز بھی ہے بشرطیکہ اس میں ریاء اور دکھلاوا نہ ہو، اگر ریا کاری ہوگی تو وہ سچی تعریف نہ رہے گی۔

اگر لوگ خود بخود کسی کی سچی تعریف کرتے ہیں تو اسے ایک مؤمن کے لئے فوری خوشخبری قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ مسلمان کو دونوں جہاں میں اجر وثواب ملتا ہے۔

دنیا میں اجر کئی صورتوں میں ہوسکتا ہے جیسا کہ مال میں برکت، اولاد میں برکت یا دیگر بے شمار نعمتوں کے ذریعے اجر دیا جاتا اور ان میں سے ایک تعریف بھی ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴾

(مریم: ٩٦)

''یقیناً جو لوگ ایمان اور عمل صالح کرتے ہیں عنقریب رحمٰن ان کے لئے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔''

اور جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيْلَ ، فَقَالَ : إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ ، قَالَ : فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ ، ثُمَّ يُنَادِي فِي السَّمَاءِ فَيَقُوْلُ : إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْهُ ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ، قَالَ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْأَرْضِ)) (صحيح مسلم : ٢٦٣٧)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، تو جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرتے ہیں پھر آسمان میں منادی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں پس تم بھی اس سے محبت کرو، پس تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور پھر زمین پر بھی اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔'' یعنی لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ کسی کو ناپسند کرتے ہیں تو یہی عمل ہوتا ہے۔''

تو دنیا میں اس تعریف اور لوگوں کے دلوں میں کسی کی محبت ڈال دینے کو فوری اور جلدی والی خوشخبری قرار دیا ہے، یعنی ایک خوشخبری تو آخرت میں ہوئی اور دوسری جلدی حاصل ہونے والی خوشخبری یہ دنیا میں عزت واحترام اور تعریف ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے:

''عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قِیْلَ لِرَسُوْلِ ﷺ اَرَاَیْتَ الرَّجُلَ یَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَیْرِ وَیَحْمَدُہُ، النَّاسُ عَلَیْہِ؟''

آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایسے شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جو نیک عمل کرتا ہے اور اس پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟

" قَالَ: تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ " (صحيح مسلم : ٢٦٤٢)

''فرمایا یہ مسلمان کی جلدی والی خوشخبری ہے۔''

ابراہیم علیہ السلام کی قدر ومنزلت، مقام ومرتبے اور ان کے ذکر خیر کی بات ہو رہی تھی ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبے اور ذکر خیر کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤ ﴾

''ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند کر دیا ہے۔''

اور یہ مقام یقیناً بلند ترین ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاشرے پر قربانی کے اثرات

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾

(الانعام:۱٦۲)

گذشتہ جمعہ عیدالاضحیٰ کے روز، عید اور جمعہ کے خطبے میں ہم نے فریضۂ حج، عیدالاضحیٰ اور قربانی کی اہمیت، فضیلت اور اس کی حکمت کے بارے میں چند باتیں جانیں۔

جہاں ان باتوں کا جاننا مفید اور ضروری اور باعث تجدید ایمان ہے وہاں افراد اور معاشرے پر قربانی کے اثرات اور نتائج کے بارے میں گفتگو کرنا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ قربانی یا کسی بھی عمل صالح کی حکمت، مقصد اور غرض و غایت جاننا حصول مقصد کے لئے بہت مددگار ثابت ہوتا ہے، وہ جان کاری اور آگاہی آدمی میں جوش و جذبہ اور ہمت پیدا کرتی ہے، ایک تعلق اور لگن پیدا کرتی ہے اور تقویتِ ایمان کا باعث ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قربانی کا ایک بڑا مقصد تقرب الی اللہ ہے، یہ ایک ایسا عمل ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا، آپ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا اور اس کی تاکید فرمائی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ (الکوثر : ۲)

''اپنے رب کے لئے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔''

اور فرمایا:

﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ﴾ (الحج: ۳٦)

''اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ میں سے ایک شعیرہ اور نشانی بنا دیا ہے، تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے۔'' یعنی ثواب ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس طرح آپ ﷺ نے خود بھی قربانی کی اور امت کو بھی اس کی تاکید فرمائی جیسا کہ احادیث میں ہے۔

تو قربانی کا ایک بڑا مقصد تقرب الی اللہ ہے، مگر قربانی کے تقرب الی اللہ کا ذریعہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خالص اللہ کے لئے ہو جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾﴾

(الانعام : ١٦٢)

" کہیے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔"

عبادات کا خالص اللہ کے لئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ریاکاری اور دکھلاوا نہ ہو اس میں نمود و نمائش نہ ہو اس سے کوئی دنیوی مقصد مطلوب نہ ہو، بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہو اور صرف اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہو۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ عمل میں اخلاص پیدا کرنا اور پھر اس پر قائم رہنا ایک مشکل ترین کام ہے، اخلاص انسان کی اخروی کامیابی کے لئے کتنا اہم ہے، اندازہ کیجئے کہ بندے کی نیت اور اخلاص اللہ تعالیٰ کا مرکز نگاہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں نیتوں پر ہی فیصلے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ انسان کی شکل وصورت کو نہیں دیکھتا اور نہ مال و دولت کو دیکھتا ہے بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے جو کہ نیتوں کا مسکن اور مقام ومحل ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوْبِكُمْ وَأَعمَالِكُمْ" (صحيح مسلم: ٢٥٦٤)

" اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کی طرف اور تمھارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔" یعنی تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے جو دلوں میں ہوتی ہیں۔

تو کامیابی کا مدار اور انحصار نیتوں کی صحت و درستی اور خلوص پر ہوتا ہے، بظاہر کسی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعمال کیسے بھی ہوں اور کسی بھی حالت پر اسے موت آئے، قیامت کے دن اس کے ساتھ معاملہ اس کی نیت کے مطابق ہی ہوگا، جیسا کہ اس حوالے سے متعدد احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

" عَبَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مَنَامِهِ "

ایک بار آپ ﷺ نیند میں گھبراہٹ اور ڈراؤنی کیفیت میں دوچار نظر آئے۔

" فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَنَعْتَ شَیْئاً فِیْ مَنَامِكَ لَمْ تَكُنْ تَفْعَلُهُ "

تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ آج آپ ﷺ نے نیند میں کچھ ایسا کیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ کیا تھا؟

فَقَالَ: " اَلْعَجَبُ! اِنَّ نَاسًا مِنْ اُمَّتِیْ یَؤُمُّوْنَ بِالْبَیْتِ بِرَجُلٍ مِنْ قُرَیْشٍ قَدْ لَجَأَ بِالْبَیْتِ "

فرمایا: تعجب ہے! میری امت کے کچھ لوگ بیت اللہ پر حملہ آور ہوں گے، قریش کے ایک آدمی کو قتل کرنے کی نیت سے کہ جس نے وہاں پناہ لے رکھی ہوگی۔"

" حَتّٰی اِذَا کَانُوْا بِالْبَیْدَاءِ خُسِفَ بِهِمْ "

حتی کہ جب وہ بیداء کے مقام پر پہنچیں گے تو انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

" فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الطَّرِیْقَ قَدْ یَجْمَعُ النَّاسَ "

تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ راستے میں تو ہر طرح کے لوگ اکٹھے چل رہے ہوتے ہیں؟

" قَالَ: نَعَمْ! فِیْهِمُ الْمُسْتَبْصِرُ وَالْمَجْبُوْرُ وَابْنُ السَّبِیْلِ "

فرمایا: ہاں۔ راستے پر چلنے والے ایک خاص مقصد اور ارادے سے چلنے والے بھی ہوتے ہیں کچھ مجبوری کی حالت میں ان کے ساتھ ہوتے ہیں اور کچھ راہگیر بھی ہوتے ہیں۔"

" یَهْلِكُوْنَ مَهْلَكاً وَاحِداً وَیَصْدُرُوْنَ مَصَادِرَ شَتّٰی "

وہ سب ایک ہی ساتھ ہلاک ہوجائیں گے اور مختلف حالتوں میں ان کا انجام ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ " (صحيح مسلم: ٢٨٨٤)

" اللہ تعالیٰ انہیں ان کی نیتوں پر اٹھائے گا۔" یعنی ان کے ساتھ معاملہ ان کی نیتوں کے مطابق ہوگا۔

لہٰذا اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے نیتوں کا خالص اور درست ہونا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیتِ عمل کے لئے صحتِ نیت شرطِ لازم ہے مگر ساتھ یہ بھی جان لینا چاہیے کہ نیت کو درست کرنا اور پھر اس پر قائم رہنا نہایت ہی مشکل ہے اور سبب اس کا یہ ہے کہ جس طرح دل حسی طور پر ہر دم متقلب اور مضطرب رہتا ہے اسی طرح معنوی طور پر بھی یعنی عقائد ونظریات، افکار و خیالات اور احساسات میں بھی مضطرب و بے قرار رہتا ہے، یعنی افکار ونظریات اور خیالات و احساسات بڑی تیزی سے بدلتے رہتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

" لَقَلْبُ ابْنِ آدَمَ اَشَدُّ انْقِلاباً مِنَ الْقِدْرِ اِذَا اسْتَجْمَعَتْ غَلَيَانًا "

(مسند احمد:٢٣٨١٦)

ابن آدم کا دل ہنڈیا کے ابلنے سے بھی زیادہ متقلب ومضطرب رہتا ہے، اس کو ہرگز قرار نہیں ہے۔"

چنانچہ اسی لئے تو دعاء سکھلائی گئی ہے:

" يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ " (سنن ترمذی: ٢١٤٠)

اے دلوں کو الٹ پلٹ اور متقلب کرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت ومستحکم کردے۔"

حقیقت یہ ہے کہ دل کی اس فطری کیفیت کے سبب دین پر قائم اور کسی نیکی پر ثابت قدم رہنا اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم اور اس کی عنایت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اصلاح نیت ایک بہت حساس مسئلہ ہے، یہ تسلسل اور خصوصی توجہ کا متقاضی ہے،، ایک بار نیت درست کرکے چھوڑا نہیں جاسکتا، بلکہ مسلسل اس کی تجدید کی ضرورت رہتی ہے اس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصلاح کی ضرورت پڑتی ہے اور بار بار پڑتی ہے۔

اس ضرورت کو کبار علماء کرام، محدثین اور فقہائے عظام نے بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے، امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اس مسئلے کی حساسیت کے بارے میں یوں گویا ہوئے فرمایا:

" مَا عَالَجْتُ شَيْئاً اَشَدَّ عَلَيَّ مِنْ نِيَّتِيْ ، لِأَنَّهَا تَتَقَلَّبُ عَلَيَّ . "

(الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع ، رقم : ٦٩٢)

میں نے اپنی نیت سے زیادہ سخت کبھی کسی چیز کی اصلاح اور معالجہ نہیں کیا، کہ وہ مجھ پر پلٹ پلٹ جاتی ہے، یعنی جونہی درست کرتا ہوں، کچھ دیر بعد کوئی اور شکل اختیار کر لیتی ہے، پھر درست کرتا ہوں، پھر کسی اور طرف پلٹ جاتی ہے، اس لئے مسلسل اس کی اصلاح کرتے رہنا پڑتا ہے۔

اسی طرح ایک اور عالم فرماتے ہیں کہ:

" اِثْنَتَانِ اَنَا اُعَالِجُهُمَا مُنْذُ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً "

دو چیزیں ایسی ہیں کہ تیس سال سے میں ان کی اصلاح کر رہا ہوں۔"

" تَرْكُ الطَّمَعِ فِيْمَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ النَّاسِ "

لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے میں طمع اور لالچ سے بچ سکوں۔

" وَاِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ " (حلية الأولياء و طبقات الاصفياء ، ج: ٧، ص: ٢٧١)

اور عمل کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر سکوں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف چلتے ہوئے مسافر کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں ہوتی ہیں، کہیں نشیب و فراز ہوتے ہیں، راہ ناہموار ہوتی ہے کہیں کھڈے اور کھائیاں ہوتی ہیں، کہیں خونخوار درندے ہوتے ہیں، کہیں دشمن ہمدردی اور خیر خواہی کا بھیس بدلے سبز باغ دکھا رہا ہوتا ہے اور نسل انسانی کے سب سے بڑے دشمن کا سب سے بڑا حملہ انسان کی نیت پر ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ جو کچھ بھی کرنا چاہے اس سے تعرض نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے شاباش دی جاتی ہے کہ تم بہت اچھا کر رہے ہو، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا نتیجہ اس کی خراب نیت کی وجہ سے اس کے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف ہی نکلنے والا ہے۔

تو اصلاحِ نیت کا معاملہ گویا انسان کی زندگی کا خلاصہ ہے کہ اس پر اُس کی کامیابی کا انحصار ہے، چنانچہ اس کی اہمیت کو بعض علماء کرام نے یوں بیان کیا کہ:

" وَدِدْتُ اَنَّـهُ لَـوْكَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ مَنْ لَيْسَ لَهُ شُغْلٌ اِلَّا اَنْ يُعَلِّمَ الـنَّـاسَ مَقَاصِدَهُمْ فِيْ أَعْمَالِهِمْ ، وَيَقْعُدَ لِلْتَدْرِيْسِ فِيْ أَعْمَالِ النِّيَّاتِ)) (المدخل لابن الحاج ، ج: ١ ، ص: ٢)

" میری خواہش ہے کہ کاش کچھ فقہائے کرام ایسے ہوں کہ جن کا کام صرف اعمال کے مقاصد سکھلانا ہو، اور جو بیٹھ کر لوگوں کو نیتوں کی درستی کا سبق دیں۔"

کسی انسان کو نیکی کے کام سے روکنا شیطان کے لئے بہت مشکل کام ہے، کیونکہ جب وہ نیکی بہت جذبے، ولولے اور شوق سے کر رہا ہو اور شیطان اس کو آ کر کہے کہ چھوڑو اس فضول کام کو، تو اس کو بات آسانی سے سمجھ آ جاتی ہے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے، مگر اس کی نیت کو بدل دینا اس کے لئے بہت آسان کام ہوتا ہے، کیونکہ شیطان اُس کی فطری کمزوری کو بیچ میں لے آتا ہے، تعریف اور شہرت کی خواہش کے تار چھڑ دیتا ہے کہ جس کی پراثر اور ترنم سے بھرپور آواز اس کے کانوں میں رس گھول دیتی ہے اور وہ اس سے محظوظ اور لطف اندوز ہونے لگتا ہے۔

شیطان کی چالوں کو سمجھنا ایک عام آدمی کے لئے آسان کام نہیں ہے حتی کہ خواص کے لئے بھی اللہ کی توفیق کے بغیر اسے سمجھنا مشکل ہے، شیطان کیسی کیسی چالیں چلتا ہے، غور فرمایئے: کہتے ہیں کہ ابو الحسین النوری رحمہ اللہ ایک کشتی کے پاس سے گزرے، دیکھا کہ اس میں شراب کے مٹکے پڑے ہوئے ہیں، ملاح سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے اور کس کا مال ہے؟

اُس نے کہا کہ ان میں شراب ہے اور فلاں شخص کی ہے، ایک بڑے آدمی کا نام لیا، تو ابوالحسین نے آگے بڑھ کر اپنی لاٹھی سے ایک ایک کو توڑنا شروع کر دیا، جب ایک باقی رہ گیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو اس کو چھوڑ دیا۔

اتنے میں اُس بڑے آدمی (خلیفہ معتضد) کے ملازمین اور خدام پہنچ گئے اور انہوں نے پکڑ کر اُنہیں اپنے مالک کے سامنے پیش کر دیا تو اُس نے اُن سے پوچھا کہ:

" مَا الَّذِيْ حَمَلَكَ عَلَى مَافَعَلْتَ؟"

"یہ سب کچھ تم نے کیوں کیا ہے؟"

" قَالَ: شَفَقَةً عَلَيْكَ وَلِدَفْعِ الضَّرَرِ عَنْكَ "

کہا تم پر ترس کھاتے ہوئے اور تمہیں نقصان سے بچانے کے لئے۔

اور دعوتی نقطۂ نظر سے یہ بڑا حکیمانہ جواب تھا

" قَالَ: وَلِأَيِّ شَيْءٍ تَرَكْتَ مِنْهَا وَاحِداً"

کہا تو پھر اس میں سے ایک کو کیوں چھوڑ دیا؟

قَالَ : لِأَنِّي إِنَّمَا أَقْدَمْتُ عَلَيْهَا فَكَسَرْتُهَا إِجْلَالًا لِلّٰهِ تَعَالَى فَلَمْ أُبَالِ أَحَدًا .

کہا: اس لئے کہ میں انہیں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہوئے توڑ رہا تھا اس لئے مجھے کسی شخص کی پرواہ نہیں تھی۔

(فَلَمَّا إِنْتَهَيْتُ إِلَى هَذَا الْأَخِيرِ دَخَلَ فِيْ نَفْسِي إِعْجَابٌ مِنْ قَبِيْلِ أَنِّي أَقْدَمْتُ عَلَى مِثْلِكَ)

مگر جب میں اس آخری مٹکے پر پہنچا تو میرے دل میں خود پسندی، غرور اور اعجاب پیدا ہو گیا کہ میں نے اتنے بڑے آدمی کے خلاف یہ کام کر دکھایا ہے۔

(فَتَرَكْتُهُ) تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

((قَالَ: إِذْهَبْ قَدْ أَطْلَقْتُ يَدَكَ فَغَيِّرْ مَا أَحْبَبْتَ أَنْ تُغَيِّرَهُ مِنَ الْمُنْكَرِ)) (البداية والنهاية ،ج:١٤ ، ص:٧٠٤)

"کہا جاؤ آج سے میں نے تمہارے ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا ہے جس طرح چاہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برائی کو روکو۔‘‘

مطلقاً نیت کی اصلاح کے حوالے سے گفتگو تو ایک طویل موضوع ہے جو کہ ان شاء اللہ کسی دوسرے موقع پر عرض کریں گے، مگر آج کے خطبے میں خصوصی طور پر قربانی کے حوالے سے نیت کی اصلاح پر بات کرنا چاہیں گے۔

قربانی کا عمل جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کی عملی کوشش کی یاد تازہ کرتا ہے انہیں خراج تحسین پیش کرنے کا سبب اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنتا ہے اور جس کے ضمنی مقاصد میں سے ایک: لوگوں کے دلوں میں جذبہ ایمان بڑھانا، ایمانی حرارت میں اضافہ کرنا، جوش اور ولولہ پیدا کرنا، معاشرے کے افراد میں ایک دوسرے کے لئے ایثار و قربانی کے جذبات پیدا کرنا اور اخروی کامیابی کے لئے اپنی نماز، اپنی قربانی، اپنی دیگر تمام تر عبادات، اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت، حتی کہ اپنا جینا اور مرنا اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر دینے کے جذبے اور عقیدے اور نظریئے کو مضبوط کرنا ہے۔

آج ہمارا وہ عمل اپنے مقاصد پورے کرتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لئے کہ ظاہری طور پر ہم اپنے معاشرے میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ ایک مصنوعی سی چیز نظر آتی ہے، اس میں قربانی کی روح ناپید ہے، اس میں خود نمائی، شہرت اور نمود و نمائش نظر آتی ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قربانی کے عمل کی تضحیک نظر آتی ہے۔

جب قربانی کے جانور کے ساتھ سیلفیاں بنائی جائیں، جب ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑے ڈال کر قربانی کے جانوروں کی نمائش کی جائے جب قربانی کے جانوروں کے نام اداکاروں اور اداکاراؤں کے نام پر رکھے جائیں تو اسے سنتِ ابراہیمی کہتے ہوئے کیا قربانی کی تضحیک نہیں ہوگی!

اور قربانی کی تضحیک کا ایک دوسرا پہلا ملاحظہ کیجئے کہ قربانی کی حکمت اور اس کے اغراض و مقاصد بیان کرنے اور ان کی تشریح کرنے کے لئے میڈیا پر زیادہ تر فلم انڈسٹری سے تعلق رکھنے والے، صحافت سے تعلق رکھنے والے اور نام نہاد دانشوروں کو بلایا جاتا ہے اور اپنے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پروگراموں کو پرکشش بنانے کے لئے نام رکھا جاتا ہے فلسفۂ قربانی اور وہ لفاظی کے زور پر قربانی کا خودساختہ فلسفہ بیان کررہے ہوتے ہیں۔

شرعی اصطلاحی الفاظ میں ایک چاشنی ہے، ایک تعلق خاطر محسوس ہوتا ہے، دین کی طرف رغبت، شوق اور محبت پیدا ہوتی ہے جبکہ فلسفیانہ الفاظ میں صرف واہ واہ ہوتی ہے اور کھوکھلا پن نظر آتا ہے اور پھر اس فلسفے کا اثر اُن کے عید کے دیگر پروگراموں میں ناچ گانے کی صورت میں بہت واضح نظر آرہا ہوتا ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ:

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا ، تلقین غزالی نہ رہی

آج ہمیں اصلاحِ نیت کے لئے قربانی کی حکمتیں، اجروثواب، فضائل و محاسن اور اغراض و مقاصد جاننے کی ضرورت ہے تاکہ ہم میں مطلوبہ اوصاف ومحاسن اور صفات و مکارم پیدا ہوں۔اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نیکی کی حفاظت کیسے کریں؟

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۶۲﴾

(الانعام: ۱۶۲)

گذشتہ جمعے قربانی کی اہمیت، فضیلت، آداب، فوائد وثمرات، حکمتوں، اغرض و مقاصد اور بالخصوص معاشرے پر اُس کے نتائج واثرات کا ذکر ہورہا تھا۔

مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ معاشرے پر قربانی کے مطلوبہ مثبت اثرات مرتب نہ ہونے کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ اس میں سب سے بنیادی شرط اور عنصر ناپید ہے، اور جب کسی عمارت کی بنیاد ہی درست نہ ہو تو اس کا درست ہونا محال ہوتا ہے۔

جیسا کہ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

خشت اول چوں نہد معمار کج
تاثریا می رود دیوار کج

پہلی اینٹ جب معمار ٹیڑھی لگادے تو اگر دیوار ثریا تک بھی چلی جائے تو ٹیڑھی ہی رہے گی۔

تو گویا یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ بنیاد اگر ٹیڑھی ہو تو دیوار بھی ٹیڑھی ہی ہوگی اور یہاں دیوار یا عمارت سے مراد عمل ہے اور عمل کی بنیاد نیت ہے۔

تو معنی یہ ہوا کہ نیت اگر خراب ہوئی تو عمل بھی خراب ہوا اور جب عمل خراب ہو تو یقیناً اس کے مطلوبہ مثبت اثرات افراد اور معاشرے پر ظاہر نہیں ہو سکتے۔

صحتِ نیت کے بغیر اس دنیا میں آدمی کی ذات پر اور معاشرے پر کوئی مثبت اثر ظاہر ہوتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور نہ آخرت میں، جیسا کہ حدیث میں حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

"جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: اَرَأَيْتَ رَجُلًا غَزَا يَلْتَمِسُ الْاَجْرَ وَالذِّكْرَ مَالَهُ؟"

ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ایسے شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ جس نے ثواب اور شہرت کی نیت سے جہاد کیا؟

"فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، لَا شَيْءَ لَهُ"

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے لئے کچھ نہیں۔

"فَاَعَادَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يَقُوْلُ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاشَيْءَ لَهُ"

اس شخص نے تین بار یہ بات دہرائی، اور آپ ﷺ نے تینوں بار یہی جواب دیا کہ اس کے لئے کچھ نہیں ہے۔ یعنی کوئی اجر وثواب نہیں ہے۔

"ثُمَّ قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّامَا كَانَ لَهُ خَالِصاً وَابْتُغِيَ بِهٖ وَجْهُهُ" (سنن نسائی: ٣١٤٠)

"پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول کرتا ہے جو خالص اس کے لئے ہو اور صرف اسی کی خاطر کیا گیا ہو۔"

اس حدیث کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ جس کی نیت میں کچھ خرابی اور ملاوٹ ہو اس کا وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوتا، اللہ وہ عمل قبول کرتا ہے جو خالص اس کے لئے کیا گیا ہو۔

قبولیت اعمال کا معاملہ انتہائی سنجیدہ ہے چنانچہ ہر مسلمان کو لازماً اس کے بارے میں فکر مند ہونا چاہیے، کیونکہ نیک اعمال کی توفیق اگرچہ ایک بہت بڑا اور مشکل کام ہے، مگر اُس سے مشکل کام اُس عمل کو صالح بنانا ہے، کیونکہ صرف عملِ صالح ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول ہے، اور اسی کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَحَدًا﴾ (الکھف ۱۱۰)

''پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو، اسے چاہیے کہ عملِ صالح کرے اور عبادت میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔''

تو عمل کے صالح ہونے کی فکر ہونی چاہیے اور جب تک کسی عمل میں یہ دو شرطیں نہ پائی جائیں وہ عمل صالح نہیں ہوتا، اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ خالص اللہ کے لئے ہو اور دوسری یہ ہے کہ وہ سنت کے مطابق ہو اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو عمل صالح نہیں رہتا۔

اور اگر اس کی فکر نہ کی گئی تو خطرہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے تئیں یہ سمجھتے رہیں کہ ہم نیک عمل کر رہے ہیں اور اُس دن پتہ چلے کہ وہ تو سب ذرات بنا کر ہوا میں اڑا دیئے گئے ہیں کیونکہ وہ عمل صالح نہ تھے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ (الفرقان ۲۳)

''اور جو جو اعمال انہوں نے کئے تھے ہم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا۔''

اسی طرح حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَأَعْلَمَنَّ أَقْوَامًا مِنْ أُمَّتِي يَأْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحَسَنَاتٍ أَمْثَالِ جِبَالِ تِهَامَةَ بَيْضًا فَيَجْعَلُهَا اللّٰهُ هَبَاءً مَنْثُوْرًا))

(سنن ابن ماجه: ٤٢٤٥)

''میں یقیناً اپنی امت کے کچھ لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے دن تہامہ کے سفید پہاڑوں جیسے بڑے بڑے اعمال لے کر آئیں گے مگر اللہ تعالیٰ انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دے گا۔''

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی خبردار کر دیا ہے، کہ ابھی سے غور و فکر کر لو، فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ (الكهف : ١٠٣-١٠٤)

"اے پیغمبر (علیہ السلام) ان سے کہیے کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون ہیں، وہ لوگ کہ دنیا کی زندگی میں جن کی ساری سعی و جہد راہ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔"

تو اپنے اعمال کی جانچ پرکھ کرنا ضروری ہے کہ کیا وہ شرعی تعریف کے مطابق نیک اعمال ہیں یا محض ہمیں لگتا ہے کہ وہ نیک اعمال ہیں اور جب یہ ثابت ہوجائے کہ وہ واقعی صالح اعمال ہیں تو پھر ان کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ بہت سے ایسے اسباب ہیں کہ جن کی وجہ سے کیے ہوئے نیک عمل ضائع ہوجاتے ہیں۔

جیسا کہ شرک ہے، ارتداد ہے، یعنی مرتد ہونا، دین کا یا اہل دین کا مذاق اڑانا، دین کی کسی بات اور حکم کو ناپسند کرنا، شرک اصغر کا مرتکب ہونا، کتا پالنا، جیسا کہ حدیث میں ہے بخاری مسلم کی حدیث ہے کہ:

((مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا ، إِلَّا كَلْبَ زَرْعٍ أَوْ غَنَمٍ أَوْ صَيْدٍ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ)) (صحيح مسلم : ١٥٧٤)

جو شخص کتا رکھتا ہے، سوائے کھیتوں کی حفاظت کے لئے، بکریوں کی رکھوالی کے لئے یا شکار کے لئے تو اس کے اجر و ثواب سے روزانہ ایک قیراط اجر کم کردیا جاتا ہے اور اگر کسی کے پاس دو کتے ہوں تو ظاہر ہے دو قیراط روزانہ اس کے نیک اعمال میں سے کم ہوجاتا ہے اگر وہ کوئی نیک اعمال کرتا ہو تو، اسی طرح دیگر کئی اعمال ہیں جو نیکیاں ضائع کردینے کا سبب بنتے ہیں اس لئے ہمیں یقیناً اس کی فکر کرنی چاہیے۔

نیک اعمال ضائع کردینے والے دیگر متعدد اسباب میں سے ایک وہی ہے جس کا آغاز میں ذکر ہوا کہ نیک عمل کرتے وقت نیت میں کچھ ملاوٹ ہوجائے تو اس سے عمل ضائع ہوجاتا ہے، جیسا کہ جب آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(لَا شَيْءَ لَهُ) اُس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ معاملہ نہایت ہی حساس، پریشان کن، باعث فکر مندی اور سنگین ہے، اس کی سنگینی کا سرسری طور پر تو شاید اکثر لوگوں کو اندازہ نہ ہو، مگر غور وفکر کے بعد حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

کسی نیک عمل میں سو فیصد نیت درست ہونا نہایت ہی مشکل کام ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اکثر وبیشتر کام کا آغاز نیک نیتی سے ہی ہوتا ہے، مگر اختتام تک کیا وہ نیت سلامت رہتی ہے یا اس میں بدنیتی کی دخل اندازی ہوجاتی ہے، کسی بھی نیک عمل کا یہ سب سے خطرناک حصہ ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں کہ جس کا ذکر ہورہا ہے اور اس طرح کی دیگر احادیث اور قرآن پاک کی آیات سے تو انجام نہایت ہی خوفناک نظر آتا ہے، کیونکہ کام کے آغاز سے اختتام تک نیت درست رکھنا ایک چیلنج ہے، اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں، ہمارے جیسے لوگ کسی چھوٹے سے کام میں کہ جو چند منٹس میں ادا ہوجائے ممکن ہے نیت درست رکھنے میں کامیاب ہوجائیں مگر پھر دوسرا مرحلہ اس کی حفاظت کا آجاتا ہے اور اس نیکی کی حفاظت مرتے دم تک کرنا پڑتی ہے، بالکل ایسے ہی جیسے شاعر نے کہا ہے کہ:

کوک فریدا کوک توں راکھا جیویں جوار
جد تک ٹانڈا نہ پکے توں کردا رہ پکار

یعنی ایک تو نیکی بعض صورتوں میں ابتدا سے ہی نا قابل قبول ہوتی ہے، کیونکہ یا تو اس کی نیت درست نہیں ہوتی یا سنت کی مطابقت نہیں ہوتی، یا اس نیکی کے دوران میں ملاوٹ ہوجاتی ہے، یا نیت تبدیل ہوجاتی ہے، یا نیکی مکمل ہوجانے کے بعد احسان جتلانے یا کسی دوسرے سبب سے ضائع ہوجاتی ہے۔

لہٰذا تینوں صورتوں میں نیکی کی حفاظت ضروری ہے، کہ پہلے تو عمل کو ابتداءً صالح بنانے کی کوشش کرنا، اور پھر اس صالح عمل کو ملاوٹ سے بچانے کی کوشش کرنا اور پھر مکمل ہونے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعد اس پر اترانے، احسان جتلانے یا دیگر نیکی کو ضائع کر دینے والے اسباب سے بچانے اور اس کی حفاظت کی کوشش کرتے رہنا ضروری ہے۔

تو بہت سی آیات واحادیث کی روشنی میں یہ نہایت ہی تشویش وفکر مندی کی بات ہے، البتہ میں یہاں آج کی گفتگو میں ایک دوسرا پہلو بھی سامنے رکھنا چاہوں گا کہ جس سے ایک امید کی کرن پھوٹتی ہے اور قدرے حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور نیکی کا جذبہ برقرار رہتا ہے، اور وہ یہ کہ علماء کرام نے قرآن وحدیث کے دیگر دلائل کی روشنی میں اس کی ایک تفصیل بیان کی ہے، جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ:

اگر کوئی شخص کوئی عمل خالصتاً کسی دنیوی مقصد کے لئے کرتا ہے، جیسے: ریا کاری کے طور پر، شہرت کے لئے، تعریف کی غرض سے، کسی مالی منفعت کی خاطر، یا کسی کی خوشنودی کے لئے، تو اُس کے پورے کے پورے عمل کے باطل اور ضائع ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے۔

اور جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے کہ جو ملاوٹ والا عمل ہو، جس میں اجر و ثواب کی نیت بھی ہو اور اس میں کوئی دنیوی مقصد بھی شامل ہو تو اس کی چند ایک صورتیں ہیں:

جن میں سے ایک یہ ہے کہ جس عمل میں دو نیتیں برابر برابر ہوں، تو وہ پورے کا پورا عمل ضائع ہو جائے گا اور اس میں سے اسے کچھ نہیں ملے گا جیسا کہ اس حدیث کا ایک مفہوم یہ بھی ہے، جو ابھی ہم نے سنی کہ جس میں آپ ﷺ سے جب دریافت کیا گیا کہ جو شخص ثواب کی نیت سے اور شہرت کی نیت سے جہاد کرتا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: " لَا شَيْءَ لَهُ " اُس کے لئے کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح ملاوٹ والے عمل کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے لئے کی گئی نیت کا حصہ، دنیا کے لئے کی گئی نیت سے زیادہ ہو، تو اُس میں جس مقدار سے اچھی نیت کا حصہ زیادہ ہو گا صرف اسی قدر اس کو اجر ملے گا باقی ضائع ہو جائے گا۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ دنیا کے لئے کی گئی نیت کا حصہ، اللہ کے لئے کی گئی نیت سے زیادہ ہو، تو بس اس صورت میں اُسے کوئی اجر نہیں ملے گا، بلکہ مزید یہ کہ وہ اُس پر سزا کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مستحق بھی ہوگا۔

فاسد نیت سے نیکی کا ضائع ہونا یا اجر وثواب میں کمی آنا تو ایک بہت بڑی حقیقت ہے جو قرآن وحدیث کے متعدد دلائل سے ثابت ہے، اس کو مزید آسان الفاظ میں سمجھنے کے لئے اس بات کو سامنے رکھیئے کہ اگر نماز میں محض غفلت اور بے توجہی کی وجہ سے ثواب میں کمی ہوسکتی ہے تو فاسد نیت سے کیونکر نہیں ہوگی۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ الْعَبْدَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ ، مَايُكْتَبُ لَهُ فِيْهَا اِلَّا عُشْرُ هَا ، تُسْعُهَا ، ثُمُنُهَا ، سُبُعُهَا ، سُدُسُها ، خُمُسُها ، رُبُعُها ، ثُلُثُهَا ، نِصْفُهَا" (مسند احمد: ١٨٨٩٤)

فرمایا: ''بندہ نماز پڑھتا ہے، مگر اس کا اجر اسے دسواں حصہ ملتا ہے، نواں ملتا ہے، آٹھواں ملتا ہے، ساتواں ملتا ہے، چھٹا ملتا ہے، پانچواں ملتا ہے، چوتھا ملتا ہے، تیسرا ملتا ہے اور آدھا ملتا ہے۔''

یعنی اگر نماز کے ثواب کے دس حصے کئے جائیں، تو نماز میں غفلت، بے توجہی، غیر حاضری اور عدم خشوع کی وجہ سے ثواب میں کمی آتی ہے اور ایسی کمی آتی ہے کہ کسی کو سب سے کم یعنی دسواں حصہ ملتا ہے اور کسی کو سب سے زیادہ آدھا حصہ ملتا ہے۔

ہم میں سے کتنے ہیں جنہیں دس میں سے دس نمبر ملتے ہوں گے یعنی سو فیصد ملتے ہوں گے، شاید کوئی نہ ہو اور ویسے بھی کوئی اس کا دعوی تو کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ اس کا اللہ کے سوا کسی کو علم ہے ہی نہیں۔

اور دوسری بات یہ کہ مجموعی طور پر آج امت مسلمہ کی جو حالت ہے وہ بقول شاعر کچھ یوں ہے کہ:

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی، تو زمین سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم نے دل میں بت پال رکھے ہیں: دولت کے، قوت و طاقت کے، علم و آگہی کے، فہم و فراست کے، عہدہ و منصب کے، وطن کے اور برادری کے، وہ ہماری توجہ نماز میں کہاں قائم رہنے دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو نماز میں اِدھر اُدھر جھانکتے ہیں، کہ اس سے بھی ثواب میں کمی آتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

" سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِی الصَّلَاةِ "

میں نے آپ ﷺ سے نماز میں اِدھر اُدھر جھانکنے کے بارے میں پوچھا۔

" فَقَالَ: هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ "

تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ شیطان کا اچکنا ہے جو وہ بندے کی نماز سے لے بھاگتا ہے۔" (صحیح البخاری: ۷۵۱)

اسی طرح بے توجہی والی دعاء بھی اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتی، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ"

(سنن ترمذی: ۳۴۷۹)

اور جون لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے توجہ دل سے نکلی ہوئی دعا قبول نہیں کرتا۔"

تو یہ، قربانی کے افراد اور معاشرے پر مثبت اثرات مرتب نہ ہونے کی اک بنیادی وجہ ہے کہ ہم قربانی شاید اُس جذبے سے نہیں کر پاتے جو مطلوب ہے اور شاید ہم میں خلوص و تقوی کا بھی فقدان ہے، کیونکہ قربانی کی قبولیت مشروط ہے خلوص وتقوی سے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾ (المائدہ: ۲۷)

اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اعمال خالص اپنی رضا اور خوشنودی کے لیے اور سنت کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پریشانیوں کا ایک اہم سبب احساس محرومی

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖؗ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾﴾

(الانعام : ١٦٥)

اس دنیا کی زندگی میں انسان کی پریشانیوں کا ایک بہت بڑا سبب اُس کا احساس محرومی ہے، یعنی جب انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ دنیا کی بہت سی نعمتوں سے یا بڑی بڑی نعمتوں سے محروم ہے تو وہ پریشان ہوجاتا ہے اور اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات اور وسوسے اٹھنے لگتے ہیں اور وہ دل ہی دل میں کہتا ہے کہ آخر میں ہی کیوں؟ میں اتنا بدقسمت، بدنصیب اورمحروم کیوں ہوں؟

اور پھر جب وہ اپنے سے کسی کم تر کو، جو اس کی نظروں میں کم تر ہوتا ہے، علم میں، عقل اور سمجھداری میں، صحت میں، حسب ونسب میں، یا کسی اور شعبے میں کم تر ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اسے خوب مال و دولت سے نواز رکھا ہوتا ہے، نعمت اولاد عطا کر رکھی ہوتی ہے، کاروبار دن بدن پھل پھول رہا ہوتا ہے، کوٹھیوں اور گاڑیوں سے لطف اندوز ہورہا ہوتا ہے آگے پیچھے نوکر چاکر اور ملازم اور غلام ہوتے ہیں۔ تو یہ سب کچھ دیکھ کر وہ مزید کرب میں مبتلا ہوجاتا ہے اس کا اضطراب بڑھ جاتا ہے، بے چینی میں اضافہ ہوجاتا ہے اور رنج والم اور پریشانی آسمان کو چھونے لگتی ہے۔ تب وہ اس محرومی کا ازالہ کرنے کی ٹھان لیتا ہے اور ہر جائز اور ناجائز طریقے سے وہ نعمتیں حاصل کرنے کے لئے کمر بستہ ہوجاتا ہے اور ہمہ تن اس میں مشغول ہوجاتا ہے، اپنی تمام صلاحیتیں اس کے لئے وقف کردیتا ہے اور دن رات ایک کردیتا ہے۔

آج کی گفتگو میں ان شاء اللہ یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ایسا کیوں ہے اور اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علاج کیا ہے!

جہاں تک محرومیت کی حقیقت کا تعلق ہے تو یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی چیز سے ضرور محروم ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نظام کا حصہ ہے، اس کے پیچھے بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں اور سب سے بڑی بات کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا ہے، وہ جو چاہے کرے اُس سے کوئی پوچھنے کا حق نہیں رکھتا

﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝۲۳﴾ (الانبیاء : ۲۳)

”وہ اپنے کاموں کے لئے کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہے اور سب جوابدہ ہیں۔“

تو اللہ تعالیٰ نے کائنات کا یہ نظام بنا رکھا ہے تمام مخلوقات کے درمیان درجات ومراتب اور فرق و تفاوت رکھ رکھا ہے اور پھر ہر مخلوق کے اندر بھی درجہ بندی کر رکھی ہے اور ایک کو دوسرے پر برتری اور فضیلت دے رکھی ہے۔

مثلاً: انسانوں کے مابین ہر پہلو سے درجہ بندی ہے ایک کو دوسرے سے مختلف بنایا ہے، شکل وصورت کے لحاظ سے، علم وآگہی کے لحاظ سے، عقل ودانش کے لحاظ سے اور دیگر نعمتوں کی تقسیم کے لحاظ سے۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور ان گنت نعمتوں میں سے یہ جو چند مشہور اور نمایاں نعمتیں ہیں: مال ودولت اور اولاد واحفاد وغیرہ، ان کا اگر جائزہ لیں تو یہ نعمتیں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت سب کو یکساں عطا نہیں کیں، بلکہ واضح طور پر فرمایا کہ ہم نے ان نعمتوں کی تقسیم میں فرق رکھا ہے۔

جیسا کہ اولاد کے بارے میں فرمایا:

﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝۴۹ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ﴾ (الشوری : ۵۰-۴۹)

”جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ سب

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کچھ جانتا اور ہر چیز پر قادر ہے۔''

اسی طرح مال و دولت کی تقسیم کے بارے میں فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ (النحل : ۷۱)

''اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کر رکھی ہے۔''

اسی طرح دیگر تمام نعمتوں کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ نے بندوں میں فرق و تفاوت رکھا ہے اور بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے۔

ایسے ہی دیگر تمام مخلوقات کو ایک دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے، وہ لیل و نہار ہوں، ایام و شہور ہوں، سنین و قرون ہوں، جن و انس اور ملائکہ ہوں، مقامات ہوں، عبادات ہوں، ہر ایک میں درجہ بندی ہے، فرق و تفاوُت ہے اور فضیلت و برتری میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

تو اس لحاظ سے تو محرومی ایک حقیقت ہے کہ جس کا ہر انسان کو کسی نہ کسی صورت میں سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس نظام کا حصہ ہے کہ جس پر پوری کائنات کو بشمول انسان چلایا جا رہا ہے جس کی بہت سی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو نعمتیں عطا کر کے آزماتا ہے وہاں کچھ لوگوں کو ان سے محروم کر کے آزماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں بندوں کو آزمانے اور ان کا امتحان لینے کا نظام بہت ہی اعلیٰ و ارفع اور بہت ہی پیچیدہ ہے، بہت ہی لطیف اور دقیق ہے اور عین عدل پر مبنی ہے، بلکہ اس سے بھی آگے اس کی مغفرت اور بخشش اور رحمت بھی اس میں شامل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس نظام کو اجمالی صورت میں تو سمجھ سکتے ہیں مگر اُس کی تہہ میں جا کر کسی آزمائش کی حکمت پر کوئی حتمی بات کہنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں، اِلا یہ کہ انبیاء علیہم السلام اللہ کے حکم سے کسی بات کی حکمت بیان کر دیں۔

تو اللہ تعالیٰ کے نظامِ ابتلاء و امتحان کو اس کی تمام جزئیات کے ساتھ سمجھنا اور اس کی تمام باریکیوں کا احاطہ کرنا ناممکن ہے، البتہ قرآن و حدیث میں بیان کردہ اس کے اصولوں کی روشنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ایک اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے۔ اور ان اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ لوگوں کو خیر اور شر، دونوں کے ذریعے آزماتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴾ (الانبیاء : ۳۵)

" اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں، آخر کار تمہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔"

اور یہ کہ ہر انسان کی آزمائش لازمی اور ضروری ہے بالخصوص اہل ایمان کی، جیسا کہ فرمایا:

﴿ أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ﴾

(العنکبوت : ۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا۔"

اور ایک اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو پسند کرتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ "

بڑا اجر، بڑی آزمائش کے ساتھ ہوتا ہے۔

" وَإِنَّ اللهَ إِذَا أَحَبَّ قَوماً ابْتَلَاهُمْ "

اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند کرتا ہے تو وہ انہیں آزماتا ہے

" فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا ، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ "

(سنن ترمذی: ۲۳۹۶)

پس جو اس پر راضی رہا، اس پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھی تو اسے اللہ کی رضا حاصل ہوگی اور جس نے ناراضی کا اظہار کیا، اسے ناراضی ہی ملے گی۔"

اسی طرح ایک اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کی زیادہ سخت آزمائش کرتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

" سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلاءً "

آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے سخت آزمائشیں کن لوگوں پر آتی ہیں؟

فرمایا:

" اَلْاَنْبِیَاءُ ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ "

''انبیاء علیہم السلام پر، پھران جیسے اور پھر اُن جیسے لوگوں پر۔''

یعنی جیسے جیسے کوئی اطاعت وفرمانبرداری میں انبیاء علیہم السلام کے قریب ہوجائے گا، زیادہ سے زیادہ ان کے نقش قدم پر چلے گا، اس کی آزمائشیں سخت ہوتی چلی جائیں گی، جیسے جیسے آدمی بلندیوں کو چڑھتا ہے اس کی مشقت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، میٹرک کے امتحان میں بیٹھنے والے سے پرائمری کے سوالات نہیں کئے جاتے اور بی اے کا امتحان دینے والے سے میٹرک کے سوالات نہیں ہوتے۔

فرمایا:

" یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلَی حَسَبِ دِیْنِهٖ "

آدمی کو اُس کے دین کے حساب سے آزمایا جاتا ہے۔'' (سنن ترمذی: ۲۳۹۸)

" فَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِهٖ صَلَابَةٌ زِیْدَ فِیْ بَلَائِهٖ "

آدمی دین میں اگر سخت، ٹھوس اور مضبوط ہوگا تو اس کی آزمائش میں اضافہ کردیا جائے گا۔

" وَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِهٖ رِقَّةٌ خُفِّفَ عَنْهُ "

اور اگر اس کے دین میں پتلا پن ہوگا تو اس کی آزمائش ہلکی کردی جاتی ہے۔

"وَلَا یَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰی یَمْشِیَ عَلَی الْاَرْضِ لَیْسَ عَلَیْهِ خَطِیْئَةٌ " (سنن دارمی: ۲۸۲۵)

''اور آزمائش بندے پر مسلسل جاری رہتی ہے حتی کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ زمین پر اس حال میں چل رہا ہوتا ہے کہ اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو اسی طرح ابتلاء، آزمائش اور امتحان کے متعدد اصول، حکمتیں اور فوائد ہیں اور اس کے فوائد میں سے چند فائدے یہ ہیں کہ: وہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں، اپنی غلطیوں، خطاؤں اور گناہوں کے اقرار واعتراف کا شعور پیدا کرتی ہیں توبہ واستغفار کی توفیق ملتی ہے اور عاجزی اور انکساری پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی طرح اور بہت سے فوائد ہیں۔

تو بات ہو رہی تھی محرومی کی، ان معنوں میں محرومی تو ایک حقیقت ہے، اس سے کسی کو مفر نہیں ہے، کسی کو استثناء نہیں ہے، رہی یہ بات کہ یہ احساسِ محرومی کیوں پیدا ہوتا ہے، تو اس کی ایک بنیادی وجہ ہے ایمان کی کمزوری، دین سے لاعلمی اور کامیابی اور ناکامی کا خودساختہ معیار اور آزمائش میں ناکامی۔

آزمائش اور امتحان کے موضوع کی تو ایک تفصیل ہے جو یقیناً اس مختصر سے وقت میں بیان نہیں ہوسکتی، اس لئے ہم احساس محرومی کے دوسرے پہلو پر گفتگو کرتے ہیں۔

ابھی تک تو ہم نے جس احساس محرومی کا ذکر کیا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائش پر ناراضی کا اظہار، تقدیر پر اعتراض اور اللہ کی تقسیم پر شکوہ ہے۔

مگر اب ہم ایک ایسے احساس محرومی کا ذکر کرنے جا رہے ہیں جو حقیقی محرومیت کا احساس وشعور ہے، جو ایمان کی علامت ہے اور مسلمان سے مطلوب ہے، اور وہ احساس محرومی نعمت ایمان سے محروم ہو جانے کا ڈر اور خوف اور اس کی لذت سے محروم ہونے کا احساس ہے۔ وہ احساس محرومی تلاوت قرآن اور تدبر قرآن کی لذت سے محروم ہونے کا احساس ہے، وہ احساس محرومی اللہ کے ڈر سے بہنے والے آنسوؤں اور ان کی لذت سے محروم ہونے کا احساس ہے۔

کیا آج ہماری آنکھیں اللہ کے ڈر سے بہنے والے آنسوؤں سے محروم نہیں ہیں؟ کیا ہماری آنکھیں قحط سالی کا شکار نہیں ہیں؟ کیا ہمیں یاد ہے کہ آخری بار ہماری آنکھوں سے اللہ کے ڈر سے کب آنسو بہے تھے:

اور تعجب یہ ہے کہ ہمیں اس بات پر تعجب نہیں ہوتا کہ ہماری آنکھیں اللہ کے ڈر سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہنے والے آنسوؤں سے خشک ہوچکی ہیں اور ہمیں اس کی اور محرومی کا احساس تک نہیں ہے، جب کہ حقیقت میں یہ بات نہایت ہی باعثِ تعجب ہے جیسا کہ امام محمد بن واسع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِذَا رَأَيْتَ رَجُلًا فِي الْجَنَّةِ وَيَبْكِي ، أَلَسْتَ تَعْجَبُ مِنْ بُكَائِهِ"

اگر آپ جنت میں کسی آدمی کو روتا ہوا دیکھیں، تو کیا اس کے رونے پر تعجب نہیں کریں گے؟

"قَالَ: بَلٰی"

کہا: ہاں کیوں نہیں۔

"قَالَ: فَالَّذِيْ يَضْحَكُ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَدْرِي إِلَى مَاذَا يَصِيْرُ هُوَ أَعْجَبُ مِنْهُ ." (احیاء علوم الدین / الآفة العاشرہ ، المزاح : ۳/ ۱۳۳)

تو فرمایا: تو دنیا میں جو شخص ہنستا ہے اور اسے معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے وہ اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات ہے۔

اللہ کے ڈر سے نکلنے والے آنسو بندۂ مؤمن کی معراج ہے، یہ اس کی ضرورت ہے اور ایمان کی علامت ہے۔ اللہ پر ایمان کے تین مقام اور ستون ہیں: اللہ کی محبت، اللہ کا ڈر اور اللہ سے امید۔ جو اللہ سے محبت کرتا ہے وہ اس کے شوق اور محبت سے محروم ہوجانے کے ڈر سے روتا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا ہے، وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے روتا ہے، اور جو اللہ سے امید کرتا ہے وہ اس کی رحمت کی امید کرتے ہوئے آنسو بہاتا ہے۔

تو آنسوؤں سے تو کسی صورت کوئی مسلمان بے نیاز نہیں ہوسکتا اور قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے بہنے والے آنسوؤں کی فضیلت اور قدر و قیمت اور ان کی ترغیب جا بجا بیان ہوئی اور اہل ایمان کی صفات کے طور پر ان کا ذکر ہوا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ۩ ﴾ (مریم ۵۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”جب اللہ کی آیات ان کو سنائی جاتی ہیں تو وہ روتے روتے سجدے میں گر جاتے ہیں۔“

اور حدیث میں ان آنسوؤں کی فضیلت اور قدر و قیمت یوں بیان ہوئی ہے کہ:

”عَیْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ“

دو آنکھیں ایسی ہیں جنھیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔

”عَیْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ“

ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے رو پڑی۔

”وَعَیْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ“ (ترمذي : ١٦٣٩)

اور ایک وہ آنکھ جس نے رات اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے گزاری۔

اور ایسے ہی ایک حدیث میں ہے کہ:

”لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكٰى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ“ (ترمذي : ٢٣١١)

جو شخص اللہ تعالیٰ کے ڈر سے رو پڑا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا، حتی کہ دودھ تھن میں واپس لوٹ جائے۔

آنسوؤں کی فضیلت، آنسوؤں کی قدر و قیمت، آنسوؤں کی ترغیب اور قیامت کے ہولناک مناظر سننے اور جاننے کے باوجود بھی آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہوں تو اسے کیا کہیں گے!

کیا یہ محرومی نہیں! اور اس سے بڑھ کر محرومی کیا ہوگی کہ آدمی کو یہ معلوم ہو کہ قیامت کے دن جونہی قبروں سے اٹھیں گے تو دو فرشتے آ کر انھیں اپنے چارج میں لے لیں گے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿٢١﴾﴾ (ق : ٢١)

اور ہر شخص اس حال میں آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانک کر لانے والا اور ایک گواہی دینے والا ہوگا۔ اور یوں اللہ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تو کیا ہمیں اپنے اعمال پر اتنا ناز اور گھمنڈ ہے، اور ایسا اطمینان ہے کہ وہ سو فیصد درست ہیں جس کی بناء پر ہم امید لگائے بیٹھے ہیں کہ بس سیدھے جنت میں چلے جائیں گے اور کیا کبھی یہ سوچ کر رونگٹے کھڑے نہیں ہوئے اور جسم پر کپکپی طاری نہیں ہوئی کہ آج ہم جن اعمال پر مطمئن ہوئے بیٹھے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو جب ان کی نقاب کشائی ہو تو معاملہ اس سے مختلف ہو جس کی ہم اُمید لگائے بیٹھے ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کے سامنے وہ کچھ ظاہر کر دیا جائے گا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ (الزمر : ٤٧)

”وہاں اللہ کی طرف سے ان کے سامنے وہ کچھ آئے گا جس کا انہوں نے کبھی اندازہ ہی نہیں کیا ہے۔“ یعنی گویا کہ وہ اپنے تئیں یہ سمجھتے رہے کہ ﴿اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ (الکھف: ١٠٤) کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔

اور جیسا کہ قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ، آیت: ﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ (الزمر : ٤٧) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

((عَمِلُوا أَعْمَالًا وَحَسِبُوا أَنَّهَا حَسَنَاتٌ فَإِذَا هِيَ سَيِّئَاتٌ))

(مجموع رسائل ابن رجب ، ج:٤ ، ص:٤٣٧)

”انہوں نے وہ اعمال کیے جنہیں وہ نیکیاں سمجھتے رہے جبکہ وہ گناہ ظاہر ہوئے۔“

چنانچہ سلف صالحین رحمہم اللہ اس بارے میں بہت فکر مند ہوتے جیسا کہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:

((لَمَّا حَضَرَتِ ابْنَ الْمُنْكَدِرِ الْوَفَاةُ جَزِعَ ، فَدَعَوْا لَهُ أَبَا حَازِمٍ التَّابِعِيَّ ، فَجَاءَ فَقَالَ لَهُ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ :" إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ : ﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ (الزمر : ٤٧) فَأَخَافُ أَنْ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

يَبْدُو لِيْ مِنَ اللّٰهِ مَالَمْ أَكُنْ أَحْتَسِبُ ، فَجَعَلَا يَبْكِيَانِ جَمِيْعًا))

(مجموع رسائل ابن رجب ، ج:٤ ، ص: ٤٣٧)

جب امام محمد بن المنکد رکا وقت وفات قریب آیا تو ان پر گھبراہٹ طاری ہوگئی تو لوگوں نے ان کے لیے ابو حازم (التابعی رحمہ اللہ کو بلا بھیجا، وہ تشریف لائے تو محمد بن المنکد ر رحمہ اللہ ان سے کہنے لگے کہ مجھے یہ آیت: ﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ (الزمر : ٤٧) یاد کر کے ڈر لگنے لگتا ہے کہ کہیں میرے ساتھ بھی یہ معاملہ نہ ہو جائے کہ مجھے وہ کچھ دیکھنا پڑ جائے جو میرے وہم وگمان میں بھی نہ ہو، یہ بات کرنے کے بعد دونوں رونے لگ گئے۔

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ آج کا مسلمان اس سوچ اور فکر سے محروم کیوں ہے؟ تو اس کا ایک سبب یہ ہے کہ آج مسلمان دنیا کی رونق، تروتازگی اور شادابی، چہل پہل اور گہما گہمی میں گم ہو کر، اس کی رعنائیوں اور بھول بھلیوں میں کھو کر دین سے دور نکل گیا ہے جس کے نتیجے مین دل سخت ہو گئے ہیں اور وہ رقت، وہ لطافت اور نفاستِ قلبی باقی نہ رہی، لہٰذا احساسِ زیاں بھی رخصت ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ پھر سے ہمارے دلوں کی سختی دور کر دے اور انھیں فکر آخرت سے معمور کر دے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبان کی بے احتیاطی کا انجام

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ ﴾

(الاحزاب : ۷۰-۷۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن بڑی بڑی اور بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، اُن میں سے ایک قوتِ گویائی بھی ہے، قوت گویائی ایک بہت بڑی اور عظیم نعمت ہے، اس کے ذریعے انسان اپنا اظہار مافی الضمیر کرتا ہے، دوسروں کی ہمدردی اور خیر خواہی کرتا ہے، ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتا ہے، اللہ کا ذکر کرتا ہے اور دیگر بہت سے فوائد حاصل کرسکتا ہے۔

منہ کے اندر زبان کی مختلف حرکات کے ساتھ، کبھی زبان کو تالو سے لگا کر، کبھی اوپر اور نیچے والے دانتوں کے درمیان رکھ کر، کبھی ہونٹوں کو کھول کر، کبھی ہونٹوں کو بند کرکے، کبھی اَقصیٰ حَلَق سے کبھی اَدنیٰ حَلَق سے آوازیں نکالتا ہے اور اُن آوازوں کے مجموعے کو الفاظ کہا جاتا ہے۔

اور وہ الفاظ جہاں انسان کے لئے ایک بہت بڑی نعمت بن کر سامنے آتے ہیں، وہاں وہ بسا اوقات اس کی تباہی کا سامان بھی مہیا کرتے ہیں۔

نعمتِ زبان اور نعمتِ نطق کی اہمیت اور افادیت سے تو سبھی واقف ہوں گے، مگر اس کی تباہ کاریوں سے شاید کم ہی لوگ آگاہ ہوں گے۔

زبان کی تباہ کاریاں ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر باشعور انسان تھوڑے سے فکر و تأمل سے بآسانی سمجھ سکتا ہے۔انسان کے اعضاء و جوارح میں سے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کرنے والا عضو ہے وہ ہے زبان، اپنی دونوں حالتوں میں: تکلم کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حالت میں بھی اور سکوت کی حالت میں بھی۔

زبان جب کلام کرتی ہے تو اکثر اوقات یا تو کسی حرام بات کا ارتکاب کر رہی ہوتی ہے، یا مکروہ کی مرتکب ہوتی ہے، یا فضول گوئی میں ملوث ہوتی ہے۔اور جب خاموش ہوتی ہے تو ایسی جگہ خاموش ہوتی ہے جہاں حق کا اظہار واجب ہوتا ہے یا مستحب ہوتا ہے۔

تو زبان کی اس درجہ خطرناکی اور حساسیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ اس کی اصلاح پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے، اسے کھلا، آزاد اور بے لگام نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے اصول و قواعد اور اخلاق و آداب کا پابند کیا جائے، ورنہ آدمی کی زبان اُس کے لئے مہلک، تباہ کن اور انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔

زبان کی انہی تباہ کاریوں کے اندیشے کے پیش نظر انسان کے اعضائے بدن اس کی منت سماجت کرتے ہیں کہ دیکھنا سیدھی رہنا، کہ تمھارے سیدھا رہنے میں ہماری بھی بچت ہے اور تمھارے ٹیڑھا ہونے میں ہمارا بھی ٹیڑھا ہونا مضمر ہے۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ کُلَّھَا تُکَفِّرُ اللِّسَانَ، فَتَقُوْلُ: اتَّقِ اللّٰہَ فِیْنَا، فَاِنَّمَا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا، وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا" (سنن ترمذی: ۲۴۰۷)

ہر روز جب آدمی صبح بیدار ہوتا ہے تو اس کے تمام اعضائے جسم زبان کے سامنے عاجزانہ درخواست گزار ہوتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا کہ ہمارا انجام تجھی پر منحصر ہے، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہوجائیں گے۔"

مطلب یہ ہے کہ زبان ہی کے بے جا اور بے دریغ استعمال کی وجہ سے دوسرے اعضاء کو شرمندگی اور ندامت اٹھانا پڑتی اور سزا بھگتنا پڑتی ہے، تکلیف اور مصیبت سہنا پڑتی ہے، جیسا کہ مشہور تابعی مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((إِذَا رَأَيْتَ قَسَاوَةً فِي قَلْبِكَ ، وَ وَهْنًا فِي بَدَنِكَ وَحِرْمَانًا فِي رِزْقِكَ ، فَاعْلَمْ أَنَّكَ تَكَلَّمْتَ فِيْمَا لَايَعْنِيْكَ)) (بحر الدموع لابن الجوزی ، ج: ۱ ، ص: ۱۲۵)

اگر تم دل میں سختی، بدن میں کمزوری اور رزق میں کمی پاؤ، تو جان لو کہ تم نے ضرور کوئی ایسی بات کی ہوگی جو لایعنی تھی، جس سے تمہارا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں تھا۔

زبان کی ضرورت، افادیت اور محاسن اپنی جگہ، مگر اس کے ممکنہ اور متوقع نقصانات انتہائی قابل تشویش وفکرمندی ہیں، اگر انہیں نظر انداز کردیا جائے، اِغماض، بے توجہی، لاپروائی اور تساہل سے کام لیا جائے تو اس کے انتہائی خطرناک نتائج بھگتنے پڑ سکتے ہیں۔

الفاظ کے استعمال میں بے احتیاطی انسان کا سب سے بڑا اور سنگین مسئلہ ہے، جہاں انسان زبان ہی سے چند کلمات ادا کرکے دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے، وہاں اسی زبان سے جان بوجھ کر یا بے احتیاطی کے عالم میں منہ سے کوئی لفظ نکال کر دائرہ اسلام سے خارج بھی ہوجاتا ہے۔

اسی طرح زبان ہی سے شرعی حکم کے مطابق چند کلمات کہہ کر اللہ کے کلمات کے ذریعے ایجاب وقبول کرکے انسان رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتا ہے تو اسی زبان سے محض ایک لفظ کہنے سے وہ رشتہ ختم بھی ہوجاتا ہے۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

" فَاتَّقُوْا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ ، فَإِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ " (صحیح مسلم : ۱۲۱۸)

" عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو! کہ تم نے انہیں اللہ کی امان کے ساتھ حاصل کیا ہے، یعنی جان لو کہ اللہ نے انہیں امان دے رکھی ہے کہ وہ تمہارے پاس محفوظ ومامون ہیں اور اگر تم انہیں اذیت دیتے ہو تو تم نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے امان کی بے حرمتی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پامالی کی ہے۔''

((وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ))

''اور اللہ کے کلمے کے ساتھ وہ تمہارے لئے حلال قرار دی گئی ہیں۔''

یعنی اللہ کے حکم، اس کی شریعت اور اس کی اجازت کے ساتھ وہ تمہارے لئے جائز اور حلال ہیں، اور اللہ کا وہ کلمہ قرآن پاک کی آیت میں ہے:

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (النساء : ٣)

''تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان کے ساتھ شرعی قواعد وضوابط کے مطابق نکاح کر سکتے ہو۔''

تو جو رشتہ اللہ تعالیٰ کے کلمات کے ساتھ جائز اور حلال ہوا، وہ طلاق کے چار حرف کہنے سے ختم ہو جاتا ہے، چاہے وہ مذاق ہی میں کہے گئے ہوں۔

زبان کی بے احتیاطی کا آخرت کے حوالے سے انجام ملاحظہ کیجئے: حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ، لَا يُلْقِي لَهَا بَالاً، يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ''

بندہ جب اللہ کی ناراضی کا کوئی لفظ کہتا ہے، جسے وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا، کوئی بڑا سنگین جرم نہیں سمجھتا، مگر وہ اس کی وجہ سے جہنم میں جا گرتا ہے۔'' (بخاري: ٦٤٧٨)

اسی طرح ایک حدیث میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

'' قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَ كَذَا ''

صفیہ کے عیوب کے بارے میں آپ ﷺ سے کچھ عرض کرنے کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ایسی ایسی ہے۔

'' تَعْنِيْ: قَصِيْرَةً ''

اور ایسی ایسی کے لفظ سے ان کی مراد تھی کہ وہ چھوٹے قد کی ہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

"فَقَالَ: لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ."

فرمایا: "تم نے ایک ایسی بات کہہ دی ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے اس میں بھی مل جائے۔" یعنی اس پر بھی غالب آجائے اسے بھی خراب کر دے۔ (سنن ابی داوٗد: ر۴۸۷۵)

کسی کے محض جسمانی عیب کا تنقیص اور توہین کے طور پر ذکر کرنا کتنا سنگین جرم ہے، شاید ہم میں سے کوئی بھی اس کی اس قدر سنگینی نہ سمجھتا ہو، جبکہ حقیقت میں یہ اس قدر سنگین جرم ہے کہ آپ سمندر کے پانی کو جو کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں میلوں پر بھی محیط ہوتا ہے کسی رنگ میں رنگنا چاہیں تو آپ اس میں کتنے گیلن رنگ ڈالیں گے، شاید اس کا حساب بھی ہمارے تصور سے بالاتر ہو، جو حساب آپ لگائیں گے اس کو اس ایک لفظ کے ساتھ کمپیئر کریں کہ جتنی بڑی اماؤنٹ کسی رنگ کی سمندر کے پانی کو بدلنے کے لئے چاہیے، اتنی ہی بڑی اور سنگین کسی کے بارے میں یہ بات ہے۔

اور ایسے طنزیہ، توہین آمیز اور تحقیر آمیز کتنے ہی الفاظ ہم ہر روز کہتے ہوں، شاید ہم نے کبھی اس کا احساس نہیں کیا اور ہمیں کبھی اس کا شعور نہیں ہوا۔

آپ یقیناً ایسے الفاظ کم از کم دوسروں سے سنتے ضرور ہوں گے کہ کوئی کسی کو موٹو، گنجے اور نہ جانے کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔ زبان کی تباہ کاریوں کا انسان کو اندازہ ہی نہیں، سانپ کا ڈسنا کہ جس سے ہم سب ڈرتے ہیں، زبان کے ڈسنے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

کبھی ہم نے بات کرنے سے پہلے یہ سوچا ہے کہ کہیں اس بات میں کسی کا مذاق تو نہیں اڑایا جا رہا، کہیں اس میں فخر ومباہات تو نہیں ہے، کہیں اس میں طعنہ تو نہیں ہے، کہیں اس میں کسی کی تحقیر تو نہیں ہے اور کہیں اس میں تکبر کا کلمہ تو نہیں ہے۔

کبھی انجانے میں بھی منہ سے نکلنے والے ایسے الفاظ آدمی کی تباہی کا سبب بن جاتے ہیں اور آدمی سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ اس سے کون سا اتنا بڑا گناہ ہو گیا ہے مگر وہ یاد نہیں آتا، کیونکہ وہ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھ رہا ہوتا، یا کوئی بڑی بات نہیں سمجھ رہا ہوتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور تاریخ انسانی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جہاں فخر وتکبر کے الفاظ کہنے والوں کا عبرتناک انجام ہوا، کسی نے اپنی قوت و طاقت پر فخر کیا، مال و دولت پر فخر کیا، اولا د و احفاد پر فخر کیا یا مقام و منصب پر فخر کیا، اور پھر انجام بھی آپ نے دیکھ لیا کہ فرعون کو اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا گیا، قارون کو اس کے مال و دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا اور ٹائی ٹینک کو اس کی تمام تر ٹیکنالوجی کے ساتھ ڈبو دیا گیا۔

ان چند تمہیدی باتوں سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ہمیں اپنی اپنی زبان کی اصلاح کی کس قدر اشد ضرورت ہے۔ اور اگر یہ بات ذہن میں حاضر رہے کہ ہماری ہر ہر بات اور ہر ہر عمل لکھا جا رہا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ ﴾ (ق: ١٨-١٧)

"دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں، کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا مگر اس کے پاس نگران موجود ہوتا ہے۔"

اگر یہ حقیقت ہر دم نظروں کے سامنے رہے تو انسان ضرور زبان کے استعمال میں احتیاط سے کام لے، مگر اس کے بجائے نفس کی تسکین نظروں کے سامنے ہوتی ہے اور انجام کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہمیں زبان کی اصلاح کی کس قدر ضرورت ہے، اندازہ کیجئے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"وَالَّذِیْ لاَ اِلٰهَ غَیْرُہُ"

اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے،

"مَاشَیْءٌ اَحَقُّ بِطُوْلِ السِّجْنِ مِنَ اللِّسَانِ"

(شعب الایمان: ٤٦٤٩)

"اس روئے زمین پر زبان سے زیادہ لمبی قید کی مستحق کوئی چیز نہیں ہے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مگر ہماری زبانیں کتنی آزاد ہیں، شاید ہی ان کے شر سے کوئی شخص بچتا ہو، محفل میں ایک بار جس کا نام زبان پر آ گیا بس اس کی خیر نہیں، وہ بچ کے نہیں جا سکتا۔

اور انتہائی تعجب کی بات ہے، آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ بہت سے لوگوں کے لئے بڑے بڑے کاموں سے اجتناب و احتراز کرنا بہت آسان ہوتا ہے، جیسے: حرام کھانا، ظلم کرنا، چوری کرنا، شراب پینا، بدکاری کرنا، بری نظر ڈالنا وغیرہ، مگر وہ زبان کی ایک حرکت پر کنٹرول نہیں کر پاتے اور بسا اوقات کوئی آدمی بڑا متقی اور پرہیز گار نظر آتا ہوگا روزے رکھتا ہوگا، تہجد پڑھتا ہوگا، لمبے لمبے اذکار کرتا ہوگا مگر اس کو زبان پر ضبط نہیں ہوتا، اسے کھلا چھوڑ رکھا ہوتا ہے۔

اور یہ کسی ایک آدمی کی بات نہیں ہے، ہر آدمی کے لئے یہ ایک بہت بڑا امتحان اور چیلنج ہے۔ کسی کی غیبت کرنا، الزام لگانا، بہتان لگانا وغیرہ تو آپ جانتے ہیں کہ بڑے بڑے گناہ ہیں، مگر زبان سے سرزد ہونے والے چھوٹے گناہوں کا انجام بھی ملاحظہ کیجئے، حدیث میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِنَ الصَّحَابَةِ ، فَقَالَ رَجُلٌ: أَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ!"

"فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَوَلَا تَدْرِي؟ فَلَعَلَّهُ تَكَلَّمَ فِيْمَا لَا يَعْنِيْهِ أَوْ بَخِلَ بِمَا لَا يَنْقُصُهُ"

(جامع ترمذی: ٢٣١٦ ، صحيح الترغيب للألباني :٢٨٨٢)

''ایک صحابی کی وفات ہوگئی، ایک آدمی نے کہا: تجھے جنت کی بشارت ہو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' کیا تم جانتے نہیں! شاید اس نے کوئی ایسی بات کہی ہو جس سے اس کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہو یا ایسی چیز کے ساتھ بخل سے کام لیا ہو جس کے خرچ کرنے سے اس کا کچھ نقصان نہ ہوتا ہو۔''

یعنی کسی کی برائی نہ بھی کی ہو، صرف کسی کے معاملے میں دخل اندازی ہی کی ہو، کہ اسے ایسے کرنا چاہیے یا ایسے کرنا چاہیے، وہ ایسے کیوں نہیں کرتا وغیرہ۔

اگر ایسا کیا ہو تو یہ عمل بھی اس کے ڈائریکٹ جنت میں جانے کی راہ میں رکاوٹ بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہے۔

تو آج کی گفتگو کا اصل مقصد یہ ہے کہ چونکہ زبان سے بہت زیادہ لغزشیں ہوتی رہتی ہیں، اور جن لغزشوں کو ہم معمولی سمجھ کر بے دھڑک کہہ جاتے ہیں اور ہماری نظر میں وہ معمولی سی لغزش نہ جانے اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنی سنگین ہو اس لئے زبان کی اصلاح کی ضرورت ہے، اور اس کی اصلاح کے حوالے سے چند ایسی باتیں ذکر کرنا مقصود ہے جو کہ ہمارے معاشرے میں معمولی سمجھی جاتی ہیں اور زُبان زَدِ عام ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ اسلامی عقیدے سے ٹکراتی ہوتی ہیں۔

مثال کے طور پر آپ نے یقیناً کئی بار یہ لفظ سنا ہوگا کہ کشمیر جنت نظیر، یعنی کشمیر جنت کی نظیر اور مثال ہے، کشمیر جنت جیسا ہے۔

اب جنت کے بارے میں اسلامی عقیدہ کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ“

(صحيح البخاري : ٣٢٤٤)

جنت وہ مقام ہے جو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے سنا نہیں، اور نہ کسی کے دل میں اس کا خیال ہی گزرا ہے۔

اسی طرح ایک لفظ جو بکثرت ہمارے ہاں بولا جاتا ہے اور زیادہ تر سیاسی لوگ اسے استعمال کرتے ہیں کہ فلاں شہید ہے جبکہ کسی کے لئے شہادت کی گواہی دینا بہت بڑی جرأت کی بات ہے۔ حدیث میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((إِسْتُشْهِدَ رَجُلٌ مِنَّا يَوْمَ أُحُدٍ فَوُجِدَ عَلَى بَطْنِهِ صَخْرَةٌ مَرْبُوطَةٌ مِنَ الْجُوعِ فَمَسَحَتْ أُمُّهُ التُّرَابَ عَنْ وَجْهِهِ ، وَقَالَتْ : هَنِيئًا لَكَ يَابُنَيَّ الْجَنَّهُ))

اُحد کے دن ہم میں سے ایک شہید ہو گیا، بھوک کی وجہ سے اس کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا پایا گیا، اس کی ماں نے اس کے چہرے سے گرد پونچھتے ہوئے کہا: بیٹا تمھیں جنت

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مبارک ہو!

((فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا يُدْرِيكِ لَعَلَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ فِيمَا لَا يَعْنِيهِ ، وَيَمْنَعُ مَا لَا يَضُرُّهُ)) (صحيح الترغيب والترهيب للألباني : ٢٨٨٣)

تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمھیں کیا معلوم ! شاید وہ ایسی باتیں کرتا ہو جن سے اس کا کوئی تعلق واسطہ نہ ہو، اور ایسی چیزوں سے روکتا ہو جن کے خرچ کرنے سے اس کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو۔

ایک دوسری حدیث میں جنت کی جگہ اس نے کہا ''وَاشَهِيْدَاهُ'' ہائے اے شہید۔

تو کوئی شخص مظلوم بھی قتل کیا گیا ہو پھر بھی اسے شہید نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے کہ:

(بَابُ لَا يَقُوْلُ فُلَانٌ شَهِيْدٌ)

((وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِهِ ، اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيْلِهِ))

(صحيح البخاري : ٢٨٩٨)

باب کہ کسی مخصوص شخص کے بارے میں نہ کہا جائے کہ فلاں شہید ہے، اور پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث بیان کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے میں جہاد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے میں زخمی ہوتا ہے۔

تو کسی کے شہید ہونے کا دعوی علم غیب کا دعوی ہے اور اس کا قیامت کے دن سوال ہوسکتا ہے۔

تو زبان کے استعمال میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے، حتی کہ بظاہر وہ الفاظ نیکی اور ہمدردی اور خیر خواہی کے ہی کیوں نہ معلوم ہوں، اس حوالے سے بعض سلف صالحین کا یہ واقعہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہایت ہی قابل غور ہے:

((وَلَقَدْ رُئِيَ بَعْضُ الْأَكَابِرِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي النَّوْمِ فَسُئِلَ عَنْ حَالِهِ))

بعض اکابر اہل علم میں سے کسی (جنید) کو خواب میں دیکھا گیا، تو اُن کا حال دریافت کیا گیا۔

((فَقَالَ: أَنَا مَوْقُوفٌ عَلَى كَلِمَةٍ قُلْتُهَا، قُلْتُ: مَا أَحْوَجَ النَّاسُ إِلَى غَيْثٍ، فَقِيلَ لِي: وَمَا يُدْرِيكَ؟ أَنَا أَعْلَمُ بِمَصْلَحَةِ عِبَادِيْ)) (الداء والدواء (الجواب الكافي)، ج: ١، ص: ٣٧٣.

تو انھوں نے کہا کہ مجھے ایک بات کی وجہ سے روک دیا گیا ہے جو میں نے کہی تھی، میں نے کہا تھا: لوگوں کو بارش کی کتنی سخت ضرورت ہے، تو مجھ سے کہا گیا کہ تمھیں کیا معلوم ہے، میں اپنے بندوں کی مصلحتوں اور ضرورتوں سے خوب واقف ہوں۔

اسی طرح ایک لفظ عموماً قبروں پر لکھا ہوتا ہے: آخری آرام گاہ اور یہ جملہ دو طرح سے غلط ہے، ایک تو یہ اسلامی عقیدے کے منافی ہے، اور وہ یوں کہ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ آرام گاہ ہے یا عذاب گاہ ہے، اور دوسری یہ کہ یہ آخری مقام نہیں، بلکہ جنت یا جہنم آخری مقام ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائے اور زبانوں کو لایعنی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بننے والی باتوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی زبان کے شر سے بچیں

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ ﴾

(الاحزاب : ٧٠-٧١)

گذشتہ جمعے زبان اور قوت گویائی کے ایک بہت بڑی نعمت ہونے اور اس کے غلط استعمال اور بے احتیاطی کی صورت میں اُس کے تباہ کن ہونے کا ذکر ہو رہا تھا۔

زبان کی بے احتیاطی کے امکانات چونکہ زیادہ ہیں، کیونکہ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ فطری طور پر ہر انسان کا نفس اسے برائی پر ابھارتا اور، بدی پر اکساتا ہے، جیسا کہ اس حکم عام کو قرآنِ پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾ (یوسف : ٥٣)

”بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے الا یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو یقیناً میرا رب غفور رحیم ہے۔“

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بھی اک حقیقت ہے کہ لوگوں کی آپس کی اکثر گفتگوؤں میں خیر نہیں ہوتی، سوائے چند باتوں کے جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ ﴾ (النساء : ١١٤)

”لوگوں کی سرگوشیوں میں اکثر و بیشتر کوئی بھلائی اور خیر نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ کوئی صدقہ و خیرات کی تلقین کرے، یا کسی نیک کام کے لئے، یا لوگوں کے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

معاملات میں اصلاح کرنے کے لئے کسی سے کچھ کہے۔''

تو زبان کی بے احتیاطی اور غلط استعمال اس حد تک عام ہے کہ اس کے زیادہ تر استعمال میں کوئی خیر نہیں ہے، لہٰذا اس کی اصلاح کی یقیناً ضرورت ہے، اشد ضرورت ہے، اور بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں سیدھی بات کرنے کی، سچی بات کہنے کی اور فضول گوئی سے اجتناب کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے، ترغیب دی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴾ (الاحزاب : ۷۰)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کیا کرو۔''

اور فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴾ (التوبہ : ۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔''

اور فرمایا:

﴿ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ﴾ (المائدۃ : ۱۱۹)

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو اُن کی سچائی نفع دیتی ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ ﴾ (المؤمنون : ۱۔۳)

''یقیناً فلاح پائی ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں اور لغویات سے دور رہتے ہیں۔''

اور لغو ہر اُس بات اور کام کو کہتے ہیں جو فضول ہو، لاحاصل اور بے فائدہ ہو، جس کی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کوئی حقیقی ضرورت نہ ہو۔تو زبان کے بے جا، بے دریغ اور بے احتیاط استعمال کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کے پیشِ نظر قرآن و حدیث میں اس کی اصلاح اور درستی کی ضرورت اور کوششوں پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس کے لئے عملی طور پر بھی مختلف ذرائع، وسائل، اسالیب اور انداز اختیار کئے گئے۔

مثلاً کبھی وہ اصلاح بات کی سنگینی بیان کر کے کی گئی، کبھی اس کے نقصانات بتلائے گئے اور کبھی اس کے انجام سے خبردار کیا گیا، کبھی کسی لفظ کے صحیح ہونے کے باوجود اس کے استعمال سے منع کر دیا گیا کہ اس سے غلط معنے کا احتمال پیدا ہوتا ہے اور کبھی کسی لفظ کی قباحت اور شناعت واضح کی گئی۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

" مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ "

"جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔"

((فَقَالَ : أَجْعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا بَلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ))

(مسند احمد: ۱۸۳۹)

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ہے، بلکہ صرف جو اللہ چاہے۔"

آپ نے ملاحظہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کی زبان سے نکلنے والے الفاظ، جو کہ اتنے سنگین تھے کہ کہنے والے کو شرک کا مرتکب بنا دیتے ہیں، فوراً اس کی سنگینی، شدت اور قباحت بیان کی اور اصلاح فرما دی کہ صرف جو اللہ چاہے۔

ایسے ہی ایک حدیث میں ہے کہ:

ایک یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور کہا:

"اِنَّكُمْ تُنَدِّدُوْنَ وَ اِنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ "

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”آپ لوگ اللہ تعالیٰ کا ہمسر بناتے ہو اور شرک کرتے ہو۔“

”تَقُوْلُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ وَتَقُوْلُوْنَ وَالْكَعْبَةِ“

”تم کہتے ہو کہ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں، اور کہتے ہو کہ: کعبہ کی قسم۔“

فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ:

تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ:

”إِذَا أَرَادُوْا أَنْ يَحْلِفُوْا أَنْ يَقُوْلُوْا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، وَيَقُوْلُوْنَ: مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ“ (سنن نسائی: ٣٧٧٣)

”جب قسم کھانا چاہیں تو کہیں: رب کعبہ کی قسم، اور کہیں: جو اللہ چاہے، پھر آپ چاہیں۔“

کیونکہ جب کوئی شخص کہتا ہے کہ جو اللہ چاہے اور جو فلاں چاہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ کی مشیئت اور بندے کی مشیئت برابر اور ایک جیسی اہمیت کی حامل ہے، جو کہ مخلوق کو اللہ کا مدمقابل اور ہم پلہ بنانا ہے اور یہ شرک ہے۔

لیکن جب کوئی کہتا ہے کہ جو اللہ چاہے اور پھر فلاں چاہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ بندے کی چاہت اور مشیئت، اللہ کی مشیئت کے تابع ہے، اصل مرضی اور چاہت صرف اللہ کی ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿كَلَّآ إِنَّهُۥ تَذْكِرَةٌ ۝٥٤ فَمَن شَآءَ ذَكَرَهُۥ ۝٥٥ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ﴾

(المدثر ٥٤-٥٦)

”ہرگز نہیں! یہ تو ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے وہ نصیحت حاصل کرے مگر کوئی محض اپنے چاہنے سے نصیحت حاصل نہ کر سکے گا جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔“

تو یوں آپ ﷺ نے اس صحابی کے منہ سے نکلنے والے ایک ایسے لفظ کی فوراً اصلاح فرما دی کہ جو انہوں نے غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر کہہ دیا تھا، یعنی انہیں اندازہ نہ تھا کہ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے اور نہ ان کی نیت تھی کہ معاذ اللہ وہ آپ ﷺ کو اللہ کا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مدمقابل اور شریک بنا دیں، لیکن لفظ تو بہر حال غلط ہی تھا۔

تو یوں قرآن وحدیث میں زبان کی اصلاح کی بہت تاکید کی گئی ہے اور اہتمام کیا گیا ہے، اگر اس کی تفصیل بیان کرنا چاہیں تو یقیناً ایک وقت درکار ہوگا، کیونکہ اس کی تفصیل ایک طویل بحث ہے، جبکہ ہم اس میں سے چیدہ چیدہ باتیں جو کہ براہِ راست ہمارے موضوع سے متعلق ہیں جاننا چاہیں گے۔

تو اب تک کی گفتگو میں ہم نے جانا:

کہ زبان کی حفاظت وصیانت سے متعلق قرآن پاک میں بہت سی آیات ہیں، ذخیرۂ احادیث بھرا پڑا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر سلف صالحین کا طرزِ عمل اس کی اصلاح و درستی کے حوالے سے مثالی ہے۔

سب سے پہلے ہمیں زبان کی اصلاح کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھنا ہوگا، زبان کی اصلاح اور درستی کی ضرورت واہمیت کے حوالے سے قرآن پاک میں ایک بہت بڑی حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ جس آدمی کی زبان درست نہ ہو، آدمی ترش رو اور تندخو ہو، سخت زبان ہو، کرخت لہجہ ہو، سنگدل ہو تو لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں، کوئی اس کے قریب ہونا پسند نہیں کرتا۔

اور اس حقیقت میں مزید وزن اور تاکید یوں پیدا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

یہ تو اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہیں، ورنہ اگر کہیں آپ تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔

اندازہ کیجئے کہ زبان کی اصلاح کی ضرورت واہمیت کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ کتنا عظیم ہے، اپنے پرائے سب جانتے ہیں آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سید المرسل ہیں، خاتم النّبیین ہیں، سید الخلق ہیں، معصوم ہیں، آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی، معجزات عطا ہوتے، آپ صلہ رحمی کرتے، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے، تہی دستوں کا بندوبست کرتے، مہمان کی میزبانی کرتے، اہل حق کے مصائب پر اعانت کرتے اور دیگر بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، یہ ساری خوبیاں اپنی جگہ مگر اللہ فرماتے ہیں لیکن اگر آپ بدمزاج، تندخو، ترش رو اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، آپ کے قریب نہ آتے۔

اندازہ فرمائیں کہ جب ایک ایسی ہستی کے بارے میں یہ ارشاد ہو جو تمام صفاتِ حسنہ سے متصف ہو، مگر بفرض محال دل اور مزاج کے سخت ہوں تو لوگ ان کے قریب نہ جائیں، کوئی شخص کسی ایک بڑے عہدے پر فائز ہو کر سمجھنے لگ جائے کہ بس اب لوگ اس کے گرویدہ ہو جائیں، پروانوں کی طرح اس پر مر مٹنے کو تیار ہوں، یا کوئی شخص علم کی ابجد کو جان کر خواہش کرنے لگے کہ اب چاہنے والوں کا ایک حلقہ اس کے گرد بنا رہے، تو یہ اس کی سادگی نہیں بلکہ بہت بڑی حماقت ہوگی کیونکہ خوش اخلاقی کا کوئی متبادل نہیں ہے۔

تو خوش نصیب ہے وہ شخص کہ جس کے اخلاق اچھے ہوں، خوش گفتار ہو، لہجہ نرم ہو، اس کی زبان سے کسی کی دل آزاری نہ ہوتی ہو، وہ خوش نصیب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمتِ خاص سے نواز رکھا ہے۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتا چلوں اور وہ یہ کہ لوگ عموماً حسن اخلاق کا مطلب سمجھتے ہیں کہ ابتداءً کسی سے ہنس کر، مسکرا کر، نرم الفاظ میں، دل لگی کرتے ہوئے، اپنائیت ظاہر کرتے ہوئے ہمدردی و خیر خواہی اور بے تکلفی سے بات کرے تو حسن اخلاق ہوتا ہے، مگر جونہی دوسری طرف سے کوئی غلطی ہوگئی، جان بوجھ کر، یا اتفاق سے، یا غیر ارادی طور پر، تو فوراً بھڑک اٹھتے ہیں اور اس کی ایسی کی تیسی کر دیتے ہیں۔

اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ میں تو اس کے ساتھ بڑے پیار سے، نرم انداز سے، اور حسن اخلاق سے بات کر رہا تھا مگر اس کو تمیز نہیں ہے یہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارے بھائی! یہ کیسے اخلاق ہیں! جب اخلاق دکھانے کا موقع آیا تو اس وقت آپ نے موقعہ گنوا دیا اور ناکام ہوگئے۔ کوئی آپ کے ساتھ اچھا ہوتو آپ اس کے ساتھ اچھے ہوں! یہ حسن اخلاق نہیں بلکہ ضرورت اور مجبوری ہے۔

آدمی کے حسن اخلاق کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب کوئی دوسرا اس سے زیادتی کرے، نازیبا الفاظ کہے، دل آزاری کرے، سخت زبان استعمال کرے، گالی دے، بک بک کرے، الزام لگائے یا اس کے مزاج کے خلاف کوئی کام کرے، یہ نہیں کہ کوئی آدمی غصہ دلانے والی بات کرے تو وہ اپنے اخلاق کو خیر باد کہہ دے۔

آدمی کے اصل اخلاق تو وہ ہیں جو ہر حال میں اس کے ساتھ رہیں اور اجر وانعام بھی اخلاقیات کا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَ إِنْ كَانَ مُحِقًّا ، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحًا ، وَبِبَيْتٍ فِي أَعَلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ))

میں جنت کے اطراف میں ایک گھر کا ضامن ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، اور جنت کے وسط میں ایک گھر کا ضامن ہوں اس شخص کے لیے جو مزاح میں بھی جھوٹ بولنا چھوڑ دے ، اور اعلی جنت میں گھر کا ضامن ہوں اس شخص کے لیے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس اخلاقی فقدان میں ہم سب ایک جیسے ہیں ہم میں سے بہت کم ایسے خوش نصیب ہوں گے جو اس امتحان کے وقت اپنے اخلاق دکھانے میں کامیاب ہوتے ہوں گے ورنہ اکثر و بیشتر کا یہی حال ہے جو ہم سنا۔

تو زبان کی اصلاح کے حوالے سے بات ہورہی تھی، کہ قرآن پاک میں اس کی بہت تاکید کی گئی ہے اور احادیث میں بھی اس پر بڑا زور دیا گیا ہے اور عملاً آپ ﷺ اس کی اصلاح فرماتے رہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((إِسْتَأْذَنَ شَخْصٌ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِيْ بَيْتٍ فقال: أَأَلِجُ))

آپ ﷺ گھر میں تشریف فرما تھے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے اجازت چاہی یہ کہتے ہوئے کہ کیا میں داخل ہوجاؤں۔

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لِخَادِمِهِ أُخْرُجْ إِلَى هَذَا فَعَلِّمْهُ الْاِسْتِئْذَانَ فَقُلْ لَهُ: قُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟"

تو آپ ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: ''جاؤ اس کو اجازت لینے کا طریقہ سکھاؤ، اس سے کہو، کہ یوں کہے: السلام علیکم کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔''

"فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟

تو آدمی نے وہ بات سن لی، تب کہا: السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔

" فَاَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَدَخَلَ " (سنن ابی داود: ٥١٧٧)

''تب آپ ﷺ نے اسے اندر آنے کی اجازت دی، تو وہ داخل ہوگیا۔''

اسی طرح زندگی کے ہر شعبے سے متعلق بہت سی احادیث ہیں، جن میں سے کچھ ان شاء اللہ آئندہ خطبات میں ذکر کریں گے۔

قرآن و حدیث کے بعد سلف صالحین رحمہم اللہ اس موضوع پر خاص توجہ دیتے اور اپنی اور دوسروں کی اصلاح کے لیے بھرپور اور مخلصانہ کوششیں کرتے اور اس اصلاح کے ضمن میں الفاظ کے انتخاب کو بہت اہمیت دیتے نظر آتے ہیں، کیونکہ الفاظ اگر اخلاق و آداب سے عاری ہوں تو اگرچہ وہ معنی ومفہوم کے اعتبار سے صحیح بھی ہوں مگر وہ سماعت پر قدرے گراں گزرتے ہیں اور بسا اوقات ان کا معنی ومفہوم بھی بدل جاتا ہے اور ان سے تندخوئی اور سنگدلی کا اظہار بھی کسی حد تک ہونے لگتا ہے۔

جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد الْمُزَنِي بیان کرتے ہیں

"سَمِعَنِي الشَّافِعِيُّ يَوْمًا وَأَنَا أَقُوْلُ فُلَانٌ كَذَّابٌ ."

امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک بار مجھے یہ کہتے ہوئے سنا کہ فلاں شخص جھوٹا ہے۔ اور ان کا یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہنا کسی راوئ حدیث پر جرح وتعدیل کرتے ہوئے تھا، مگر امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ بھی پسند نہ فرمایا: بلکہ فرمایا:

((فَـقَـالَ لِي يَاأَبَاإِبْرَاهِيمَ أُكْسُ أَلْفَاظَكَ أَحْسَنَهَا ، لاتَقُلْ فُلانٌ كَـذَّابٌ ، وَلَكِنْ قُلْ : حَدِيْثُهُ لَيْسَ بِشَيءٍ)) (فتح المغيث بشرح الفية الحديث / اقسام الحديث / مراتب التجريح)

اور مجھ سے فرمایا: اے ابوابراہیم، اپنے الفاظ کو اچھا جامہ پہناؤ، یہ نہ کہو، کہ فلاں جھوٹا ہے، بلکہ یوں کہو کہ اس کی بیان کردہ حدیث کچھ بھی نہیں ہے۔

الفاظ کے انتخاب کو قرآن وحدیث میں بھی بہت اہمیت دی گئی اور خیال رکھا گیا ہے، کیونکہ کچھ الفاظ صحیح ہونے کے باوجود نامناسب سے لگتے ہیں ان کی جگہ انہی معنوں میں جب دوسرے الفاظ کہے جاتے ہیں تو برے نہیں لگتے، جیسے: قضائے حاجت، بیت الخلاء، ریسٹ روم اور واش روم وغیرہ کے الفاظ سلیقے اور ذوق کے معیار پر پورے اترتے ہیں، ان کی جگہ اگر دوسرے الفاظ بولے جائیں تو کراہت اور گھن سی آنے لگتی ہے۔

اب قرآن پاک میں ہے کہ:

﴿ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ ﴾ (النساء: ٤٣)

”یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کرکے آئے۔“

الغائط کا اصلی معنی تو ہے نشیبی زمین سے ہوکر آئے چونکہ قضائے حاجت کے لئے آدمی نشیبی زمین ڈھونڈتا ہے کہ جہاں بیٹھے تو اوٹ میں ہوجائے، اس لئے کنایۃً یہ لفظ استعمال کیا۔

اچھے سلیقے اور ذوق والے الفاظ سب کو اچھے لگتے ہیں اور ان الفاظ کی وجہ سے قربت بھی پیدا ہوتی ہے، آدمی دل کے قریب ہوجاتا ہے، جبھی تو کہتے ہیں کہ میٹھے بول میں جادو ہے، اور کہتے ہیں کہ: زباں شریں ملک گیری، زباں میٹھی ہوتو آدمی پورا ملک حاصل کرلیتا ہے، چھا جاتا ہے۔

بات کو خوبصورت اور پرکشش الفاظ میں ڈھال کر پیش کیا جائے، آداب سے مزین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کر کے پیش کیا جائے تو ہر خاص و عام کے ہاں اس کی پذیرائی ہوتی ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ خلیفہ ہارون رشید کی بیوی نے ان سے شکوہ کیا کہ وہ اپنے بیٹے مامون کو امین پر ترجیح دیتے ہیں۔

خلیفہ ہارون رشید نے کہا: ہاں، مگر میں بتاتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے، اپنے بیٹے امین کو بلایا اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ ان کے پاس کچھ مسواکیں پڑی ہوئی تھیں، تو اس نے کہا: مساویک، مسواک کی جمع مساویک ہے، مگر مساویک کا ایک دوسرا مطلب بھی ہے اور وہ ہے کہ تمہاری برائیاں اور خطائیں۔

پھر مامون کو بلایا اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟

تو اس نے کہا: ((ضِدُّ مَحَاسِنِكَ يَاأَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ)) (الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية لابن القيم ، ج: ١ ، ص: ١٠٨ قلادة النحر في وَفيات أعيان الدهر : ١٠٧١)

اے امیر المؤمنین یہ آپ کی خوبیوں کا الٹ ہے۔

یعنی اس نے وہ لفظ ادا کرنا پسند نہ کیا کہ جس سے ایک غلط معنی بھی نکلتا تھا، آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، تب زبیدہ نے کہا کہ ہاں مجھے اب سمجھ آئی ہے۔

نرم، اچھی اور باسلیقہ گفتگو کرنا ہم لوگ کمزور اور ملازم طبقے کی ذمہ داری سمجھتے ہیں حالانکہ ان سے زیادہ ایک عالم کو ضرورت ہے، مالدار اور سیٹھ کو ضرورت ہے، وزیر اور مشیر کو ضرورت ہے۔ جو ہمارا اصل موضوع تھا اس پر تو بات نہ ہوسکی کہ سارا وقت تمہید میں ہی گزر گیا اور وہ یہ تھا کہ کچھ الفاظ کی اصلاح ہو، تاہم دو ایک باتیں اس ضمن میں عرض کرتے ہیں۔

ایک تو عدد ہے، 786 جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا متبادل سمجھا جاتا ہے، کچھ لوگ برکت کے لئے اور نیکی کے جذبے کے تحت اپنے بزنس یا کسی اور چیز کو نام دیتے ہیں، جبکہ حقیقت میں یہ دین کی توہین کے مترادف ہے اس وقت تفصیل میں نہیں جاتے، بس اتنا غور کرلیں کہ اگر کسی کے اپنے یا اس کے بچے کے نام کا کوئی بھی عدد ہو تو کیا وہ پسند کرے گا کہ اسے اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے نام کے بجائے اس عدد سے پکارا جائے؟

دوسری بات بچوں کے نام کے حوالے سے ہے، کہ لوگ بچوں کے نام رکھتے وقت معنی کا لحاظ نہیں کرتے، مثلاً: ایک شخص کا نام ہے: میلاد الرحمٰن اور اس کا مطلب آپ جانتے ہیں کہ رحمٰن کی پیدائش، اللہ کی پیدائش۔ اس طرح ایک نام رکھا جاتا ہے ارحم، اور لفظ ارحم مبالغے کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے سب سے زیادہ رحم کرنے والا اور وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ یقیناً کوئی نہیں ہوسکتا۔ ان ناموں کے غلط ہونے کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہر شخص اچھی طرح سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زبانوں کی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے اور ان سے سرزد ہونے والی لغزشوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبان کی بے احتیاطی کے نقصانات

﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾﴾

(النور ٢٤)

زبان اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے، اس کی ضرورت وافادیت معروف ومسلّم ہے، لیکن اگر اس کے استعمال میں بے احتیاطی برتی جائے تو یہ بہت بڑے بڑے نقصانات کا باعث بھی بنتی ہے۔

گذشتہ خطبات میں زبان کی اسی بے احتیاطی اور اس کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کا ذکر ہو رہا تھا، زبان کی بے احتیاطی انسان سے دین اور دنیا کے ہر معاملے اور ہر شعبے میں واقع ہوتی ہے اور اسی نسبت سے اسے نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

کبھی زبان سے ایسی لغزش سرزد ہوتی ہے کہ اس کی دنیا تباہ ہو جاتی ہے اور کبھی زبان ایسی ٹھوکر کھاتی ہے کہ اس کی آخرت برباد ہو جاتی ہے۔

زبان سے نکلے ہوئے کسی لفظ سے کسی کی دل آزاری ہونا ایک عام سی بات ہے اور کہنے والا اکثر و بیشتر اسے محسوس کرتا ہے اور نہ معیوب اور گناہ سمجھتا ہے، مگر زبان سے نکلے ہوئے کسی لفظ سے کسی کا قتل ہو جائے، یا بہت بڑا فتنہ وفساد برپا ہو جائے، یا خود کہنے والے کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے، تاریخ میں ایسے واقعات کی بھی کمی نہیں ہے اور واقعتاً الفاظ کبھی اتنے ہی خطرناک اور سنگین ہوتے ہیں کہ ان سے ایک بہت بڑا فتنہ بپا ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ابومعبد عبداللہ بن عُکَیم الجہنی رحمہ اللہ ایک تابعی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہنے لگے:

((وَاللّٰهِ لَاأُعِينُ عَلَى دَمِ خَلِيفَةٍ بَعْدَ عُثْمَانَ أَبَدًا))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی قسم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد اب میں کسی خلیفہ کے قتل پر کبھی کسی کی مدد نہیں کروں گا۔

تو لوگوں نے خطاب ختم ہونے کے بعد ان سے پوچھا:

((يَاأَبَا مَعْبَدٍ ! أَوَ أَعَنْتَ عَلَى دَمِهِ ؟))

اے ابو معبد! کیا آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر کسی کی مدد کی تھی؟

تو انہوں نے کہا:

((قَالَ: إِنِّيْ أَرَى أَنَّ ذِكْرَ مَسَاوِئَ الرِّجَالِ عَوْنًا عَلَى دَمِهِ))

(مصنف ابن ابی شیبة : ٣٢٠٤٣ ، الكنى والاسماء للدولابي ، ج: ١ ، ص: ٢٦٨ ، الطبقات الكبرٰى ، ج: ٦ ، ص: ١١٥)

کہا: میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی برائیوں کا ذکر کرنا، اُس کے قتل پر کسی کی مدد کرنا ہے۔

اور یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس کا لوگ ادراک نہیں رکھتے اور جو اس حقیقت کو سمجھتے ہیں وہ بھی اسے نظر انداز کر دیتے ہیں، حالانکہ زبان کی بے احتیاطی اس قدر خطرناک ہے کہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

((رُبَّ قَوْلٍ يَسِيْلُ مِنْهُ دَمٌ))(المنهج المسلوك في سياسة الملوك ، ص: ٤٤٧)

”کتنے ہی کلمات ایسے ہوتے ہیں جن سے خون ٹپک رہا ہوتا ہے۔“

تو زبان کی بے احتیاطی یقیناً ایسی ہی خطرناک ہے، زبان کی اس بے احتیاطی کی وجہ سے لوگوں میں اختلافات ہوتے ہیں، لڑائیاں اور جھگڑے ہوتے ہیں، قتل و غارت ہوتی ہے اور فتنہ وفساد ہوتا ہے۔

تو زبان کی ایک ہلکی سی لغزش سے بسا اوقات کسی کی دنیا تباہ ہوجاتی ہے، اسی طرح زبان کی پھسلن سے کبھی کسی کی آخرت تباہ ہوجاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"اَنَّ رَجُلًا قَالَ: وَاللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِفُلَانٍ "

ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

" وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَتَأَلّٰى عَلَيَّ اَنْ لَا اَغْفِرَ لِفُلَانٍ"

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کون ہے یہ جو میری قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں فلاں کو معاف نہیں کروں گا؟"

"فَاِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ، وَاَحْبَطْتُ عَمَلَكَ "

(صحيح مسلم: ٢٦٢١)

"میں نے فلاں شخص کو تو معاف کر دیا ہے اور تیرے عمل ضائع کر دیئے ہیں۔"

تو یہاں ملاحظہ کیجئے کہ محض ایک جملہ کس قدر سنگین ثابت ہوا کہ وہ کہنے والے کی آخرت کی تباہی و بربادی اور نقصان کا باعث بن گیا۔

ہم اپنے ماحول، اپنے معاشرے اور اپنے گردوپیش پر نظر ڈالیں تو بڑی شدت کے ساتھ اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہمیں اپنی زبانوں کی اصلاح کے لئے اس کے بے احتیاط استعمال کی سنگینی اور نقصانات کو بہت اچھی طرح، بہت توجہ اور تفصیل کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے اور آیات و احادیث میں الفاظ کی اہمیت اور سنگینی اس کے فوائد اور نقصانات کو بہت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اسی طرح سلف صالحین رحمہم اللہ کے طرز عمل اور ان کے اقوال زریں سے بھی خوب رہنمائی ملتی ہے۔

زبان کے استعمال میں احتیاط کی ضرورت کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اس بات کو ذہن نشین کرنا ہوگا کہ زیادہ تر گناہ جو انسان سے سرزد ہوتے وہ زبان کی وجہ سے ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صفا پر کھڑے ہوئے اپنی زبان کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے:

"يَا لِسَانُ! قُلْ خَيْرًا تَغْنَمْ، وَاسْكُتْ عَنْ شَرٍّ تَسْلَمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تَنْدَمَ“

اے زبان اچھی بات کہو غنیمتیں پاؤ گی، خاموش رہو تو سلامت رہو گی اس سے قبل کہ تمہیں ندامت اُٹھانی پڑے۔

((فَقِيْلَ لَهُ يَاأَبَاعَبْدَ الرَّحمٰنِ أَهَذَا شَيْءٌ تَقُوْلُهُ أَوْشَيْءٌ سَمِعْتَهُ؟))

تو لوگوں نے اُن سے پوچھا: اے ابوعبدالرحمٰن کیا یہ بات آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں یا آپ نے سن رکھی ہے؟

((فَقَالَ: لا، بَلْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنَّ أَكْثَرَ خَطَايَا ابْنِ آدَمَ فِيْ لِسَانِهِ)) (شعب الايمان للبيهقى: ٤٥٨٤، معجم الكبير للطبرانى: ١٠٤٤٦)

”تو کہا: نہیں! میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے“ کہ بنی آدم کے اکثر گناہ اس کی زبان سے سرزد ہوتے ہیں۔“

اس بات کی ایک دوسری حدیث میں مزید تاکید ملاحظہ فرمایئے، حدیث میں ہے:

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰه حَدِّثْنِيْ بِأَمْرٍ أَعْتَصِمُ بِهِ))

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے کوئی ایسی بات بتایئے جو میں مضبوطی سے تھام لوں، یعنی گویا کہ وہ دین کا خلاصہ ہو!

” قَالَ: قُلْ رَبِّيَ اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ“

تو آپ ﷺ نے فرمایا:” کہو کہ اللہ میرا رب ہے اور پھر اس پر قائم رہو۔“

(صحیح مسلم:٣٨)

یہ جملہ کہنے کو یوں تو ایک مختصر سا جملہ ہے، مگر حقیقت میں یہ اپنے اندر ایسی وسعت رکھتا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ پوری زندگی کو محیط ہے اگر انسان زندگی کے ہر شعبے اور معاملے میں اس کو منطبق کر کے دیکھے کہ کہاں وہ ربی اللہ کے تقاضوں پر پورا اترتا ہے تو اس کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ، اس کے دل میں جاگزیں یہ عقیدہ، اور اس کے اعضاء وجوارح سے اس کے مطابق ادا ہونے والے اعمال اس کی نجات کے لیے کافی ہوں گے۔

"قَالَ: قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ! مَا أَكْثَر مَاتَخَافُ عَلَيَّ؟"

حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں؛ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کونسی بات کا سب سے زیادہ مجھ سے اندیشہ رکھتے ہیں؟

"فَاَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ ثُمَّ قَالَ، هٰذَا"

تو اس پر آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑا اور پھر فرمایا: یہ۔"

(سنن ترمذی:۲۹۷۲)

اندازہ کیجئے! بات میں احتیاط کی اسلام میں کس قدر شدید تاکید کی گئی ہے، مگر تعجب ہے کہ آپ ﷺ کو امت پر سب سے زیادہ جس بات کا ڈر، خوف، خطرہ اور اندیشہ ہے، امت اسی قدر اس کے بارے میں بے فکر، بے خوف اور لاپرواہ نظر آتی ہے۔ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں اگر اس بات کا جائزہ لیں تو ہمیں کہیں بھی احتیاط نظر نہیں آتی۔

دین کا کام کرنے والے بہت سے لوگ ضعیف، موضوع اور من گھڑت احادیث بیان کرتے چلے جاتے ہیں جو کہ آپ ﷺ پر بہتان تراشی ہے اور اس کے سخت ترین نتائج سے امت کو آگاہ بھی کر دیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ"

جو شخص جان بوجھ کر میری طرف سے جھوٹ بولے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔"

(صحیح البخاری:۱۱۰، صحیح مسلم:۳)

یعنی وہ جہنم میں اپنی سیٹ پکی کرتا ہے تو دین کا کام کرنے والے بہت سے لوگ اپنے عقیدے، اپنے مسلک اور اپنے نظریے کو سچ ثابت کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اقوال و اعمال اور ان کے عقائد و نظریات اور ان کے فہم و ادراک کو نظر انداز کر کے قرآن و حدیث کی من مانی تاویلیں اور معنوی تحریف کرتے ہیں۔

اسی طرح معاشرے کی اصلاح، ہمدردی اور خیر خواہی کی بنا پر قائم ہونے والے ادارے، جن کے سرفہرست میڈیا ہے، وہ سراسر ایک کاروبار ہے جو لوگوں کو آپس میں لڑا کر، فتنہ و فساد پیدا کر کے، بے حیائی، اور فحاشی کو رواج دے کر کیا جاتا ہے۔ رہی عوام تو وہ اپنے تمام تر معمولات زندگی میں چاہے وہ کاروبار سے متعلق ہوں، ملازمت ہو یا گھریلو زندگی ہو، تمام تر احتیاطات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بے دریغانہ زبان کا استعمال کرتے ہیں۔

زبان کے استعمال میں احتیاط ایک بہت بڑا اور بہت مشکل معاملہ ہے، ہرگز آسان نہیں ہے، جب تک اللہ اور آخرت پر ایمان مضبوط نہ ہو اور احتساب کا ڈر موجود نہ ہو زبان پر ضبط نہیں کیا جاسکتا۔

زبان پر ضبط حاصل کرنے کے لیے خواہشاتِ نفس پر ضبط کرنا پڑتا ہے، غصے کو دبانا پڑتا ہے، اپنی ہستی کی نفی کر کے، اپنی انا کو مار کر، اپنی خواہشات کو دبا کر، اپنے جذبات کو ضبط کر کے، تکبر اور نخوت کو روند کر، زبان پر ضبط کیا اور اسے پھسلنے سے بچایا جاسکتا ہے اور بے جا اور بے احتیاط استعمال سے بچایا جاسکتا ہے۔

ان خامیوں اور کوتاہیوں کی موجودگی میں زبان کو اچھی بات کا پابند نہیں کیا جاسکتا، اس کی اصلاح نہیں کی جاسکتی، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان زبان کی درستی کا ذریعہ اور باعث قرار دیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ“

(صحيح البخاري: ٦٠١٨)

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔“

اللہ اور یوم آخرت پر تو ہر مسلمان کا ایمان ہے مگر ہم میں سے شاید ہی کسی کو اچھی بات کہنے اور بصورت دیگر خاموش رہنے کی توفیق ہو!

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تو مطلب یہ ہے کہ زبان کی اصلاح کے لیے، اس کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لیے سرسری ایمان کی نہیں، بلکہ اس ایمان کی ضرورت ہے جو دل کی گہرائیوں میں اتر چکا ہو، جو دل میں پختہ اور جاگزیں ہو چکا ہو، جس میں دل اور زبان ہم آہنگ اور یک جان ہوں۔

زبان کی اصلاح کے لئے اس ایمان کی ضرورت ہے کہ جس کی تعریف کچھ یوں ہے:

"اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ ، وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ وَعَمَلٌ بِالْجَوَارِحِ "

(الشريعة للآجري، ج: ٢، ص: ٦١١)

"ایسا ایمان کہ جس کا زبان سے اقرار ہو، دل اس کی تصدیق کرے اور اعضاء و جوارح اس کے مطابق عمل کریں۔"

وہ ایمان نہیں کہ جس کی نفی کرتے ہوئے قرآن پاک کہتا ہو:

"لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا"

"تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔"

﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (الحجرات: ١٤)

"ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔"

انسان زبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے تو سب جان لیتے ہیں کہ اس نے اقرار کیا، مگر جب دل کے ایمان کی بات ہو تو چونکہ وہ نظر نہیں آتا، سنائی نہیں دیتا، حواس خمسہ سے اسے محسوس نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور اس کی دلیل عمل ہے، تو گویا کہ جب ایمان دل میں گھر کر جاتا ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اعضاء و جوارح سے عمل کی صورت میں اس کا اظہار ہوتا ہے اور بھرپور جذبے اور شوق سے اور شد و مد سے ہوتا ہے لیکن عمل میں اگر وہ جذبہ اور ولولہ نظر نہ آئے تو پھر اس کا ایمان وہ مقام اور درجہ نہیں پاتا کہ جس پر ایمان کا لفظ صادق آتا ہو تو اس کے ایمان کو اسلام کا درجہ دیا جاتا ہے، لیکن اس کے عمل میں کسل، بے دلی اور پژمردگی اگر زبان اور دل میں تضاد کی وجہ سے ہو تو پھر اسے دائرہ اسلام سے خارج کر کے نفاق کے زمرے میں کر دیا جاتا ہے اور (واذا قاموا الی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الصلاۃ قاموا کسالی) والے صرف اُن لوگوں پر نفاق کا لقب چسپاں ہوتا ہے جن کا ظاہر اور باطن مختلف ہو۔

تو بات ہو رہی تھی کہ صرف ایسا ایمان ہی زبان کی اصلاح کا باعث بن سکتا ہے جو دل کی گہرائیوں میں اتر چکا ہو ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سرسری ایمان زبان کو بے احتیاطی سے نہیں روک سکتا اور بے احتیاط اور بے لگام زبان انسان کو اس دنیا میں بھی ذلیل و رسوا کر دیتی ہے اور آخرت میں اعمال سے کنگال اور سزا کا مستحق بنا دیتی ہے۔

وہ مشہور حدیث تو آپ نے سن رکھی ہوگی، جس میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا:

"اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟"

''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس اور کنگال کیا ہوتا ہے؟''

"قَالُوْا: الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ"

تو انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک تو مفلس وہ ہے جس کے پاس کوئی مال و متاع نہ ہو، پیسے نہ ہوں۔

"فَقَالَ: اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ يَاْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَـأْتِـيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا"

تو فرمایا: ''میری امت میں سے مفلس اور کنگال وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکاۃ لے کر آئے گا مگر ساتھ ہی یہ اعمال بھی لے کر آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بدکاری کا الزام لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا۔''

"فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ"

تو اس کو اُس کے جرم کی سنگینی کے مطابق اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور اس دوسرے کو بھی دی جائیں گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"فَـاِنْ فَـنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ اَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَا هُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِى النَّارِ" (صحيح مسلم: ٢٥٨١)

"اور اس کے جرموں کا فیصلہ ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو پھر اُن کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے، اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔"

تو بتلائیے! کیا یہ بات باعثِ تشویش نہیں ہونی چاہیے کہ ایک طرف آدمی اتنی محنت کر کے کچھ نیکیاں جمع کرے اور دوسری طرف زبان کی بے احتیاطی کی وجہ سے ضائع کرتا جائے۔

ایسے آدمی کو کیسے کوئی عقلمند، صاحب علم اور مالدار سمجھ سکتا ہے، وہ تو کنگال ہے، مفلس ہے، اس کا تو دیوالیہ ہو چکا ہے۔

جب زبان کی بے احتیاطی کا اس قدر شدید اور سنگین انجام ہو تو پھر تو صرف ایک ہی آپشن رہ جاتا ہے کہ آدمی خاموش رہے۔

جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جب ان سے کہا گیا کہ:

"دُلَّـنَـا عَـلٰـى عَمَلٍ نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ قَالَ: لَا تَنْطِقُوْا أَبَدًا قَالُوْا: لَا نَسْتَـطِيْـعُ ذٰلِكَ فَقَالَ: فَـلَا تَنْطِقُوْا اِلَّا بِخَيْرٍ" (احيـاء علوم الدين / آفـات اللسان ، ج: ٣ ، ص: ١١٠ ، الصمت لابن ابى الدنيا ، ص : ٦٦ ، رقم : ٤٦)

کہ ہمیں ایسا عمل بتلائیے کہ جس کی وجہ سے ہم جنت میں داخل ہو جائیں، انہوں نے فرمایا: "تم بولنا قطعاً بند کردو" وہ کہنے لگے: ہم اس بات کی طاقت نہیں رکھتے، تو انہوں نے جواباً کہا: "تو پھر خیر و بھلائی والی بات ہی کیا کرو۔"

ایسے ہی زبان کی حفاظت کے حوالے سے حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((مَاعَقَلَ دِيْنَهُ مَنْ لَمْ يَحْفَظْ لِسَانَهُ))

(شعب الإيمان للبيهقي : ٤٣٦٠)

"وہ دین کو سمجھا ہی نہیں جو اپنی زبان پر ضبط نہ رکھ سکا۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زبان پر ضبط حاصل نہ ہونے کی متعدد وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم اگر کسی مجلس میں خاموش رہیں تو ہمیں محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ لوگ کیا کہیں گے کہ اس کو بات کرنا نہیں آتی، اس کے پاس علم نہیں ہے، یہ تو بے چارہ سیدھا سا لگتا ہے، اتنا ہوشیار اور سمجھدار نہیں لگتا، چنانچہ ہم اپنی خفت مٹانے کے لئے پھر کچھ نہ کچھ بولتے ہیں چاہے اس کا کوئی سر پیر نہ بھی ہو۔

جبکہ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر نظر ڈالیں تو آپ ﷺ بہت کم گفتگو فرماتے، حالانکہ آپ ﷺ زیادہ گفتگو بھی فرماتے تو حق اور سچ ہی ہوتی کہ آپ ﷺ تو مزاح میں بھی جھوٹ بات نہ فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں زبان کی تباہ کاریوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہمیت حفظِ لسان

﴿يَّوۡمَ تَشۡهَدُ عَلَيۡهِمۡ اَلۡسِنَتُهُمۡ وَاَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝٢٤﴾

(النور : ٢٤)

گذشتہ گفتگو میں بات سمجھنے کی کوشش کی گئی کہ زبان ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اگر اس کا استعمال صحیح نہ ہو تو یہ انسان کی دنیا و آخرت کے لئے تباہ کن بھی ہے اور ادھر یہ بھی ایک حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں کہ انسان زبان کا صحیح استعمال کم اور غلط زیادہ کرتا ہے۔ الا ماشاء اللہ

زبان کے صحیح اور غلط استعمال کی تفصیل تو بہت طویل ہے، مگر اس کا خلاصہ کچھ یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

((كَلامُ ابْـنِ آدَمَ كُـلُّـهُ عَلَيْهِ لاَلَهُ ، إِلّا أَمْرًا بِمَعْرُوْفٍ ، أَوْ نَهْيًا عَنْ مُنْكَرٍ ، أَوْ ذِكْرَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلّ)) (الجامع الصغير : ٦٤١٧)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابن آدم کی ہر بات اس کے خلاف ہے، اس کے حق میں نہیں ہے، سوائے اس کے کہ نیک بات کا حکم کرنا، برائی سے روکنا یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔''

اور ایک دوسری حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّكَ لَـنْ تَـزَالَ سَالِمًا مَا سَكَتَّ ، فَإِذَا تَكَلَّمْتَ كُتِبَ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ)) (صحيح الترغيب للألباني : ٢٨٦٦)

تم جب تک خاموش رہو گے سلامت رہو گے جونہی تم نے کلام کیا تمہارے حق میں لکھا گیا یا تمہارے خلاف لکھا گیا۔

اور پھر اس خلاصے کا بھی خلاصہ اور لب لباب یہ بیان فرمایا کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((مَنْ صَمَتَ نَجَا)) (ترمذي : ٢٥٠١)

جس نے خاموشی اختیار کی وہ نجات پا گیا۔

گویا کہ زبان کھولنا، گفتگو کرنا محتاط سے محتاط ترین آدمی کے لئے بھی خطرے سے خالی نہیں ہے، چہ جائیکہ کوئی شخص بے احتیاطی سے اور فری سٹائل میں بات کرے، وہ بات کرتے ہوئے اصول وضوابط کی پابندی کرے، نہ شریعت کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھے، نہ اخلاق کی پرواہ کرے اور نہ آداب کا لحاظ رکھے، تو آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ پھر اُس کی گفتگو کتنی خطرناک اور کس قدر تباہی کا باعث ہوسکتی ہے۔

یقیناً بے احتیاط گفتگو انسان کی دنیا اور آخرت کے لئے نہایت ہی مہلک اور تباہ کن ہے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس حقیقت کو دل کی گہرائی سے سمجھنا اور اس کی سنگینی کو پورے یقین اور اعتقاد کے ساتھ ماننا شاید اتنا آسان نہیں ہے، کیونکہ دنیا کی رونقوں اور رعنائیوں کا ایک حد تک انحصار گفتگو پر ہی ٹھہرتا ہے، تاہم یہ کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں ہے کہ کوئی متوسط درجے کی سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص اس کو سمجھ نہ سکے۔

اصل بات یہ ہے کہ کوئی اسے سمجھنا ہی نہیں چاہتا، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس سے دنیا کی رونقیں ختم ہوجائیں گی، اس کی رعنائیاں جاتی رہیں گی، شادی بیاہ کی تقریبات کی رونقیں ماند پڑجائیں گے، شور شرابے، اوٹ پٹانگ، ناچ گانے اور ڈی جے کے مواقع میسر نہیں آئیں گے، سیاسی جلسوں اور جلوسوں میں بے ہودگی، ہلڑ بازی، الزام تراشی اور ڈانس اور بھنگڑوں سے لطف اندوز ہونا تو ایک خواب بن کر رہ جائے گا، بازار سونے اور ویران ہوجائیں گے، ان میں کشش باقی نہیں رہے گی کہ آدمی محض گھومنے کی غرض سے وہاں جاسکے، حتی کہ دینی جلسوں میں بھی وہ چاشنی باقی نہ رہے گی، کیونکہ پھر نہ وہاں دشنام طرازی ہوگی، نہ کفر کے فتوے ہوں گے نہ طعن وتشنیع ہوگی اور نہ نعرے بازی ہوگی۔

تو بیشتر لوگ زبان کے بے دریغ استعمال اور بے احتیاط گفتگو کی سنگینی کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے، مگر تجاہل عارفانہ سے نتائج تو بدلنے سے رہے، کوئی سمجھنا چاہے یا نہ چاہے، نتائج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدستور وہی رہیں گے۔

اور عقل مند انسان کی نظر ہمیشہ نتائج پر ہوتی ہے، لیکن لوگوں کی غالب اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ فوری حاصل ہونے والی لذت کی طرف لپکتی ہے، نتائج کی پرواہ کئے بغیر، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۝ ﴾ (القیامة: ۲۰-۲۱)

"ہرگز نہیں! اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز (یعنی دنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔"

انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ اخلاقی پابندیاں اسے ناگوار گزرتی ہیں، وہ فسق و فجور میں تسلسل چاہتا ہے۔

﴿ بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۝ ﴾ (القیامه: ۵)

"انسان چاہتا ہے کہ وہ آگے بھی فسق و فجور اور بداعمالیاں کرتا رہے۔"

تو زبان کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لئے لازمی ہے کہ انسان پہلے اس حقیقت کو دل و جان سے تسلیم کرے، پختہ یقین کے ساتھ اور دل کی گہرائیوں سے اس کو مانے کہ گفتگو میں بے احتیاطی انسان کو اس دنیا میں ذلیل ورسوا کرتی ہے، اس کی شخصیت کو مجروح کرتی ہے اور آخرت میں بھی اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔

اگر وہ اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہے، اچھا انسان بننا چاہتا ہے، ان پریشانیوں، مصیبتوں اور نقصانات سے بچنا چاہتا ہے تو اِس تسلیم و اعتراف اور یقین و اعتقاد کے بغیر وہ اپنا مقصود حاصل نہیں کرسکتا۔

یاد رہے کہ زبان کی اصلاح کی جانب یہ پہلا اور بنیادی قدم ہے، ورنہ اس کی اصلاح کی راہ میں رکاوٹ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں، بتدریج انہیں بھی دور کرنا ہوگا اس حقیقت سے انکار کی صورت میں کوئی اپنے آپ کو دھوکہ تو دے سکتا ہے مگر نقصان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی اپنی بے راہ روی کا الزام تو دوسروں کو دے سکتا ہے، ان کا مذاق اڑا کر، اُن پر پھبتیاں کس کر لطف اندوز تو ہوسکتا ہے اور بزعم خویش اپنے طرز عمل کا جواز تو پیش کرسکتا ہے، مگر حقائق کو نہیں بدل سکتا، وہ اپنے رویے کی سندِ جواز پیش کرنے کے لئے دوسروں کا مذاق اڑا سکتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾﴾ (المطففين : ٢٩-٣٢)

’’مجرم لوگ دنیا میں ایمان لانے والوں کا مذاق اڑاتے تھے، جب ان کے پاس سے گزرتے تو آنکھیں مار مار کر اُن کی طرف اشارے کرتے تھے اور جب اپنے گھروں کی طرف پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے پلٹتے، اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے کہ: یہ بہکے ہوئے لوگ ہیں۔‘‘

مگر حقیقت یہ ہے کہ اپنی اصلاح کے بجائے دوسروں کا مذاق اڑا کر اپنے آپ کو مطمئن کرنے اور اپنے رویے کو جائز اور درست ثابت کرنے کی یہ ایک ناکام کوشش ہے۔

حقیقت میں یہ روش تو کفار ومشرکین کی تھی مگر افسوس کہ آج یہ رویہ اس مسلم معاشرے میں بھی بڑے فخر کے ساتھ اپنایا جاتا ہے، دین دار لوگوں کا اور دین کا کام کرنے والوں کا مذاق اڑا کر خوش ہوا جاتا ہے۔کوئی کہتا ہے:

زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر
یا وہ جگہ بتا جہاں پر خدا نہ ہو

اور کوئی کہتا ہے:

نشہ اگر شراب میں ہوتا تو ناچتی بوتل

تو اس طرح کی ہرزہ سرائی کرکے وہ اپنے ہم نواؤں سے خوب داد وصول کرتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ بڑے نادان ہیں، وہ جسے کسی شخص کا مذاق اڑانا سمجھتے ہیں وہ درحقیقت

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دین کا مذاق اڑانا ہے، اور اس بارے میں قرآن و حدیث میں بڑی شدید وعید بیان کی گئی ہے، جو کہ ایک دوسرا موضوع ہے۔

تو زبان کے بے احتیاط استعمال کے نقصانات کی بات کررہے تھے، کہ یہ ایک بہت ہی حساس، خطرناک اور سنگین مسئلہ ہے اور اس کی سنگینی کو سمجھنے کے لئے قرآن و حدیث کے بہت سے دلائل میں سے ہم نے چند ایک کا ذکر کیا ہے۔

اس مسئلے کی اہمیت اور حساسیت کو سمجھنے کے بعد زبان کی اصلاح کی جانب دوسرا سب سے اہم قدم، تکبر، نخوت اور غصے سے جاں چھڑانا ہے، ان چیزوں کے ہوتے ہوئے زبان پر ضبط نہیں کیا جاسکتا، زبان کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

بے جا غصہ آدمی کو ظلم و زیادتی پر ابھارتا ہے، وہ زیادتی ہاتھ سے بھی ہوسکتی اور زبان سے بھی، اور زیادہ تر زبان سے ہی ہوتی ہے اور غصہ بہادری کی نہیں بلکہ کمزوری کی علامت ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ ، اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِیْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ" (صحيح البخاري : ٦١١٤)

"پہلوان اور طاقت ور وہ نہیں جو اکھاڑے میں اپنے مدمقابل کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو پائے۔"

کوئی شخص جسمانی طور پر کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، لیکن اگر وہ غصے کی حالت میں اپنے آپ پر ضبط نہیں کرپاتا تو اس کی حالت قابل رحم ہوتی ہے، جسمانی طاقت کے حساب سے وہ پہلوانوں جیسا ہوتا ہے، مگر دماغ اس کا بچوں جیسا ہوتا ہے۔

جیسا کہ بچے کو جب غصہ آتا ہے تو وہ آپے سے باہر ہوجاتا اور ضدی سا بن جاتا ہے، ایسے ہی وہ شخص جو غصے پر قابو نہ پاسکے تو اس کے ہوش ٹھکانے نہیں رہتے، بسا اوقات اپنے آپ کو ہی گالیاں دینے لگتا ہے، بیوی کو طلاق دے دیتا ہے، برتن توڑتا ہے، چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکتا ہے، اور جو منہ میں آئے کہتا چلا جاتا ہے، غصے میں لال پیلا ہورہا ہوتا ہے، منہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جھاگ نکل رہی ہوتی ہے سر اور گردن کی رگیں یوں پھول رہی ہوتی ہیں لگتا ہے کہ بس پھٹنے ہی والی ہیں۔

تو غصے پر ضبط کرنا، برداشت کرنا اصل بہادری ہے، رستم زمان گاما پہلوان کا نام آپ نے یقیناً سن رکھا ہوگا، ہندوستان کی تاریخ میں اس جیسا پہلوان آج تک پیدا نہیں ہوا، کہتے ہیں کہ کسی ایک کمزور سے شخص نے ایک بار اس کے سر پر کوئی چیز ماری، جس سے اس کے سر سے خون بہنے لگا، گاما نے اپنے سر پر کپڑا لپیٹا اور خاموشی سے گھر چلا آیا، کسی نے کہا: تعجب ہے! آپ نے اس کو کچھ بھی نہیں کہا: حالانکہ آپ اگر اس کو ایک تھپڑ بھی مار دیتے تو شاید اس کی جان ہی نکل جاتی؟

تو گامے نے کہا: مجھے میری طاقت نے پہلوان نہیں بنایا، میری برداشت نے پہلوان بنایا ہے، اور میں اس وقت تک رستم زمان رہوں گا جب تک میری قوتِ برداشت میرا ساتھ دے گی۔

تو آدمی کی اصل طاقت اور اس کی عزت اس کی قوت برداشت میں ہے، اور یقیناً آدمی کی بڑی بڑی خوبیوں میں سے ایک بہت بڑی خوبی اور صفت اس کی قوت برداشت ہے۔

ہم لوگ ہڈیوں اور گوشت کے ڈھانچے کو انسان سمجھتے ہیں جبکہ روح کے بغیر انسان کا ڈھانچہ اگرچہ انسان ہی ہوتا ہے، مگر زندہ نہیں ہوتا اور جسم اور روح کے ساتھ انسان زندہ تو ہوتا ہے، مگر اس کے اچھے یا برے ہونے کا تعین ابھی باقی ہوتا ہے۔

اچھا انسان ہونے کے لئے کچھ مخصوص اچھی صفات کا ہونا ضروری ہے اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو کوئی انسان اچھا انسان نہیں کہلا سکتا۔ اچھی صفات کی فہرست تو بہت طویل ہے، جو کہ اس وقت ہمارا موضوع سخن نہیں ہے، ہم اس وقت صرف اس ڈھانچے کو اچھی صفات کا پیرہن پہنانے کی ضرورت واہمیت پر بات کر رہے ہیں۔

ہم میں سے ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا ڈھانچہ دِکھنے میں اچھا لگے، آدمی کی شخصیت پروقار، پرکشش اور معتبر نظر آئے اور اس کے لئے وہ اچھے سے اچھا لباس زیبِ تن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے، خوشبو لگاتا ہے اور دیر تک آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بال سنوارتا ہے اور جب وہ بن ٹھن کر گھر سے باہر قدم رکھتا ہے تو پھر اس کی گردن اکڑ جاتی ہے سینہ تن جاتا ہے اور چال میں غرور آ جاتا ہے۔

وہ اپنی شخصیت کا مظہر خوشنما بنانے میں تو ایک حد تک کامیاب ہو جاتا ہے، مگر اس کا یہ ظاہری روپ اُس وقت تک بہروپ ہی ہوتا ہے جب تک وہ اپنے اندر کے انسان کو خوبصورت اور خوشنما لباس نہیں پہنا لیتا۔

اور اندر کے انسان کا لباس، لباس التقوی ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴾ (الاعراف: ٢٦)

”اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے، کہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تقوی کا لباس ہے۔“

اور جب تک اندر کا انسان لباسِ تقوی زیبِ تن نہیں کر لیتا تو انسان کی شخصیت کا سٹیٹس مکمل نہیں ہوتا، پینڈنگ رہتا ہے، اور تب تک اس کا روپ بہروپ رہتا ہے، کہ جس سے وہ لوگوں کو بھی دھوکہ دیتا ہے اور اپنے آپ کو بھی۔

یہ ظاہری شان و شوکت اور یہ میک اپ انسان کا ڈھانچہ تو اچھا بنا دیتے ہیں مگر اسے ایک اچھا انسان ہرگز نہیں بنا سکتے، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ انسانیت دولت سے نہیں ہوتی، بت اگر سونے کا بھی بن جائے تو انسان نہیں کہلاتا۔

انسان ظاہر اور باطن کے تضاد سے آدھی اچھی اور آدھی بری شخصیت نہیں بنتا، بلکہ پوری مکروہ شخصیت بن جاتا ہے، جیسا کہ اگر کوئی شخص سوٹڈ بوٹڈ ہو کر ٹائی وائی لگا کر بال سنوار کر خوشبو لگا کر اور پوز بنا کر مجسمے کی طرح کھڑا ہو، یا کوئی شخص چہرے پر ڈاڑھی سجا کر، جبہ و دستار پہن کر، سر جھکا کر، آنکھوں سے چند آنسو بہا کر، شعلہ بیانی کے جوہر دکھا رہا ہو، مگر جاننے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

والا اس کے اندر کے انسان سے واقف ہو، اس نے اس کے اندر کے انسان کے جوہر بھی دیکھے ہوں جو اس کی زبان کے ذریعے باہر آئے ہوں، تو اس کی شخصیت کا تصور جو اس کے ذہن میں ثبت ہوگا وہ آپ جانتے ہیں۔

تو خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ زبان کی حفاظت اور زبان کی اصلاح انسان کی دنیوی اور اخروی کامیابی کے لئے نہایت ضروری اور اہم ہے۔

اور حفاظت کا مطلب اچھی بات کہنا اور غلط بات سے باز رہنا ہے اچھی باتوں کی یقیناً انواع و اقسام ہیں اور ہر اچھی بات کا ایک خاص اجروثواب ہے، قیامت کے دن جہاں انسان کے اعمال تولے جائیں گے تو وہاں ان میں اس کی اچھی باتیں بھی تولی جائیں گی اور اچھی باتوں کا ایک سے بڑھ کر ایک ثواب ہوگا مگر ایک اچھی بات ایسی بھی ہوگی کہ جو میزان میں سب سے زیادہ بھاری ہوگی اور وہ اچھی بات حسن اخلاق ہوگی، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" مَامِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِی الْمِیْزَانِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ "

(سنن ابی داود: ٤٧٩٩)

حسن اخلاق سے بڑھ کر میزان میں اور کوئی چیز بھاری نہیں ہوگی۔''

اور حسن اخلاق کا ایک ایسا بہت بڑا اجروانعام ہوگا جو کہ ہر سچے مسلمان کی اولیں خواہش ہے وہ اسے حاصل ہو اور وہ یہ کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا))

''تم میں سے سب سے زیادہ میرے پسندیدہ اور قیامت کے دن مجلس میں میرے سب سے قریب وہ لوگ ہوں گے: جو تم میں سے اخلاق کے اچھے ہیں۔''

دوسری طرف زبان کی بے احتیاطی کے نتیجے میں ہونے والے بڑے بڑے نقصانات میں سے ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” وَاِنَّ اَبْغَضَكُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَكُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ ، وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَیْهِقُوْنَ “ (ترمذي : ٢٠١٨)

” اور تم میں سے مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے دور وہ لوگ ہوں گے جو باتونی ہیں، جو باچھیں بھر بھر کر اور رعونت بھرے لہجے میں بات کرنے والے ہیں۔

بک بک کرنے والوں کا یہ انجام تو آخرت میں ہوگا جب کہ دنیا میں بھی اس کے نقصانات ہیں، جن میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ لوگ اس سے ڈرتے اور نفرت کرتے ہیں اور اس کے قریب نہیں ہونا چاہتے کہ کہیں زبان کے تیرونشتر سے زخمی نہ کردے اور جب وہ مرتا ہے تو لوگ سکھ کا سانس لیتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

چنانچہ کچھ اسی حوالے سے نصیحت کرتے ہوئے امام الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِحْفَظْ لِسَانَكَ أَيُّهَا الْإِنْسَانُ
لَا يَلْدَغَنَّكَ إِنَّهُ ثُعْبَانُ
كَمْ فِيْ الْمَقَابِرِ مِنْ قَتِيْلِ لِسَانِهِ
كَانَتْ تَهَابُ لِقَاءَهُ الْأَقْرَانُ

اے انسان اپنی زبان کو سنبھال کہ کہیں تمھیں ڈس نہ لے کہ وہ تو سانپ ہے، کتنے ہی اپنی زبانوں کے گھائل اور زخم خوردہ اور اپنی زبانوں کی وجہ سے قتل کیے گئے آج قبروں میں پڑے ہیں، کہ جن کے ہمعصران کا سامنا کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری زبانوں کے شر سے محفوظ فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمين

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبان کی بے احتیاطی کی شدتِ مضرت

﴿يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

(النور : ٢٤)

گذشتہ چند جمعوں سے زبان کی ضرورت و اہمیت اور افادیت کی بات ہو رہی ہے اور دوسری طرف اس کے نقصانات کا ذکر بھی ہو رہا ہے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ زبان کے صحیح استعمال سے کس طرح مستفید ہوا جاسکتا ہے اور اُس کے غلط استعمال اور اس کے نقصانات سے کس طرح بچا جاسکتا ہے۔

اب سؤال یہ ہے کہ اتنے دنوں کی بحث وتمیص اور آ گاہی کے بعد، قرآن وحدیث کے ٹھوس دلائل اور پند ونصائح سننے کے بعد کیا ہم اس نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں کہ ہاں واقعی زبان کے غلط استعمال کے اتنے ہی سنگین اور شدید نتائج ہیں کہ اس سے آدمی کی دنیا بھی برباد ہوسکتی ہے اور آخرت بھی تباہ ہوسکتی ہے اور ہمیں ہر حال میں اس سے بچنا ہے یا ہم وہیں کے وہیں کھڑے ہیں کہ جہاں سے سفر شروع کیا تھا، اور اگر دوسری بات ہے تو معاملہ انتہائی قابلِ تشویش ہے۔

یہ تو معلوم نہیں کہ ہم میں سے کون کس حد تک زبان کی سنگینی کو سمجھا ہے، مگر عمومی طور پر دین کی باتیں یوں آسانی سے سمجھ میں نہیں آتیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دین کی باتیں کوئی ایسی مشکل ہوتی ہیں کہ سمجھ نہ آسکیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ دنیا کی کشش سمجھ آنے ہی نہیں دیتی، وہ انسان کی عقل پر ایسا دبیز پردہ ڈال دیتی ہے کہ لبِ گور تک ہوش آتے ہی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝﴾ (التکاثر: ١-٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" تم لوگوں کو ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ اس فکر میں تم لبِ گور تک پہنچ جاتے ہو۔"

دین کی باتیں اس لئے سمجھ میں نہیں آتیں کہ ہم نے خواہشات کے جو محل تعمیر کر رکھے ہیں وہ چکنا چور ہوتے ہوئے نظر آنے لگتے ہیں، ورنہ دین انسان سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرتا جو اس کی سمجھ سے بالاتر ہو، جو عقل سلیم کے معارض ہو، بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان کا ذریعہ ہی عقل وفکر کو قرار دیتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾﴾ (آل عمران: ۱۹۰-۱۹۱)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن اور رات کے باری باری سے آنے میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں تو وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں، پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے، پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

تو حقیقتاً دین کی باتیں سمجھنا آسان ہیں کیونکہ وہ عقل سلیم اور فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہیں اور دین کی جن باتوں کا غیب سے تعلق ہے وہ وحی کے ذریعے سمجھ میں آتی ہیں، جب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان حاصل ہوگیا تو پھر ہر بات سمجھنا آسان ہوگئی، پھر کوئی بات محیر العقول اور حیرت انگیز تو ہوسکتی ہے مگر سمجھ میں نہ آنے والی نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر کوئی سمجھنا ہی نہ چاہے تو پھر تو آسان سے آسان بات سمجھنا بھی ناممکن ہوجائے گا، جیسا کہ شعیب علیہ السلام کی قوم نے اُن سے کہا تھا:

﴿قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾ ﴾ (هود : ٩١)

’’ انہوں نے کہا: اے شعیب! تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں اور ہم تو تمھیں اپنے اندر بہت کمزور پاتے ہیں، اگر تیرے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تو تجھے سنگسار کر دیتے اور ہم تجھے کوئی حیثیت والی ہستی نہیں گنتے۔‘‘

اب ملاحظہ کیجئے کون سی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں! کہنے لگے:

﴿ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ ﴾ (هود : ٨٧)

’’کہا: اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم اُن سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے، یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنی منشا کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو، بس تو ہی تو ایک عالی ظرف، شریف اور راست باز آدمی رہ گیا ہے!‘‘

تو اُن کو یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ کیسا دین ہے جو کہتا ہے کہ بس ایک اللہ ہی سے مانگتے رہو، تو کیا ہم قبروں پر سجدہ کرنا چھوڑ دیں، فوت شدہ لوگوں سے نہ مانگیں، اور ہم اپنے ہی مال میں اپنی مرضی نہ کرسکیں، اپنی مرضی کا کاروبار، لین دین اور خرید وفروخت نہ کرسکیں! چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی پابندیاں لگادی جائیں کہ بیئر نہیں بیچ سکتے، لاٹو نہیں بیچ سکتے، سود پر مکان نہیں لے سکتے وغیرہ ہم نے کلمہ ضرور پڑھا ہے، مگر کلمہ اپنی جگہ اور کاروبار اور معاملات اپنی جگہ۔

تو دین کی باتیں اس وقت سمجھ نہیں آتیں جب آدمی ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی اختیار کرلے، جب اپنے دل و دماغ میں دنیا کو بسالے اور خواہشات چھا جائیں، ورنہ دین کی باتیں سمجھنا بہت آسان ہیں۔

اب زبان کی اہمیت، اس کی سنگینی، اس کے فوائد اور نقصانات کے بارے میں ہم جو جاننے کی کوشش کررہے ہیں تو اس میں نہ سمجھ آنے والی کون سی بات ہے، دنیا میں زبان کے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

غلط استعمال کے کیسے کیسے شدید نتائج برآمد ہوتے ہیں، آپ لوگوں کو اندازہ ہی ہے، حکومت کے خلاف اگر بات کریں تو غداری کے مقدمے کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ججوں کی ناانصافی کے متعلق بات کی جائے تو توہین عدالت کا مجرم قرار دیا جاتا ہے، کسی فرد کے ذاتی اخلاق و کردار پر بات کی جائے تو ہتک عزت کا قانون حرکت میں آجاتا ہے، اور اُن کیسز کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے جن میں لوگ اپنی عدالت خود لگا لیتے ہیں اور کسی کے منہ سے نکلی ہوئی غلط بات کا جواب ہاتھ سے دیتے ہیں اور بسا اوقات نوبت قتل تک پہنچ جاتی ہے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ زبان کی ایسی ہی اہمیت اور سنگینی اگر قرآن و حدیث میں بیان ہو تو وہ سمجھ میں نہ آئے! یقیناً آخرت کے حوالے سے زبان کی اہمیت و افادیت بھی ایسی ہی ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے کہ اُس سے نکلا ہوا ایک چھوٹا سا خیر کا جملہ حدِ نظر تک پھیلے ہوئے ننانوے دفتروں میں درج گناہوں پر بھی بھاری ہو جاتا ہے اور دوسری طرف بے پروائی اور لاابالی پن میں زبان سے نکلا ہوا ہلکا سا جملہ آدمی کے مسلسل ستر سال تک جہنم میں گرتے رہنے کے مترادف قرار پاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ لَا يَرَى بِهَا بَأْسًا يَهْوِيْ بِهَا سَبْعِيْنَ خَرِيفًا فِي النَّارِ)) (ترمذي : ٢٣١٤)

”آدمی بسا اوقات ایسی بات کہہ دیتا ہے جس میں وہ کوئی حرج نہیں سمجھتا حالانکہ اس کی وجہ سے وہ ستر برس تک جہنم کی آگ میں گرتا چلا جائے گا۔“

پھر بھی اگر کسی کو زبان کے غلط، بے جا اور بے احتیاط استعمال کی سنگینی اور شدت سمجھ نہ آئے تو پھر اسے اس کی کم عقلی اور بدبختی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

بے احتیاط گفتگو کے سنگین نتائج کے حوالے سے بات تو بہت طویل ہے، جس کے لئے مزید کئی ایک نشستیں درکار ہوں گی، تاہم اس سلسلے میں آج چند باتیں ذکر کر کے یہ موضوع ختم کرنا چاہوں گا۔

زبان کے عدمِ احتیاط کے نتیجے میں سنگین نتائج کے حوالے سے ایک مشہور حدیث ہے،

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جس میں آپ ﷺ ایک طویل حدیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو زبان کی حفاظت کی نصیحت کرتے ہوئے اپنی زبان کو پکڑ کر فرماتے ہیں:

" كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا "

اس کو روک کر رکھو!

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا:

((قُلْتُ : يَانَبِيَّ اللّٰهِ ! وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ؟))

اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا ہم باتوں کی وجہ سے پکڑے جائیں گے، کیا ہمارا مؤاخذہ اور محاسبہ باتوں پر بھی ہوگا؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

" ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ! وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ قَالَ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ "

(ترمذي : ٢٦١٦)

" تیری ماں تجھے گم پائے اے معاذ! لوگوں کو جہنم میں ان کے چہروں یا ان کے نتھنوں کے بل اُن کی زبانوں کی کٹائی اور گھائل شدہ چیز ہی تو پھینکے گی۔"

حصیدہ یا حصائد اس کٹی ہوئی کھیتی کو کہتے ہیں کہ جس کا زمین سے لگا ہوا حصہ جو Crops cutting Machine (فصل کاٹنے کی مشین) میں نہیں آتا، اور پھر اسے بے کار، فضول اور ناکارہ ہونے کی وجہ سے آگ لگادی جاتی ہے۔

تو ایسے ہی لوگوں کو اپنی زبانوں سے گھائل کرنے والے لوگ جہنم میں پھینکے جائیں گے۔

اسی طرح ایک وہ مشہور حدیث ہے جو یقیناً آپ نے بہت بار سن رکھی ہوگی، جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

" مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ "

آپ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" فَقَالَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ "

تو فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں ہو رہا، یعنی ایسے بڑے کام نہیں تھے کہ جن سے بچنا مشکل ہو، یا اللہ کے ہاں وہ بہت بڑے ہوں۔

((أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ))

اُن میں سے ایک پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔"

" اَمَّا الآخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ)) (صحيح البخاري : ٢١٨)

اور جو دوسرا تھا وہ چغلیاں کیا کرتا تھا۔"

چغلی اور غیبت وغیرہ ایسے کام ہیں کہ دنیا کے اکثر لوگ کہ اگر 99% کہیں تو شاید بے جا نہ ہوگا، ان سے بچ نہیں پاتے، مگر اس کے باوجود ہر معاشرے میں اسے برا سمجھا جاتا ہے، لیکن زبان کی کچھ لغزشیں ایسی بھی ہیں کہ جنہیں سرے سے گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا، اُن میں سے ایک ہے لوگوں کو ہنسانا، اور جھوٹی باتوں سے لوگوں کو ہنسانا کتنا بڑا جرم ہے۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"وَيْلٌ لِلَّذِيْ يُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ وَيْلٌ لَهُ ، وَيْلٌ لَهُ" (ترمذي : ٢٣١٥)

"ویل ہے، ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو باتیں کرتا ہے، لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے، اس کے لئے افسوس ہے، ہلاکت ہے۔"

یہ بات انسانی معاشرے میں کس قدر عام ہے، سب جانتے ہیں، انفرادی اور عوامی لیول پر بھی یہ برائی لوگوں میں رچی بسی ہوئی ہے اور حکومتی اور غیر حکومتی اداروں کی سطح پر بھی اس کا اہتمام کیا جاتا ہے اور بڑے بڑے خوبصورت نام دیئے جاتے ہیں اور اسے Entertainment کہا جاتا ہے، تفریحی پروگرام کا نام دیا جاتا ہے دل لگی، خوش گپی، ہنسی مذاق اور لطیفے کہا جاتا ہے، جبکہ حدیث میں اس کی کس قدر شدید وعید بیان کی گئی ہے، وہ آپ نے سن ہی لی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوستوں کی ہنسی مذاق کی محفلوں میں، خوشی کے موقعوں پر تقریبات میں، عید ملن پارٹیوں میں، ہنسی مذاق کے نام پر کتنے کتنے گھنٹے، کتنا کتنا بڑا جھوٹ بولا جاتا ہے آپ سب جانتے ہیں۔

اور محفل میں موجود ہر آدمی کی کوشش ہوتی ہے کہ دوسرے سے بڑھ کر کوئی لطیفہ سنائے کہ جس سے محفل ہنسی سے گونج اٹھے۔

تو ایسا ہنسی مذاق جو جھوٹ پر مبنی ہو ہلاکت اور تباہی کا باعث ہے، ہاں اگر کسی سچی بات پر ہنسی مذاق بنتا ہے تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا:

((یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا .))

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے دل لگی کرتے ہیں۔

" قَالَ: اِنِّی لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا " (سنن ترمذی: ۱۹۹۰)

فرمایا: ہاں میں صرف حق بات ہی کہتا ہوں۔"

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا:

((یَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِحْمِلْنِيْ))

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے کوئی سواری کا انتظام فرما دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّا حَامِلُوْكَ عَلَى وَلَدِ نَاقَةٍ))

ہم تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کروا دیں گے۔ تو اس نے کہا:

((وَمَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ))

میں اونٹنی کے بچے کو لے کر کیا کروں گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوْقُ))

تو فرمایا کہ اونٹ کو اونٹنی ہی جنم دیتی ہے، یعنی ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

تو زبان سے سرزد ہونے والے بڑے بڑے گناہوں کا اندازہ آپ کو اس بات سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگیا ہوگا کہ جب جھوٹا مذاق بھی ہلاکت کا باعث قرار دیا گیا ہے تو دوسرے بڑے بڑے گناہوں کا کیا انجام ہوگا۔

زبان کی تباہ کاری کا ایک اس سے بڑا نمونہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ وہ اچھی باتیں جو عمل سے خالی ہوں وہ بھی تباہی کا باعث ہوتی ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيْلَ لَمَّا هَلَكُوْ قَصُّوْا)) (السلسلة الصحيحة : ١٦٨١)

کہ بنی اسرائیل جب ہلاک ہوئے تو وہ قصے بن گئے۔

اس کے دو مفہوم بیان کئے جاتے ہیں:

ایک یہ کہ جب بنی اسرائیل نے عمل کو ترک کر کے وعظ و نصیحت اور قصے کہانیاں بیان کرنے شروع کیے تو وہ ہلاک ہوگئے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب انہوں نے عمل ترک کردیا تو وہ ہلاک ہوگئے اور پھر ان کے قصے بیان کئے جانے لگے۔ داستانیں بن گئے۔

زبان کے غلط استعمال کی سب سے بڑی زد لوگوں کی عزتوں پر پڑتی ہے اور لوگوں کی عزتوں کی حرمت ان کے خون کی حرمت کے برابر ہے، ان کے مال کی حرمت کے برابر ہے اور مکہ المکرّمہ کی حرمت کے برابر ہے، جیسا کہ خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا ، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا)) (بخاري ، كتاب العلم : ٦٧)

''یقیناً تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں تمھارے درمیان حرام ہیں، تمھارے آج کے دن، تمھارے اس مہینے اور تمھارے اس شہر کی حرمت کی طرح۔''

بلکہ بندۂ مؤمن کی حرمت کعبۃ اللہ کی حرمت سے بھی بڑھ کر ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کعبۃ اللہ کی طرف دیکھ کر فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((مَـا أَعْظَمَكِ ، وأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ ، وَالمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللّٰهِ مِنْكِ)) (ترمذي : ٢٠٣٢)

تو کتنا عظیم ہے، تیری حرمت کتنی عظیم ہے مگر مؤمن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے ہاں تیری حرمت سے بڑھ کر ہے۔

مگر ہم ایک دوسرے کی عزت کی حرمت کا لحاظ کہاں تک کرتے ہیں ہم سب خوب جانتے ہیں، اگر ہم کسی کو بیت اللہ کی بے حرمتی کرتے دیکھیں تو ہم میں سے ہر ایک کا ردعمل کیا ہوگا، جو سب سے کمزور ردعمل ہوگا وہ اس عمل کی مذمت ہوگا، مگر مسلمانوں کی عزت سر بازار اچھالی جاتی ہے اور کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی کیونکہ یہ ہمارا اپنا بھی معمول ہے۔

عوام میں لوگوں کی طرف سے جو ایک دوسرے کی عزت اچھالی جاتی ہے وہ اپنی جگہ مگر کمرشل میڈیا، سوشل میڈیا اور جلسوں اور جلوسوں میں جو لوگوں کی عزت کو تار تار کیا جاتا ہے، نہ دنیا کے کسی قانون کا ڈر ہے اور نہ آخرت کے عذاب وعقاب کا خوف، حالانکہ آخرت کے ہلکے سے ہلکے عذاب کا تصور بھی رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زبانوں کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جہنم کی گرمی

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ۚ لَّوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴾ (التوبة : ٨١)

اللہ تعالیٰ نے اپنے مسلمان بندوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے خطبۂ جمعہ کی صورت میں جو انتظام اور انعام فرمایا ہے وہ اس کا بہت بڑا احسان ہے، اس پر جتنا بھی اس کا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

دنیا میں انسان کو راہ راست سے بھٹکانے ، راہ حق سے بہکانے، اس کی مصنوعی خوبصورتی کا گرویدہ بنانے، عارضی، ناقص، ادھوری اور نا تمام نعمتوں کی کشش اور لذت کے ساتھ ورغلانے اور کھیل تماشے میں مشغول ومگن کرنے اور الجھانے کے سامان بہت زیادہ ہیں ،ضرورت تو اس بات کی ہے کہ انسان قدم قدم پر اپنی اصلاح کی فکر اور سعی و جہد کرے اور اس کے بہانے تلاش کرے،مگر اُس چیز کے لئے کہ جو سر کی آنکھ سے دیکھی نہیں جاسکتی صرف تصور، ایمان اور دل کی آنکھ سے نظر آتی ہے انسان کے پاس اتنی فرصت کہاں کہ اُس کے لئے کچھ اضافی وقت نکالے، چنانچہ خطبۂ جمعہ کے لئے ہی حاضر ہوجانا ایک بہت بڑی غنیمت اور سعادت سمجھا جاتا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو اس کی بھی توفیق نہیں ہوتی اور بہت سے ایسے بھی ہیں کہ وہ یوں تو جمعے کے لئے ایک خصوصی اہتمام کرتے ہیں، مگر وہ پھر بھی اس کی سعادت سے محروم رہتے ہیں اور وہ یوں کہ وہ صرف نماز میں شامل ہونے کے لئے آتے ہیں خطبہ سننے نہیں آتے شاید کہ وہ نصیحت کی باتیں سننا وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں۔

خیر خطبۂ جمعہ اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑا انعام اور احسان ہے، کہ اس کے ذریعے لوگوں کو روزانہ کی بنیاد پر پیش آنے والے بے شمار مسائل اور معاملات میں قرآن و حدیث کی روشنی میں رہنمائی ملتی ہے، اس میں عقائد و نظریات کی اصلاح ہوتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، معاملات کی درستی ہوتی ہے، اخلاقیات کی تطہیر ہوتی ہے، ایمان کی تجدید ہوتی ہے، اور نت نئے پیدا ہونے والے مسائل میں آگاہی اور سَمت وجہت ملتی ہے اور اگر اصلاحِ احوال کی یہ سہولت میسر نہ ہوتی تو آپ اندازہ نہیں کرسکتے کہ اسلامی معاشرہ کس قدر بے راہ روی کا شکار ہوتا، اب جبکہ مسلمانوں کو یہ سعادت حاصل ہے تو حال یہ ہے کہ معاشرے میں بہت بڑا بگاڑ پیدا ہو چکا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہوتا تو کیا ہوتا!

معاشرے کی بے راہ روی کے یقیناً بہت سے اسباب ہیں اُن اسباب کا تفصیلاً ذکر تو اس وقت ممکن نہیں، البتہ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب کسی معاشرے کے سرکردہ اور خوشحال لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو وہ معاشرہ تباہ و برباد ہوجاتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾﴾ (الاسراء: ١٦)

جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہوجاتا ہے اور ہم اسے برباد کرکے رکھ دیتے ہیں۔

یعنی یہ ایک قانون فطرت ہے کہ جب کسی قوم کی شامت آنے والی ہوتی ہے تو اس کے خوشحال لوگ فاسق ہوجاتے ہیں۔

آج ہم تمام انسانی معاشروں کے بجائے صرف اسلامی معاشروں کے خوشحال اور سرکردہ لوگوں کو ہی دیکھیں، اُن کے لیڈروں اور رہنماؤں کو دیکھیں تو ان میں سے بہت سوں کا حال یہ ہے کہ وہ اخلاق و کردار کے بھی گندے، عقائد ونظریات کے بھی گندے، زبان و بیان کے بھی گندے، اپنے جلسوں اور جلوسوں میں بے حیائی، فحاشی اور عریانی پھیلانے والے ناچ گانا پیش کرنے والے اور سٹیجوں پر بدزبانی کرنے والے ہیں۔

اور جب کسی قوم کے سرکردہ اور خوشحال لوگ ایسے ہوں تو پھر یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہتا کہ ایسے لوگوں کو اپنا لیڈر اور رہنما ماننے والے کس قماش کے لوگ ہوں گے، ان کی عقلی، اخلاقی اور دین سے وابستگی کی سطح کیا ہوگی۔

آپ اندازہ کریں! ایک لیڈر کی دین کے مسلمات کے بارے میں ہرزہ سرائی اور استہزاء کی جرأت اس حد تک پہنچ گئی کہ ایک تقریر کے دوران دین کا مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا کہ اگر خدانخواستہ اللہ نے مجھے جہنم میں پھینک دیا تو مجھے وہاں گرمی نہیں لگے گی اور وجہ یہ بتائی کہ اس نے الیکشن مہم کے دوران اپنے شہر میں گرمی بہت سہی ہے۔

دین کا مذاق اڑانا حقیقت میں کفار و منافقین کی روش ہے، مگر آج اس دور میں بعض اسلام کا نام لینے والے مغرب زدہ لوگوں کا رویہ بن چکا ہے اور اس طرح وہ اسلام سے اپنی وابستگی کی شرمندگی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگ انہیں مذہبی نہ سمجھنے لگ جائیں، مگر حقیقت میں یہ رویہ جہاں ان کی ذات کے لئے خطرناک ہے، وہاں اُس پورے معاشرے کے لئے بھی خطرناک ہے کہ جس میں وہ اپنی شعلہ بیانی کے جوہر دکھاتے ہوئے ازراہ تفنن اسلام کے مسلمات اور شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں۔

کیونکہ ایک تو لوگوں کی اکثریت پہلے ہی دین سے بے زار ہوتی ہے، اور کافروں کا یہ طرز عمل تو ہے ہی، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ منکرین حق اور مجرم لوگ جہنم میں جب جہنم کے داروغے سے کہیں گے کہ تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کردے تو اچھا ہے، تو وہ کہے گا:

﴿وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝﴾ (الزخرف: ۷۷-۷۸)

مجرم لوگ جہنم میں، جہنم کے داروغے سے کہیں گے کہ تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کردے تو اچھا ہے، تو جواب ملے گا تم یہیں پڑے رہو گے، تمہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے ہم تو تمہارے پاس حق لے کر آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے ہیں۔"

اور کچھ ایسا ہی معاملہ آج مسلمانوں کا بھی ہے اور یہ آپ ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کی اپنے طرزِ عمل میں یہود و نصاریٰ سے ایسی مماثلت ہوگی جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے۔

تو ایک تو ایمان کی کمزوری کی وجہ سے لوگوں کی اکثریت پہلے ہی دین سے بے زار ہوتی ہے، اور پھر اُدھر آپ ﷺ کی پیشین گوئی بھی ہے اور اوپر سے اُنہیں ایسے دین بیزار رہنما مل جائیں، جو دین کا مذاق اڑا کر اُن کے حوصلے مزید بلند کر دیں، تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی دین بے زاری کے موقف پر کتنے پختہ ہو جائیں گے اور ویسے بھی ایسے لوگوں کو اپنا رہنما ماننے والے نارمل لوگ تو ہوتے نہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ:

﴿هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴾ (الشعراء : ۲۲۱)

''کیا میں تمھیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اُترا کرتے ہیں۔''

﴿تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴾ (الشعراء: ۲۲۲)

''وہ ہر ایک جھوٹے گناہگار پر اُترتے ہیں۔''

﴿يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴾

''سنی سنائی باتیں کانوں میں پھونکتے ہیں اور اُن میں سے اکثر جھوٹے ہوتے۔''

﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴾

''رہے شعراء تو بہکے ہوئے لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔''

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴾

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں۔''

﴿وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴾

''اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔''

تو اکثر شعراء چونکہ بھٹکے ہوئے لوگ ہوتے ہیں چنانچہ ان کے ساتھ لگے رہنے والے لوگ بھی بہکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں اسی طرح دین بیزار قسم کے رہنماؤں کے ساتھ لگے رہنے والے لوگ بھی انہی جیسے ہوتے ہیں، نارمل لوگ نہیں ہوتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو بات ہو رہی تھی کہ معاشرے کے خوشحال اور سرکردہ لوگ ہی معاشرے کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتے ہیں، ان کا طرزِ عمل اور بود و باش کا طریقہ اور سلیقہ معاشرے کے ضعیف العقول لوگوں کے لئے مثال اور نمونہ ہوتا ہے، ان کے منہ سے نکلی ہوئی کوئی ایسی بات کہ جس میں دین کا استہزاء اور استخفاف ہو لوگوں کو دین بے زاری پر اکساتی اور ابھارتی ہے، ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے ان کے دلوں میں دین کی اہمیت کم کرتی ہے اور دین کی کھلی مخالفت کی ان میں جرأت پیدا کرتی ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ زہر آلود اور ایمان شکن عقائد و نظریات سے لوگوں کو بچانے کے لئے ان کی اصلاح کی جائے اور صحیح تصویر پیش کی جائے۔

تو جہنم کی گرمی کس قدر شدید ہوگی، اس کا اندازہ کرنا اور اس پر یقین و ایمان رکھنا ایک مسلمان کے لئے تو یقیناً بہت آسان ہے کہ اس بارے میں آیات و احادیث کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔

جہنم کی گرمی کا ذکر تو ہم بعد میں کریں گے پہلے میدانِ حشر کی گرمی کا اندازہ کر لیں۔ میدان حشر کے بارے میں تو آپ نے یقیناً سنا ہوگا کہ اُس روز سورج ایک میل کے فاصلے پر ہوگا اور جب سورج ایک میل کے فاصلے پر ہو تو کتنی گرمی ہو سکتی ہے اس کا اندازہ کرنے کیلئے سائنٹفک معلومات کا سہارا لیتے ہیں تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو، چونکہ ہمارے ایمان کمزور ہیں اس لئے ہمیں سائنسی باتیں جلدی سمجھ میں آتی ہیں اور قرآن و حدیث کی باتیں بعد میں۔

آج سورج کا ہماری زمین سے فاصلہ 9 کروڑ 30 لاکھ میل ہے، اور سورج کی اس قدر دوری کے باوجود جون جولائی میں گرمی کی شدت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ننگے پاؤں زمین پر ایک منٹ کے لئے کھڑے ہونا مشکل ہوتا ہے۔

تو اندازہ کیجئے کہ جس روز سورج ایک میل کے فاصلے پر ہوگا تو اس کا مطلب ہوگا کہ اُس روز زمین کا درجہ حرارت آج سے 9 کروڑ درجہ زیادہ ہوگا۔

اُس گرمی کی شدت سے لوگوں کی کیا حالت ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ"

قیامت کے روز سورج لوگوں کے قریب کر دیا جائے گا حتی کہ ایک میل کے فاصلے پر ہوگا۔ سُلَیم بن عامر تابعی جو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

"فَوَاللّٰهِ مَا أَدْرِيْ مَا يَعْنِيْ بِالْمِيْلِ ."

اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں کہ میل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کیا ہے۔

"اَمَسَافَةَ االْاَرْضِ اَمِ الْمِيْلَ الَّذِىْ تُكْتَحَلُ بِهِ الْعَيْنُ"

کیا میل سے زمین کی مسافت مراد ہے، یا میل سے سرمہ سلائی مراد ہے، لکڑی یا دھات کی وہ پتلی سی سلاخ کہ جس سے آنکھوں میں سرمہ ڈالا جاتا ہے، اس کو بھی میل کہتے ہیں۔

"فَيَكُوْنُ النَّاسُ عَلَى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ ."

"لوگ اپنے اعمال کے حساب سے پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔"

"فَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ اِلٰى كَعْبَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ اِلٰى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُ الْعَرَقُ إِلْجَامًا، قَالَ: وَأَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهِ إِلَى فِيْهِ" (مسلم: ٢٨٦٤)

"کوئی ٹخنوں تک پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا، کوئی گھٹنوں تک اور کوئی کمر تک اور کسی کو پسینے کی لگام آئی ہوگی اور یہ فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ کوئی پسینے میں مکمل ڈوبا ہوا ہوگا۔"

سورج کی گرمی کی شدت سے لوگوں کا پسینہ اس قدر بہہ رہا ہوگا کہ ایک حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حَتَّى إِنَّ السُّفُنَ لَوْ أُجْرِيَتْ فِيْهِ لَجَرَتْ))

(مجمع الزوائد: ١٠/ ٣٣٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''کہ اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو وہ چلنے لگیں۔'' اور وہ پسینہ انسان کے لئے اس قدر پریشان کن اور تکلیف دہ ہوگا کہ آدمی کہے گا:

((رَبِّ أَرِحْنِي وَلَوْ إِلَى النَّارِ)) (ابن حبان : ٧٣٣٥ ، السلسلة الضعيفة : ٣٠٤٢)

اے میرے رب! اس مصیبت سے میری جان چھڑا، چاہے جہنم میں بھیج کر ہی ہو۔

تو حشر کے دن صرف سورج کی گرمی کی یہ شدت کہ لوگ جہنم کو اس پر ترجیح دینے لگیں گے۔ قیامت کے دن میدان حشر میں بھوکے پیاسے، ننگے بدن، ننگے پاؤں، گرمی کی شدت سے دوچار بدبودار پسینے میں شرابور، لوگ تنگ آ کر انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور درخواست کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حساب کتاب شروع کرنے کی سفارش کریں۔

چنانچہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَجْمَعُ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَيَقُوْلُوْنَ لَوِ اسْتَشْفَعْنَا عَلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيْحَنَا مِنْ مَكَانِنَا))

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا۔ لوگ اکٹھے ہوں گے اور کہیں گے ہمیں اپنے رب کے حضور کسی سے سفارش کروانی چاہیے تاکہ وہ ہمیں اس جگہ کی تکلیف سے یعنی حشر کی تکلیف سے نجات دے۔

((فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ أَنْتَ الَّذِيْ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ ، وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُوْحِهِ ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوْا لَكَ ، فَاشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّنَا))

چنانچہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ: آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اپنی روح آپ میں پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آپ کو سجدہ کریں تو انھوں نے آپ کو سجدہ کیا، آپ ہمارے رب کے حضور ہمارے لئے سفارش کر دیں۔ اور سفارش یہی کہ اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کرے اور حشر کی تکلیف سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چھٹکارا ملے۔

((فَيَقُوْلُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ ، وَيَقُوْلُ : إِئْتُوا نُوْحًا ، أَوَّلَ رَسُوْلٍ بَعَثَهُ اللّٰهُ))

تو آدم علیہ السلام کہیں گے: میں اس لائق نہیں اور اپنی غلطی کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے بھیجے ہوئے سب سے پہلے رسول ہیں۔

اسی طرح وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے اور ابراہیم علیہ اسلام، موسیٰ علیہ اسلام کے پاس اور موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس۔

اور عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس بھیجیں گے کہ تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ کہ:

((فَقَدْ غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ))

اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر رکھے ہیں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَيَأْتُوْنِيْ ، فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّيْ))

لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں اللہ تعالیٰ سے باریابی کی اجازت چاہوں گا، بارگاہ الٰہی میں حاضری کی اجازت طلب کروں گا۔

((فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا ، فَيَدَعُنِيْ مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ يُقَالُ لِيْ إِرْفَعْ رَأْسَكَ ، سَلْ تُعْطَهْ وَقُلْ يُسْمَعْ ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ))

''اور جیسے ہی اپنے رب کو دیکھوں گا سجدے میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جتنی مدت چاہے گا مجھے سجدے میں پڑا رہنے دے گا پھر مجھ سے کہا جائے گا، سر اٹھاؤ، سوال کرو، دیئے جاؤ گے، بات کرو سنی جائے گی، سفارش کرو قبول کی جائے گی۔''

((فَأَرْفَعُ رَأْسِيْ ، فَأَحْمَدُ رَبِّيْ بِتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْ ، ثُمَّ أَشْفَعُ))

(صحيح البخاري : ٦٥٦٥)

پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور پھر اپنے رب کی حمد وثنا کروں گا ان الفاظ کے ساتھ جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت سکھائے گا اور میں اللہ کے حضور لوگوں کے لئے سفارش کروں گا، اور آپ ﷺ کی اس سفارش کو شفاعتِ کبری یا شفاعتِ عظمیٰ کہا جاتا ہے۔

حشر کی گرمی، میدان حشر کی بہت سی ہولنا کیوں میں سے ایک ہے، اور اس کی شدت کا اندازہ آپ کو ہو ہی گیا ہوگا، رہی جہنم کی گرمی کی بات تو وہ تو معاملہ ہی کچھ اور ہے، اس کا محض نام لیتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، نہ جانے کوئی مسلمان ہونے کا دعوی کرنے والا کیسے اس کا مذاق اڑا سکتا ہے ایسے شخص کو جاہل کہیں، دین بے زار کہیں، احمق کہیں، بے لگام کہیں، یا فاسق کہیں!

اس کے مسلمان ہونے پر حسن ظن کرتے ہوئے اسے جاہل اور بدزبان ہی کہہ سکتے ہیں۔ جہنم کی گرمی اور تپش کا کیا پوچھتے ہو، بہت سخت ہے، تصور بھی نہیں کر سکتے، بس اتنا جان لیں کہ وہ ایسی آگ ہے کہ:

﴿لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴾ (المدثر :۲۸)

نہ کچھ باقی رکھے اور نہ کچھ چھوڑے۔

پس اس جسم کے ساتھ جہنم میں آدمی کا کیا بنے گا، شاید ایک لمحہ بھی آدمی نہ گزار سکے، اس میں تو لوگوں کو موٹے تازے کر کے پھینکا جائے گا تاکہ کچھ وقت بھی لگے، کچھ تکلیف بھی ہو۔ حدیث میں ہے:

((ضِرْسُ الْكَافِرِ مِثْلُ أُحُدٍ ، وَغِلَظُ جِلْدِه مَسِيرَةُ ثَلَاثٍ))

(صحيح مسلم : ٢٨٥١)

کافر کی ڈاڑھ اُحد پہاڑ جیسی اور اس کی چمڑی کی موٹائی تین دن کے پیدل سفر جتنی ہوگی۔ اور اس پر بھی بات ختم نہیں ہوتی بلکہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴾

(النساء : ٥٦)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’جن لوگوں نے ہماری آیات سے کفر کیا، انھیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے، اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں، یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔‘‘

اس لیے جہنم کی گرمی کو ہلکا نہ جانیں، وہ بہت شدید ہوگی کہ:

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝﴾ (التوبة : ٨١)

’’کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے، کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے۔‘‘

کتنے افسوس کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو جس آگ کی گرمی سے ڈرا رہے ہیں لوگ اس کا استخفاف کرتے اور اس کا مذاق اُڑاتے ہیں، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں اور توبہ کریں کہ دین کا مذاق اُڑانے والا اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

اللھم انا نعوذ بك من عذاب القبر ومن عذاب جھنم و من فتنة المحیاو الممات ومن فتنة المسیح الدجال۔ آمین

اقول قولي ھذا واستغفر اللّٰه العظیم لی ولکم ولسائر المسلمین من کل ذنب انه ھو الغفور الرحیم۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جہنم اوراس کے صفات واحوال

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱﴾ (التوبة : ۸۱)

عقیدہ وایمان انسان کی ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے کہ ہر انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر کوئی نہ کوئی عقیدہ یعنی ایمان دل میں ضرور رکھتا ہے، حتی کہ وہ لوگ جو سرے سے کائنات کے خالق کو مانتے ہی نہیں وہ بھی ایک عقیدہ ضرور رکھتے ہیں اور وہ ہے کائنات کے خالق کو نہ ماننے کا عقیدہ۔

مسلمان کے ایمان کی بات ہوتو اس کا مطلب ہوتا ہے اللہ پر ایمان اور پھر اللہ پر ایمان کی تفصیل میں ایمان کے چند بنیادی ارکان کا ذکر ہوتا ہے، جن میں سے ایک عقیدۂ آخرت بھی ہے، اورعقیدہ آخرت میں موت کے بعد کے تمام احوال ومراحل ہیں، جس میں فتنۂ قبر اور عذابِ قبر بھی ہے، حشر بھی ہے، نشر بھی ہے، ترازو بھی ہے، پل صراط بھی ہے، اور جنت اور جہنم بھی ہے۔

ایمان کے تمام ارکان اپنی اپنی جگہ ضرورت اور افادیت کے لحاظ سے نہایت اہم ہیں عقیدۂ آخرت کی اُس کے دیگر متعدد فوائد کے ساتھ ایک افادیت یہ بھی ہے کہ دنیا میں قیام امن کے لئے یہ ایک نسخہ کیمیا ہے، کہ آخرت کی فکر، آخرت کا تصور انسان کو ظلم وزیادتی سے روکتا ہے، ناانصافی سے روکتا ہے، لوٹ مار سے روکتا ہے، حرام کاروبار سے روکتا ہے، بدزبانی سے روکتا ہے اور دل آزاری سے روکتا ہے۔

تو یہ عقیدہ دنیا میں پُر امن اور کامیاب معاشرے کی ضمانت ہے اور اخروی کامیابی کا بھی واحد ذریعہ ہے، اس عقیدے کا انکار دنیا میں فتنہ وفساد کا سبب ہے اور آخرت میں بھی ناکامی ونامرادی کا باعث ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی غالب اکثریت اس عقیدے کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انکار کرنے والے ہیں زبانِ قال سے ہو یا زبانِ حال سے، مشرکین مکہ اور دیگر منکرینِ اسلام کو انبیاء و رسل علیہم السلام کی دعوت اور پیغام میں سے سب سے اچنبے کی ایک بات یہ معلوم ہوتی تھی کہ اس زندگی کے بعد بھی بھلا کوئی دوسری زندگی ہو سکتی ہے

﴿ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝ ﴾ (ق: ۳)

''کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک ہو جائیں گے تو دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ یہ واپسی تو عقل سے بعید ہے۔''

تو عقیدۂ آخرت سے انکار لوگوں کی محبوب خواہش اور سوچ ہے ان کا پسندیدہ نظریہ اور عقیدہ ہے، اس لئے کہ اِس سے اُن کی ذہنی آوارگی کو سکون ملتا ہے، ان کی خود ساختہ آزادی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، ان کی من مانی کے راستے کشادہ ہوتے ہیں اور اِس سے اُن کی خواہشات کی تکمیل کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ختم ہو جاتی ہے۔

کیونکہ عقیدۂ آخرت تو انسان کے طرزِ زندگی پر پہرے بٹھا دیتا ہے پھر انسان ہر بات سوچ سمجھ کر اور تول کر کرتا ہے اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے۔

اس لئے لوگ اس کا انکار کر دیتے ہیں اور انکار کر کے سمجھتے ہیں کہ اب ان کی جان چھوٹ گئی، حالانکہ حقیقت کا انکار کر دینے سے حقیقت نہیں بدلتی۔

تو انکارِ عقیدۂ آخرت چونکہ ایک بہت ہی حساس اور نہایت ہی سنگین مسئلہ ہے، اس لئے اس کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے، تاکہ ہم اپنے بارے میں جان سکیں کہ کہیں ہم انجانے میں اس کے مرتکب تو نہیں ہو رہے اور وقت سے پہلے اگر بات سمجھ میں آجائے تو اصلاح کی امید کی جا سکتی ہے، ورنہ ڈر یہ ہے کہ کہیں ہم سے وقت وفات یہ نہ کہہ دیا جائے کہ:

﴿ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝ ﴾ (ق: ۱۹)

''یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔''

یا کہہ دیا جائے کہ:

﴿ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾﴾ (ق: ٢٢)

''اِس چیز کی طرف سے تو غفلت میں تھا، ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا، اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔''

اور تا کہ ہم اُن بدنصیبوں میں نہ ہو جائیں جن کے بارے میں اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ:

﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿١١﴾﴾

(الفرقان: ١١)

''اور جو اُس گھڑی کو جھٹلائے ہم نے اس کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر رکھی ہے۔''

﴿اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿١٢﴾﴾

(الفرقان: ١٢)

''اور جب دور سے اُن منکرینِ آخرت اور منکرینِ جہنم کو دیکھے گی تو یہ لوگ اُس کے غضب اور جوش کی آوازیں سن لیں گے۔''

اس لئے ہمیں آخرت کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھنا ہوگا اور سمجھ کر اسے دل و جان سے تسلیم کرنا ہوگا۔ آخرت کے احوال ومراحل اور مقامات ومواقف میں سے خصوصی طور پر آج ہم جس مقام وموقف کا ذکر کرنے جارہے ہیں وہ ہے جہنم۔

جہنم: آخرت کے مقامات ومراحل میں سے سب سے آخری دو مقامات میں سے ایک ہے، کہ جن میں سے کوئی ایک ہر انسان کا آخری اور حتمی مقام اور ٹھکانہ ضرور ہوگا، کہ اُس دن دو ہی قسم کے لوگ ہوں گے:

﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ﴿٧﴾﴾ (الشوریٰ: ٧)

''ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا''، اس لئے اسے کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

تو یہ جاننے کے لئے کہ کہیں ہم آخرت کا اور بالخصوص جہنم کا انجانے میں انکار تو نہیں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کررہے، آخرت کے انکار کی مختلف شکلیں اورصورتیں ملاحظہ کرتے ہیں۔

اس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ سیدھا سیدھا آخرت کا ہی انکار کردیا جاتا ہے، کہ جب آخرت کا ہی انکار کردیا جائے تو اس میں پیش آنے والے تمام واقعات کے وجود کا خودبخود انکار ہوجاتا ہے جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴾ (الواقعہ: ٤٧ ، ٤٨)

”کیا جب ہم مرکر خاک ہوجائیں گے تو پھر اٹھا کر کھڑے کیئے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے وہ باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے جو پہلے گزر چکے ہیں۔“

اور ایک دوسری آیت میں ہے کہ ﴿ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴾ (ق:٣) یہ تو عقل سے بعید ہے۔

اور جہنم کے انکار کی دوسری صورت یہ ہے کہ اسے اپنے لئے ہلکی پھلکی اور چند روزہ سزا کے طور پر تسلیم کرلیا جائے، جیسا کہ یہودی یہ کہا کرتے تھے کہ:

﴿ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ﴾ (البقرہ: ٨٠)

”جہنم کی آگ ہمیں ہرگز نہ چھوئے گی، مگر بس گنتی کے چند روز۔“

اور گنتی سے ان کی مراد سات دن ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے اور ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن لوگوں کو عذاب ہوگا۔ (تفسیر طبری/سورۃ البقرۃ، آیت:٨٠)

تو یوں صرف سات دن عذاب ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ چالیس دن تک آگ کا عذاب مانتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ چونکہ ان کے بڑوں نے چالیس دن تک بچھڑے کی پوجا کی تھی اس لئے انہیں صرف چالیس دن تک عذاب ہوگا۔ (تفسیر طبری)

مگر قرآن پاک اُن کے اِن عقائد کی نفی کرتا ہے۔

اور جہنم کے انکار کی ایک تیسری صورت یہ ہے کہ اُس کا مذاق اڑایا جائے، اور استہزاء

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کیا جائے اُس کی اہمیت کم کی جائے اور اسے بے حیثیت ثابت کیا جائے، تاکہ دل سے اُس کا ڈر اور خوف نکل جائے اور وہ من مانیوں کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے جیسا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جہنم پر مقرر کردہ فرشتوں کی تعداد کا ذکر فرمایا: کہ:

﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾﴾ (المدثر: ۳۰)

"اُس پر اُنیس کارکن مقرر ہیں۔"

﴿وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾﴾

(المدثر: ۳۱)

"اور ہم نے دوزخ کے یہ کارکن فرشتے بنائے ہیں اور ان کی تعداد کو کافروں کے لئے فتنہ بنا دیا ہے اور فرشتوں کی اس تعداد کا اس لئے بھی ذکر کیا ہے تاکہ اہل کتاب کو یقین آجائے اور اہل ایمان کا ایمان بڑھے۔"

تو مشرکین مکہ نے یہ سن کر اس بات کا بہت مذاق اڑایا، ابوجہل اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا: کیا تم لوگ اتنے گئے گزرے ہو کہ تم میں سے دس دس آدمی مل کر بھی ان میں سے ایک سے نہیں نمٹ سکتے! تو اُن میں سے ایک جو کہ پہلوان تھا کہنے لگا:

"أَنَا أَكْفِيكُمْ سَبْعَةَ عَشَرَ وَاكْفُونِي أَنْتُمْ إِثْنَيْنِ."

(تفسیر ابن کثیر / المدثر: ۳۰)

کہ سترہ سے تو میں اکیلا نمٹ لوں گا، باقی دو کو تم سنبھال لینا۔

فرشتوں کا مذاق اڑانا یقیناً مشرکین مکہ کی ناسمجھی، نادانی، لاعلمی، جہالت اور بدبختی ہے، فرشتوں کی قوت و طاقت اور صفات و خصوصیات کا اندازہ کسی کو ایمان بالغیب کے بغیر کیسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتا ہے اور ایمان بالغیب کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق فرشتوں کی ہیئتِ جسمانی جان کر فرشتوں کی طاقت کا خوب اندازہ ہوتا ہے، مثلاً: حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"اُذِنَ لِــي اَنْ اُحَـدِّثَ عَـنْ مَـلَكٍ مِـنْ مَلَائِـكَةِ اللّٰهِ مِنْ حَملَةِ الْعَرْشِ"

" مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حاملین عرش فرشتوں میں سے ایک فرشتے کے بارے میں بیان کروں۔"

"اِنَّ مَابَيْنَ شَحْمَةِ اُذُنِہٖ اِلٰی عَاتِقِہٖ مَسِيْرَةُ سَبْعِ مِائَةِ عَامٍ"

(ابو داود: ٤٧٢٧)

" اُس کے کان کی لَو سے لے کر، اُس کے کندھے تک کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت ہے۔"

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

((قَدْ مَرَقَتْ رِجْلَاهُ الْأَرْضَ السَّابِعَةَ وَالْعَرْشُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ))

(مجمع الزوائد: ٨/ ١٣٨)

کہ اس فرشتے نے اپنے پاؤں ساتویں زمین میں گاڑ رکھے ہیں اور عرش اس کے کندھوں پر ہے۔

تو اس قدر ضخیم اور عظیم جسمانی ساخت کے مالک فرشتے کی قوت و طاقت کا کیا حساب ہوگا۔تو کافر ہوکر اگر کوئی دین کے مسلمات کا اور اسلام کے شعائر کا مذاق اڑاتا ہے تو بات سمجھ میں آتی ہے، کہ چونکہ وہ نعمت ایمان سے محروم ہے، اس لئے وہ اُس بصیرت سے محروم ہے کہ جس سے دین کی باتیں سمجھ آتی ہیں،لیکن مسلمان ہونے کا دعوی کرنے والا دین کے بنیادی عقائد کا مذاق اڑائے، بات سمجھ میں نہیں آتی ۔

یہ بات دنیا اور آخرت کے لحاظ سے کتنی خطرناک ہے، شاید اکثر لوگوں کو اس کا اندازہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ نہ کسی کو جاننے کی فکر ہے اور نہ کوئی بتانے والا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر افسوسناک بات یہ ہے کہ اس ڈر سے کہ لوگوں کے اپنے تراشے ہوئے بت اور دلوں میں بسائے ہوئے طاغوت پاش پاش ہوجائیں، وہ جاننا ہی نہیں چاہتے اور بتانے کی کوشش کرنے والے پر اپنے غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس لئے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے بتوں کو اس شدت سے چاہتے ہیں کہ:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ﴾

(البقرہ : ١٦٥)

"وہ اُن کے ایسے گرویدہ ہیں جیسا کہ اللہ کا گرویدہ ہونا چاہیے۔"

مگر وہ اپنے بنائے ہوئے بتوں کے گرویدہ ہیں اور اس گرویدگی میں وہ اُن کی بے حیائی بھی برداشت کرتے ہیں، اُن کی بدزبانی بھی برداشت کرتے ہیں اور ان کے کفریہ کلمات بھی برداشت کرتے ہیں۔

لوگ عموماً پتھروں کے تراشے ہوئے بتوں کو ہی بت سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت میں درہم و دینار کے بھی بت ہوتے ہیں اور مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات کے بھی بت ہوتے ہیں اور اِن بتوں کی پرستش پتھر کے بنے ہوئے بتوں کی پوجا سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔

کبھی کسی نے کسی کو درہم و دینار کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ نہیں دیکھا ہوگا، مگر وہ بت ہیں اور بہت سے لوگ ان کی پوجا کرتے ہیں، اور ان کی پوجا کا مطلب، اُن کے حصول کی خاطر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پس پشت ڈالنا ہے، حلال اور حرام کی تمیز کھودینا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ " (صحيح البخاري: ٢٨٨٧)

"تباہ و برباد ہو دینار کا بندہ، تباہ و برباد ہو درہم کا پجاری۔"

اسی طرح مذہبی رہنما بھی بت ہوتے ہیں، بہت سے لوگوں نے انہیں اپنا رب بنا رکھا ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ﷺ سورہ توبہ کی آیت تلاوت کر رہے تھے:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (التوبة: ٣١)

کہ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے۔

"قَالَ: اَمَا اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ"

تو فرمایا: تاہم وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔

((وَلَكِنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ)) (صحيح الترمذي ، للألباني: ٣٠٩٥)

"لیکن جب وہ ان کے لیے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو وہ اسے حلال قرار دے لیتے اور اگر ان کے لیے کوئی چیز حرام کر دیتے تو وہ اسے حرام قرار دے لیتے۔"

تو اسی طرح سیاسی شخصیات کے بھی بت ہوتے ہیں کہ لوگ اُن کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہتے ہیں اور آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیتے ہیں حتی کہ وہ اسلام کا مذاق بھی اڑائیں تو بھی ان کا دفاع کرتے ہیں اور انہی کی محبت کا دم بھرتے ہیں، اور یوں وہ بھی شریک جرم ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾

(النساء: ١٤٠)

"اللہ تعالیٰ اس کتاب میں تمہیں حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی انہیں کی طرح ہو۔"

اندازہ کریں کہ کسی ایسے شخص کی مجلس میں محض بیٹھنا بھی کہ جو دین اسلام کا مذاق اڑا رہا ہو اتنا بڑا جرم ہے کہ بیٹھنے والے کو بھی اسی جرم کا مرتکب قرار دیا گیا ہے یعنی اس کا شمار بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دین کا مذاق اڑانے والوں میں کیا جاتا ہے۔

اور اس وقت اُس جرم کی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے جب وہ ایسے شخص سے محبت اور ہمدردی کا اظہار کرے، اسے دامے، درمے، سخنے سپورٹ کرے اور اس کا دفاع کرے۔

دین کا مذاق اڑانا کتنا بڑا جرم ہے شاید اکثر لوگوں کو اس کا اندازہ نہیں ہے، آیئے جانتے ہیں: غزوۂ تبوک کے موقع پر منافق لوگ اپنی محفلوں میں طرح طرح سے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے، جس میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ ایک شخص نے یہ کہا:

(مَارَأَيْنَا مِثلَ قُرَّائِنَا هٰؤُلاءِ أَرْغَبَ بُطُوْنًا ، وَلا أَكْذَبَ أَلْسِنَةً وَلا أَجْبَنَ عِنْدَ اللِّقَاءِ) (تفسير طبري/ سورة التوبة)

ہمیں اپنے ان قاریوں کی طرح کوئی پیٹو اور شکم دار، کوئی شیخی باز اور جھوٹا اور مڈبھیڑ کے وقت بزدل نہیں دیکھا۔

اور جب اُن سے پوچھا گیا تو معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے:

﴿ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ﴾ (التوبة : ٦٥)

کہ ہم تو یونہی ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴾ (التوبة : ٦٥)

ان سے کہیے: کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو؟

﴿ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ﴾ (التوبة: ٦٦)

''اب معذرتیں پیش نہ کرو، ایمان لانے کے بعد اب تم کفر کر چکے ہو۔''

تو دین کا مذاق اڑانے والے کا دنیا میں انجام یہ ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جاتا ہے اور آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے۔

اور جو لوگ ایسے لوگوں کو پسند کرتے ہیں، ان کے ساتھ ہمدردیاں رکھتے ہیں وہ بھی یقیناً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہی جیسے ہیں اور قیامت کے دن اُن کا انجام بھی وہی ہوگا جو مذاق اڑانے والوں کا ہوگا، کیونکہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" (بخاري : ٦١٦٨)

''آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔''

یعنی قیامت کے دن اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔اور ایک حدیث میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا:

((فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ))

''تم اس کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت کرتے ہو۔''

تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" فَمَا فَرِحْنَا بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحًا اَشَدَّ مِنْ قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ ، فَاِنَّكَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ "

ہمیں اسلام کے بعد کبھی کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی خوشی آپ ﷺ کے اس فرمان سے ہوئی کہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے کہ وہ محبت کرتا ہے۔اور پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" فَاَنَا اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ فَاَرْجُواَنْ اَكُوْنَ مَعَهُمْ وَاِنْ لَمْ اَعْمَلْ بِاَعْمَالِهِمْ "

اور میں نبی ﷺ سے محبت کرتا ہوں، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اُن سے محبت رکھنے کے سبب میں انہی کے ساتھ ہوں گا، اگرچہ میرے ان جیسے اعمال نہیں ہیں۔

تو یہ اک حقیقت ہے کہ قیامت کے دن لوگ اپنے جیسے لوگوں کے ساتھ ہوں گے، اچھے لوگ اچھے لوگوں کے ساتھ اور برے لوگ برے لوگوں کے ساتھ اور ان میں سے بھی لوگوں کے الگ الگ گروہ ہوں گے، جیسا کہ آیت:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴾ (الصافّات: ٢٢)

''گھیر لاؤ سب ظالموں کو اور ان جیسوں کو۔''

اس کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَلزَّانِي مَعَ الزَّانِي وَشَارِبُ الْخَمْرِ مَعَ شَارِبِ الْخَمْرِ))

(تفسير القرطبي / الصافات : الآية : ٢٢)

''کہ بدکار آدمی بدکار کے ساتھ اور شراب خور، شراب خور کے ساتھ ہوگا۔''

یہ گناہ یقیناً کبیرہ گناہ ہیں، مگر عقیدے کی خرابی ان گناہوں سے کہیں شدید ہے، دین کا مذاق اڑانا اور وہ بھی مسلّمات کا، یعنی دین کے ایسے عقائد کا کہ جو قطعی اور ثوابت ہیں، جن میں اجتہاد، بحث و مباحثے اور ترمیم و اضافے کی کوئی گنجائش نہیں، اُن باتوں کا انکار کرنا یا مذاق اڑانا ایک بہت ہی سنگین جرم ہے اور پھر ایسے لوگوں کو پسند کرنے والے، ان کی حمایت کرنے والے، ان کی طرف داری کرنے والے، ان کا دفاع کرنے والے یقیناً یقیناً ان جیسے ہی ہیں۔

لہٰذا ہمیں اپنی فکر کرنی چاہیے کہ کل کو کہیں یہ کہتے ہوئے نہ پائے جائیں کہ:

﴿ رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴾ (الاحزاب: ٦٧)

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں، اپنے بڑوں، اپنے لیڈروں اور اپنے رہنماؤں کی بات مانی اور اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔''

﴿ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴾

(الاحزاب: ٦٨)

اے ہمارے رب! ان کو دہرا عذاب دے اور ان پر سخت لعنت فرما۔''

اور ایک دوسری آیت میں ہے، ارشاد ہوگا:

﴿ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (الاعراف: ٣٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ہر ایک کے لئے دہرا ہی ہے مگر تم جانتے نہیں ہو۔''

گویا کہ جہاں ان کو گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا عذاب ہوگا، تو وہاں تمہیں گمراہ ہونے اور اپنی اولادوں اور معاشرے کے دوسرے افراد کے لئے گمراہی کی مثال اور نمونہ بننے کا عذاب ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔

دین کا مذاق اڑانے کے جرم کی سنگینی شاید میں ٹھیک طرح سے بیان نہ کرسکا ہوں، مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ بہت بڑا جرم ہے، لوگوں کو دین سے دور کرنے کے مترادف، بلکہ اس کی ڈائریکٹ کوشش ہے، اللہ کے دین کو بے وقعت اور بے حیثیت ثابت کرنے کی کوشش ہے۔

ایک ایسی چیز کہ جس سے بچنے کی بہت تاکید کی گئی اور اُس سے بچانے کے لئے انبیاء و رسل علیہم السلام کو بھیجا گیا اور انبیاء علیہم السلام نے اس کے لیے بہت تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں، اس سے ڈرا کر لوگوں کے اخلاق و کردار درست کیے جاتے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْلِيَصْمُتْ"

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔''

(صحيح البخاري: ٦٠١٨)

ایک ایسی چیز کہ جس سے بچنے اور اپنے اہل خانہ کو بچانے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحريم: ٦)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔''

ایک ایسی چیز کہ جس سے بچنے کو حقیقی کامیابی قرار دیا گیا ہے:

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ (آل عمران: ١٨٥)

''جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا، وہ یقیناً کامیاب ہوگیا۔''

اُس آگ کے بارے میں کوئی کہے کہ اسے اُس میں گرمی نہیں لگے گی تو ایسے شخص کو کیا نام دیں گے اور اگر بات اکیلے اس شخص کی ہوتی تو بھی شاید اتنی بڑی بات نہ ہوتی، مگر جب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صورت حال یہ ہو کہ لاکھوں لوگ جنون کی حد تک اسے چاہنے والے ہوں تو پھر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کتنوں کو ساتھ لے کر جائے گا۔

اور یہ بات یوں بھی انتہائی خطرناک ہے کہ ہم بار بار بیسیوں آیات و احادیث سنا سنا کر بمشکل تھوڑا سا لوگوں کو دین کی طرف مائل کر پاتے ہیں مگر دوسری طرف وہ کہ جن کی آواز دور دور تک جاتی ہے، وہ محض ایک آواز سے لاکھوں لوگوں کو گمراہی کی طرف ہانک کر لے جاتے ہیں، تاہم خلاصہ یہ ہے کہ:

جس دل میں جہنم کی آگ کا ڈر اور خوف نہ ہو، وہ مسلمان تو کیا، ایک اچھا انسان بھی نہیں بن سکتا۔ اس موضوع پر کہنے کو تو بہت کچھ ہے مگر اسی پر اکتفا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسائل کے حل کے لیے علماء کی طرف رجوع کی ضرورت

﴿ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (النحل : ٤٣)

یوں تو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا فرما کر اُن کی ہدایت و رہنمائی کا انتظام بھی فرمایا ہے اور وہ یوں کہ زندگی گزارنے کے تمام بنیادی وسائل مہیا فرمائے، کھانے پینے سے متعلق، افزائش نسل سے متعلق، اپنے دفاع کے حوالے سے، سردی اور گرمی سے بچاؤ کے حوالے سے، اور اپنے خالق و مالک کی پہچان کے حوالے سے انہیں عقل اور سمجھ عطاء فرمائی اور دیگر بنیادی ضرورتوں کی رہنمائی بھی اُن کے ضمیر، ان کی فطرت، سرشت اور جبلت میں رکھ دی، جیسا کہ فرمایا:

﴿ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴾ (طٰہٰ ٥٠)

وہ جس نے ہر چیز کو اُس کی ساخت بخشی، پھر اُس کی رہنمائی دی۔

مگر تمام مخلوقات میں سے انسان کا معاملہ مختلف اور منفرد ہے۔ بنیادی طور پر تو انسان بھی اس ہدایت و رہنمائی میں شامل ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے مگر دیگر کئی پہلوؤں سے وہ مختلف بھی ہے، جیسا کہ انسان کا مقصدِ تخلیق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت بتلایا گیا ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاریات : ٥٦)

”میں نے جن وانس کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔“

یہاں انسان کے ساتھ اس خصوصیت میں اگرچہ جنات بھی شریک ہیں مگر بہت سی خصوصیات میں انسان منفرد بھی ہے، جیسا کہ کائنات کا انسان کے لئے مسخر ہونا وغیرہ۔

تو انسان کے دیگر مخلوقات کی نسبت بہت سی خصوصیات کا حامل ہونے کی وجہ سے اس کی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہدایت و رہنمائی کا معاملہ بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ تو انسان کی ہدایت و رہنمائی اس کی فطرت اور جبلت میں رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی عقل، علم اور تجربے سے حاصل ہونے والی معلومات کے ساتھ بھی فرمائی۔

پھر اُس کی ہدایت کے لئے انبیاء ورسل علیہم السلام کو بھی مبعوث فرمایا، پھر اُن کے بعد علماء کرام کو ان کے وارث بنا کر اُن کی رہنمائی کا سلسلہ جاری رکھا، اور اُس رہنمائی کا مطلب، کوئی بات ایک بار بتا دینا نہیں، بلکہ بار بار بتانا اور یاد دہانی کراتے رہنا اور بدلتے ہوئے حالات میں نئے پیدا ہونے والے مسائل میں بھی رہنمائی کرنا ہے۔

اور جب اُس رہنمائی کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے تو دنیا میں اندھیرا چھا جاتا ہے، معاشرے میں بے راہ روی اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے، گمراہی عام ہو جاتی ہے لڑائی، جھگڑے، بے حیائی، فحاشی، عریانی اور فتنہ وفساد برپا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ احادیث میں ان تمام برائیوں کا باعث اور سبب اُس سلسلۂ ہدایت و رہنمائی کا فقدان ہی بتلایا گیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ"

''اللہ تعالیٰ دین کا علم لوگوں سے چھین کر ختم نہیں کرے گا بلکہ علماء کی موت سے دین قبض کر لے گا۔''

" حَتّٰى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا ، اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ ، فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا " (صحيح مسلم : ٢٦٧٣)

''حتی کہ جب ایک بھی عالم نہ چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا رہنما بنا لیں گے، ان سے مسئلے دریافت کئے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے دے کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں لوگوں کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے اور وہ مسائل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، مگر اُن مسئلوں میں سب سے بڑا مسئلہ اور پھر وہ سب سے بڑا مسئلہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا مسئلہ بھی ہے کہ جس کے مسئلہ ہونے کا لوگوں کو احساس نہیں ہے، کوئی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا اور وہ ہے اپنے مسائل کے حل کے لئے علماء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت۔

اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے مسائل کا حل کہیں اور سمجھ رکھا ہے، کوئی اپنے مسائل کا حل کسی سیاسی شخصیت کی رہنمائی میں سمجھتا ہے، کوئی اپنے مسائل کا حل خود ساختہ دانشوروں، تجزیہ کاروں اور تبصرہ نگاروں کی گفتگو اور سفارشات میں سمجھتا ہے۔

حالانکہ یہ چیزیں تو مسائل کی آماجگاہ ہیں یہیں سے تو مسائل جنم لیتے ہیں، لوگ اپنے طور پر جن چیزوں کو اپنے مسائل کا حل سمجھتے ہیں وہ مسائل کا حل نہیں بلکہ مسائل کا سبب ہیں، مسائل کا حل صرف اور صرف قرآن وحدیث میں ہے۔

اپنے طور پر تو لوگ اپنے مسائل کا حل بسا اوقات کسی ایسی شخصیت میں سمجھ بیٹھتے ہیں جو پرلے درجے کا بے دین آدمی ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دور ایسا بھی آئے گا کہ:

((يُقَالُ لِلرَّجُلِ مَا أَعْقَلَهُ وَمَا أَظْرَفَهُ وَمَا أَجْلَدَهُ))

کہ آدمی کے بارے میں لوگ کہیں گے کہ فلاں شخص کتنا عقلمند، کتنے بڑے ظرف والا اور کتنا بہادر ہے۔

((وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ))

(صحيح البخاري : ٧٠٨٦)

لیکن وہ پرلے درجے کا بے ایمان آدمی ہوگا، اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگوں نے اچھائی اور برائی، کامیابی اور ناکامی کے اپنے اپنے معیار بنا رکھے ہیں اور وہ معیار حقائق کے بالکل برعکس ہیں اچھائی اور برائی کے معیار اور پیمانے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بالکل الٹ کے رکھ دیئے گئے ہیں، تہہ و بالا کر دیئے گئے ہیں۔

اور یہ دنیا کا فریب ہے، دھوکہ ہے، قیامت کی نشانی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ "

عن قریب لوگوں پر ایک دھوکوں کا دور بھی آئے گا، کہ ہر طرف دھوکہ ہی دھوکہ ہوگا۔"

" يُصَدَّقُ فِيهَا الكَاذِبُ ، وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ "

"اس میں جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا۔"

" وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْاَمِيْنُ "

"خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا۔"

" وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ "

"اور رویبضہ خوب بولے گا۔"

((قِيْلَ وَمَا الرُّوَيْبِضَةُ))

عرض کیا گیا کہ رویبضہ کون ہے؟

((قَالَ : الرَّجُلُ التَّافِهُ فِيْ أَمْرِ الْعَامَّةِ)) (ابن ماجة : ٤٠٣٦)

فرمایا: "گھٹیا اور کمینہ آدمی عامۃ الناس کے مسائل اور معاملات میں گفتگو کرے گا۔"

لوگوں کے حقیقی مسائل کیا ہیں کون بتائے گا، کس کی ذمہ داری ہے کون اس کا اہل ہے، آج لوگوں کے ہاں اس کا معیار بدل چکا ہے۔

ہم میں سے اکثر لوگ اپنے مسائل کا حل کہاں ڈھونڈتے ہیں؟ ٹاک شوز پر۔ اور ہمارے مسائل کیا ہیں، ہم کن مسائل کو اپنے حقیقی مسائل سمجھتے ہیں؟ سڑکیں بنانا، درخت لگانا، گلیاں صاف کرنا، مغربی ممالک کی نقالی کرنا، کہ دیکھو اُس ملک میں یہ ہوتا ہے اور ہمارے ملک میں کیا ہوتا ہے۔

ہمارے لیڈروں کا اور ہمارے رہنماؤں کا مبلغِ علم کیا ہے، اُن کا ایجنڈا کیا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اقتصادی ترقی، معاشی خوشحالی، ملک کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل کرنا وغیرہ۔

ہمارے یہ مخلص، ہمارے رہنما اور ہمارے خیرخواہ کون ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کی حیثیت کیا ہے، ان کی اہلیت کیا ہے؟

(الـرُّوَيبِـضَة) : گھٹیا اور کمینہ آدمی ہو اور عامۃ الناس کے مسائل حل کرنے کا خود کو اہل سمجھے اور دعوی کرے۔

کیا یہ لوگ بتائیں گے کہ دنیا میں زندگی کس طرح گزارنی ہے کیا یہ لوگ بتائیں گے کہ ہمارا سب سے بڑا اور اصل مسئلہ کیا ہے، ہماری کامیابی اور ناکامی کن چیزوں پر منحصر ہے؟

یقیناً سچ فرمایا آپ ﷺ نے، فرمایا:

((وَيَنْطِقُ الرُّوَيْبِضَةُ))

رویبضہ خوب بولے گا۔

دنیا کی کامیابی کو دین سے الگ کر کے دیکھنا سراسر گمراہی ہے اور اس گمراہی کی پیشین گوئی آپ ﷺ نے فرما رکھی ہے کہ علماء کو فوت کر کے علم اٹھا لیا جائے گا، یعنی دین کا علم اٹھا لیا جائے گا، اور جب دین کا علم اٹھ جائے گا تو لوگ دین بے زار اور جاہلوں کو اپنا رہنما بنا لیں گے، چنانچہ جاہل رہنماؤں کے سارے فیصلے جہالت پر ہی مبنی ہوں گے، تب وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

جب علم اٹھ جائے گا تو جہالت چھا جائے گی، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لَأَيَّامًا يَنْزِلُ فِيْهَا الْجَهْلُ وَيُرْفَعُ فِيْهَا الْعِلْمُ ، وَيَكْثُرُ فِيْهَا الْهَرْجُ ، وَالْهَرْجُ الْقَتْلُ))

(صحيح البخاري : ٧٠٦٢)

فرمایا: "قیامت سے پہلے ایسے دن آئیں گے جن میں جہالت چھا جائے گی علم اٹھ جائے گا اور ہرج عام ہو جائے گا، اور ہرج سے مراد خون ریزی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور مشاہدہ یہ ہے کہ علم اٹھتا چلا جا رہا ہے، جب بھی کوئی عالم فوت ہوتا ہے تو اس پائے کا کوئی دوسرا عالم دیکھنے میں نہیں آتا۔

علماء کے فوت ہونے سے علم کا اٹھ جانا ایک حقیقت ہے اور اس کے کئی ایک مفہوم ہیں، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ علماء کی موجودگی کو غنیمت نہ جاننا اور ان سے علم حاصل نہ کرنا اور مسائل نہ جاننا ان کے فوت ہونے کے بعد گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

اور ایک یہ کہ جس معاشرے میں علماء کی موجودگی کو غنیمت نہ جانا جائے اور عامۃ الناس کے مسائل حل کرنے میں ان سے رہنمائی نہ لی جائے وہ معاشرہ گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

اور ایک یہ کہ صرف دین کا علم ہی وہ علم ہے جو دنیوی اور اخروی زندگی کی کامیابی کا ضامن ہے۔ احادیث میں دنیا کا علم اٹھائے جانے کا ذکر نہیں ہوا بلکہ قرآن پاک میں اس کی موجودگی کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَٰفِلُونَ ۝ ﴾

(الروم: ۷)

”وہ دنیا کی زندگی کا ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ غافل ہیں۔“

یعنی آخرت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

آخرت کے بارے میں وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ پل صراط، جو کہ جہنم کے اندر نہیں، بلکہ جہنم کے اوپر لگا ہوا ہوگا، اس پر سے گزرنا مشکل ہوگا، چہ جائیکہ کہ کسی کو جہنم کے اندر بھی گرمی نہ لگے۔

تو جو بات سمجھنے کی ہے، عقلمندی، دوراندیشی اور حقیقت پسندی کی ہے وہ یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے یہ جانیں کہ ہمارا سب سے بڑا اور اصلی اور حقیقی مسئلہ کیا ہے اور پھر اس کے بعد ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ اس کا حل ہمیں کہاں تلاش کرنا ہے۔

ہمارا سب سے بڑا اور حقیقی مسئلہ اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنی آخرت بنانا ہے، گمراہی اور بے راہ روی سے بچنا ہے اور اس کا حل آپ ﷺ نے نہایت مختصر، مگر جامع اور دوٹوک

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے کہ:

" تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ ﷺ " (مؤطا امام مالك : ٣٣٣٨)

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، انہیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہیں: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔" (مؤطا امام)

تو اگر کوئی شخص جاننا چاہے کہ وہ حق پر ہے یا راہ حق سے بھٹکا ہوا ہے تو وہ اپنے قول، اپنے فعل، اپنے طرز زندگی اور اپنے منصوبوں کو کتاب وسنت پر پیش کر کے دیکھ لے، حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

گمراہی سے بچنے کی اور آخرت سنوارنے کی فکر کرتے ہوئے ہمیں ایک بات خصوصی طور پر ذہن میں رکھنی ہوگی اور وہ یہ کہ یہ دور فتنوں کا دور ہے، قربِ قیامت کا دور ہے۔

فتنوں کا آغاز ہو چکا ہے اور قرب قیامت کی بہت سی علامات ظاہر ہو چکی ہیں، لہٰذا اپنے ایمان کو بچانے کی فکر دنیا کی ہر چیز پر مقدم ہونی چاہیے۔

اور ہم سب کو بار بار اس بات کی یاددہانی کی ضرورت ہے اور اسے پیش نظر رکھنے کی کوشش کرنا ہوگی، کیونکہ دنیا میں بہت کشش ہے اور اس قدر شدید کشش ہے کہ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی انسان اس کی طرف کھچا چلا جاتا ہے، اس کشش کے حوالے سے ذرا وہ حدیث ملاحظہ فرمائیے جو دریائے فرات سے سونے کا پہاڑ ظاہر ہونے کے بارے میں ہے، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" يُوْشِكُ الْفُرَاتُ اَنْ يُحْسَرَعَنْ جَبَلٍ مِنْ ذَهَبٍ "

"عنقریب فرات میں سے ایک سونے کا پہاڑ نمودار ہوگا۔"

" فَاِذَا سَمِعَ بِهِ النَّاسُ سَارُوْا اِلَيْهِ "

لوگ جب اس کے بارے میں سنیں گے تو اس کی طرف چل پڑیں گے، یعنی اسے حاصل کرنے کے لئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"فَيَقُوْلُ مَنْ عِنْدَهُ: لَئِنْ تَرَكْنَا النَّاسَ يَأْخُذُوْنَ مِنْهُ لَيُذْهَبُ بِهِ كُلُّهُ"

جو لوگ اس وقت فرات پر موجود ہوں گے وہ کہیں گے اگر ہم نے لوگوں کو یونہی چھوڑ دیا انہیں نہ روکا، تو وہ سارے کا سارا پہاڑ ہی لے جائیں گے۔"

((فَيَقْتَتِلُوْنَ عَلَيْهِ))

چنانچہ وہ اس پر ایک دوسرے سے خوب لڑیں گے۔

((حَتَّى يُقْتَلَ مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ)) (صحيح الجامع: ٨١٧٩)

حتی کہ ہر سَو میں سے ننانوے لوگ مارے جائیں گے، یعنی ننانوے فیصد لوگ قتل ہو جائیں گے۔

((وَيَقُوْلُ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ لَعَلِّي أَكُوْنُ أَنَا الَّذِي أَنْجُوْ)) (صحيح الجامع: ٧٤٢٣)

اور ان میں سے ہر آدمی یہی کہے گا کہ وہ ایک بچنے والا آدمی شاید میں ہی ہوں گا۔

اندازہ کریں کس قدر شدید کشش ہے، یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ صرف ایک آدمی ہی بچے گا، پھر بھی اس لڑائی میں کود رہے ہوں گے جبکہ بچنے کی امید ایک فیصد بھی نہیں ہوگی۔

اور دوسری طرف آپ ﷺ نے اس سے منع بھی فرما رکھا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، فرمایا:

"يُوْشِكُ الْفُرَاتُ أَنْ يَحْسِرَ عَنْ كَنْزٍ مِنْ ذَهَبٍ فَمَنْ حَضَرَهُ فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا" (سنن ترمذی: ٢٥٦٩)

" قریب ہے کہ دریائے فرات سے سونے کا خزانہ ظاہر ہو، پس جو کوئی وہاں موجود ہو، وہ اس میں سے کچھ نہ لے۔"

اس لئے فتنوں سے بچنے کی کوشش کریں، اگرچہ فتنوں سے بچنا یقیناً مشکل ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے ابھی جانا اور حقیقت میں وہ فتنہ ہی کیا جو آسان ہو، فتنے کا مطلب ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آزمائش ہے۔

فتنے سے بچنے کی باری تو بعد میں آتی ہے، پہلے اس کو سمجھنا ہوتا ہے، مگر فتنہ آسانی سے سمجھ بھی نہیں آتا، آپ جتنی بھی آیتیں، حدیثیں سنالیں، بات کسی کی سمجھ میں بیٹھتی ہی نہیں، کیونکہ اس چیز کی محبت کہ جسے فتنہ کہا جاتا ہے انسان نے اپنے دل میں بسا رکھی ہوتی ہے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ابھی تک تو ساری باتیں مشکل ہی بتائی ہیں: پہلے یہ سمجھنا کہ ہمارا اصل مسئلہ کیا ہے، پھر یہ جاننا کہ اس مسئلے کے حل کے لئے ہمیں کہاں رجوع کرنا ہے، پھر فتنوں کو سمجھنا اور پھر فتنوں سے بچنے کی کوشش کرنا، یقیناً یہ سب مشکل باتیں ہیں، لیکن جیسا کہ حدیث میں آتا ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِيْ الْجَنَّةَ ، وَيُبَاعِدُنِيْ مِنَ النَّارِ))

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وہ عمل بتائیے جو مجھے جنت کے قریب کر دے اور جہنم سے دور کر دے۔

((قَالَ : لَقَدْ سَأَلْتَنِيْ عَنْ عَظِيْمٍ ، وَ إِنَّهُ لَيَسِيْرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ)) (ترمذي : ٢٦١٦)

"تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے ایک بہت عظیم سوال کیا ہے، البتہ وہ آسان ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ آسان کر دے۔"

تو یہ باتیں جو آج ہم نے جانیں، اگر چہ بہت مشکل ہیں، لیکن جس کے لئے اللہ چاہے آسان ہوتی ہیں۔لہٰذا ہمیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ہمارے لئے آسان فرما دے۔آمین۔

تو آخر میں ان مشکل باتوں کے ساتھ ایک اور مشکل بات کا اضافہ کرلیں کہ جس کی آسانی کے لئے ہمیں دعا کرنی ہے اور وہ یہ کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک اور چیز سے خبردار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(دُعَاةٌ عَلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ)

''کچھ لوگ جہنم کے دروازوں پر کھڑے لوگوں کو اس طرف بلا رہے ہوں گے۔'' یعنی ان سے خبردار رہیے۔

(مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا) (ابن ماجة : ٣٩٧٩)

''جو ان کی پکار پر لبیک کہے گا، وہ اسے اس جہنم میں پھینک دیں گے۔''

تو ایک دعا یہ بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کو پہچاننے اور سمجھنے میں آسانی فرمائے اور ان سے بچنے کی توفیق بخشے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتنوں کو پہچانیں اور ان سے بچیں

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ (الانفال : ۲۵)

گذشتہ جمعے بات ہو رہی تھی ہدایت و رہنمائی کی، کہ یوں تو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کر کے انہیں اُن کی ضرورتوں کے مطابق رہنمائی دے رکھی ہے، مگر انسان اُن تمام مخلوقات میں سے ایک ایسی مخلوق ہے کہ جسے ہدایت و رہنمائی کے ساتھ ساتھ کہ جو اُس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے الگ سے ایک اضافی اور مسلسل تذکیر و موعظت کی بھی ضرورت ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ چونکہ انسان متعدد پہلوؤں سے دیگر مخلوقات سے مختلف ہے، جن میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ انسان کے لئے اس جہان کے بعد ایک دوسرا جہان بھی ہے، جہاں انسان کو جانا ہے، وہاں اس کا حساب و کتاب ہوگا، کامیاب ہونے کی صورت میں جنت اور ناکام ہونے کی صورت میں جہنم ملے گی اور اس دنیا میں رہ کر آخرت کی کامیابی کے لئے تیاری کرنا ہے، اس لئے ایک اضافی اور مسلسل ہدایت و رہنمائی اور نصیحت و موعظت کی خصوصیت سے نوازا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اتارتے ہوئے اس بات سے بھی آگاہ کر دیا کہ تمہیں دنیا میں بے یار و مددگار اور بھٹکتے ہوئے نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ ہماری طرف سے تمہارے پاس ہدایت و رہنمائی آئے گی فرمایا:

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ﴾ (البقرہ: ۳۸)

''ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔'' یعنی آدم و حواء علیہما السلام اور ابلیس۔

﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿يَحْزَنُونَ ۝٣٨﴾ (البقرة : ٣٨)

''پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔''

تو پہلے پہل جب انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا تو چونکہ وہ اس دنیا میں نو وارد تھا، اس لئے وہ ابھی اپنی بہت سی ضرورتوں کے حصول کے لئے اسباب و وسائل اور ان کے طریقوں سے آگاہ نہ تھا، پھر آہستہ آہستہ وہ اپنی فطرت اپنی عقل اور تجربے سے اور کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی رہنمائی کے ذریعے سیکھتا چلا گیا۔

دنیا کی زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رہنمائی کے ذریعے انسان نے جو باتیں سیکھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ کسی انسان کے فوت ہونے کی صورت میں اسے کیا کرنا ہے، جیسا کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو جب قتل کر ڈالا تو اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کی لاش کو کیا کرے۔ چنانچہ:

﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ﴾

(المائدة : ٣١)

''پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تا کہ اسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔''

تو مادی زندگی گزارنے کے لئے انسان اپنی عقل، فطرت، تجربات، تعلیم و تعلم درس و تدریس اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دیگر صلاحیتوں کے ذریعے جو کچھ سیکھتا ہے وہ نسل در نسل اس کی اولاد میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔

مگر اخروی زندگی کے حوالے انسان جو کچھ سیکھتا ہے وہ اکثر و بیشتر نہ اپنی اولاد کو منتقل کر پاتا ہے اور نہ ہی خود مستفید ہوتا ہے۔ اِلا ما شاء اللہ، اور اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کے اندر بہت سی فطری کمزوریاں ہیں کہ جن کے سامنے وہ مغلوب ہو جاتا ہے، جیسا کہ انسان کی کمزوری ہے کہ وہ جلدی حاصل ہونے والی چیز کو پسند کرتا ہے اور اسے دائمی اور پائیدار چیز پر

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ترجیح دیتا ہے اور انسان کی کمزوری ہے کہ وہ بھول جاتا ہے، لاپرواہی کرتا ہے، خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور اس طرح کی دیگر بہت سی کمزوریاں ہیں، اس لئے اسے ہمیشہ اور بار بار یاد دہانی کی ضرورت پڑتی ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی مزید رحمت اور اتمام حجت کرتے ہوئے اسے اس سعادت سے نوازا کہ اس کی رہنمائی کا اضافی بندوبست فرمایا اور وہ رہنمائی جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ انبیاء و رسل علیہم السلام اور پھر اُن کے بعد علماء کرام کے ذریعے دینے کا بندوبست فرمایا، اگرچہ اسلام میں نظامِ اصلاحِ احوال ، ایسا جامع، مضبوط اور مربوط نظام ہے کہ معاشرے کا ہر فرد کسی نہ کسی درجے پر اور کسی نہ کسی لحاظ سے اس کا ذمہ دار قرار پاتا ہے، اس وقت اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔

تاہم علماء کرام ہر دور میں، اُس دور کے مسائل کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی کرتے چلے آئے ہیں اور یہ سلسلہ ان شاء اللہ یونہی جاری رہے گا۔

البتہ چونکہ ہر بعد میں آنے والا دور، پہلے دور سے بدتر ہوگا، علمائے حقہ کم ہوتے چلے جائیں گے، جہالت پھیلتی چلی جائے گی، اقتدار جاہل اور دین بیزار قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا، مال ودولت کی بہتات اور فراوانی ہوگی، ناچ گانا عام ہوگا، زندگی کو آسان بنانے کے ذرائع اور وسائل زیادہ ہوں گے اور اسی لحاظ سے مسائل بھی زیادہ ہونگے۔

اور علمائے حق جو کہ ہر دور میں کم رہے ہیں اور کم ہی رہیں گے، جیسا کہ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ))

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے ساتھ ظاہر اور غالب رہے گا، انھیں رسوا کرنے کی کوشش کرنے والا انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔“

((حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللهِ وَهُمْ كَذَالِكَ .)) (صحیح مسلم: ۱۹۲۰)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ پہنچے اور وہ اسی حالت میں ہونگے۔''

فتنوں کے دور میں جبکہ وسائل کے ساتھ طبعی طور پر مسائل بھی زیادہ ہوں گے اُدھر علمائے حق جو کہ ہر دور میں کم رہے ہیں، انھیں فوت کر کے علم اٹھا لئے جانے کے ساتھ اور بھی کم ہوجائیں گے تو آپ اندازنہیں کر سکتے کہ اُس وقت دنیا میں کس قدر فتنہ وفساد برپا ہوگا۔

تو اُس دور کے بارے میں کہ جس کے بارے میں دلائل کی روشنی میں میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس میں داخل ہوچکے ہیں، خصوصی توجہ اور غور وفکر کی ضرورت ہے۔

آپ ﷺ نے چودہ سوسال پہلے جن باتوں سے ہمیں آگاہ کیا اور جن فتنوں سے خبردار کیا، افسوس کہ ہم ان میں مبتلا ہونے کے باوجود بے فکر اور بے پرواہ ہیں۔

آپ ﷺ نے معمول کی گفتگو اور تعلیم وتربیت کے ضمن میں یہ ارشادات نہیں فرمائے بلکہ باقاعدہ اہتمام کے ساتھ ان سے خبردار فرمایا: جیسا کہ حدیث میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ .))

''ہم آپ ﷺ کے ساتھ ایک بار شریکِ سفر تھے۔''

((فَنَزَلْنَا مَنْزِلاً .))

''ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔''

((فَمِنَّا مَنْ يُصْلِحُ خِبَاءَهُ، وَمِنَّا مَنْ يَنْتَضِلُ، وَمِنَّا مَنْ هُوَ فِيْ جَشَرِهِ .))

ہم میں سے کوئی اپنا خیمہ درست کرنے میں مصروف ہوگیا، کوئی نیزہ بازی اور تیر اندازی کی مشق کرنے لگا اور کوئی اپنے جانوروں کے ساتھ ہی ٹھہر گیا۔ جانوروں کے ساتھ ٹھہرنے کا مطلب ہے کہ جانور جب چرتے چرتے دور نکل جاتے اور رات ہوجاتی تو وہ واپس نہ لوٹتے بلکہ وہیں سوجاتے، تو جو لوگ ان کی دیکھ بھال میں مصروف ہوتے وہ بھی وہیں رات گزارتے۔

((إِذْ نَادٰى مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: اَلصَّلَاةَ جَامِعَةً .))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''کہ اُدھر آپ ﷺ کے منادی نے ''الصَّلاۃَ جَامِعَۃً'' کہہ کرندا لگائی۔''

الصلاۃُ جامعۃ کالفظی مفہوم تو ہے کہ نماز جمع کرنے والی ہے، مگراس سے مراد نماز کے لئے نہیں، بلکہ لوگوں کو جمع کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔

((فَاجْتَمَعْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ .))

''تو ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھے ہوگئے۔''

((فَقَالَ: اِنَّہُ لَمْ یَکُنْ نَبِیٌّ قَبْلِیْ اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَیْہِ اَنْ یَدُلَّ اُمَّتَہُ عَلٰی خَیْرِ مَایَعْلَمُہُ لَھُمْ وَیُنْذِرَھُمْ شَرَّ مَایَعْلَمُہُ لَھُمْ .))

''تو فرمایا: مجھ سے پہلے ہر نبی پر یہ لازم تھا کہ وہ اپنی امت کو ہر اُس چیز سے آگاہ کرے جو اُن کے لئے خیر کی بات جانتا تھا اور ہر اُس شر سے خبردار کرتا رہے جس کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ ان کے لئے شر ہے۔''

پھراس تمہید کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَاِنَّ اُمَّتَکُمْ ھَذِہٖ جُعِلَ عَافِیَتُھَا فِیْ اَوَّلِھَا .))

''اورتمہاری اس امت کی عافیت اُس کے شروع میں رکھ دی گئی ہے، یعنی اس امت کا دوراول فتنوں سے محفوظ ہوگا۔''

((وَسَیُصِیْبُ آخِرَھَا بَلَاءٌ وَاُمُوْرٌ تُنْکِرُوْنَھَا .))

(صحیح مسلم : ١٨٤٤)

''جبکہ اس کے آخر میں بلائیں، آزمائشیں، مصیبتیں اور فتنے ہوں گے اور ایسے اُموراور واقعات رونما ہوں گے جنہیں تم ناپسند کرو گے۔''

آپ ﷺ کا یہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے تھا کہ جس میں آپ ﷺ نے انہیں آگاہ کیا کہ اس امت کا خیر و عافیت والا دوران کا دور ہے اورانہی کے دور میں اس امت کا آخری دوربھی شروع ہوجائے گا کہ جس میں وہ ناپسندیدہ واقعات کا مشاہدہ کریں گے۔

اس خیروعافیت والے دور کا اختتام کب ہوا اورفتنوں کے دور کا آغاز کب ہوا؟ تو وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عافیت والا دور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ ختم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی فتنوں کے دور کا آغاز ہو جاتا ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے واضح ہوتا ہے:

ایک بار حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں موجود اپنے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ:

((أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْفِتْنَةِ))

تم میں سے کس کو فتنے کے بارے میں آپ ﷺ کا کوئی فرمان یاد ہے؟

تو جواب میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے، اور پھر روزمرہ میں پیش آنے والے فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: آدمی کے اہل وعیال، اس کے مال و دولت اور پڑوسیوں کے ساتھ معاملات میں پیش آنے والے فتنوں کو نماز، صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مٹا دیتا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان فتنوں کی بات نہیں کر رہا بلکہ اُن فتنوں کی بات کر رہا ہوں جو سمندر کی لہروں کی طرح موجیں مارنے والے ہوں گے، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: اے امیر المؤمنین! آپ کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے، کیوں کہ:

((إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا)) (صحيح البخاري : ٥٢٥)

آپ کے اور ان کے درمیان بند دروازہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: توڑا جائے گا اور وہ دروازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے وضاحت فرمائی تھی۔

تو فتنوں کے دور کا آغاز حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ ہی ہو گیا تھا، چنانچہ آج کا یہ دور بھی فتنوں کا دور ہی ہے، اور آج اس دور میں بکثرت فتنے موجود ہیں، اور ہر نیا آنے والا دن نت نئے فتنوں کے ساتھ نمودار ہوتا ہے، لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ فتنوں کے بارے میں آگاہی حاصل کی جائے کہ کون سی چیز فتنہ ہے اور کون سی نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فتنوں کی اس کثرت کے سبب صرف یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ کون سی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چیز فتنہ نہیں ہے، کیوں کہ فتنوں کی کثرت سے تو آپ ﷺ نے یوں خبردار فرمایا ہے کہ:

((فَإِنِّي لَأَرَى الفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوْتِكُمْ كَوَقْعِ القَطْرِ))

(صحيح البخاري : ٧٠٦٠)

میں فتنوں کو تمھارے قرب و جوار میں بارش کے قطروں کی طرح گرتا ہوا دیکھتا ہوں۔

اور فتنے کسی ایک میدان میں نہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں ہیں کہ جس طرف نظر اُٹھا کر دیکھیں اسی طرف فتنے ہی فتنے ہیں، اور جس فتنے کی طرف ذرا سی توجہ مبذول کریں وہ اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، مگر آج کے دور میں میدانِ سیاست ایک ایسی فتنوں کی آماجگاہ ہے کہ ہر شخص اس کی دلدل میں پھنسا ہوا نظر آتا ہے، اور لوگ ایسے سادہ لوح اور بھلے مانس ہیں کہ ان سیاستدانوں کو اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھ بیٹھتے ہیں حالانہ یہ سراسر اقتدار کی جنگ ہے، مگر اصلاح کے نام پر ہوتی ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝١١﴾

(البقرة : ١١)

”جب کبھی ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔“

یہ عذر، یہ بہانہ آپ کو ہر سطح پر نظر آئے گا، بین الاقوامی معاملات میں بھی اور ملکی سطح پر بھی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ:

﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ۝١٢﴾

”خبردار! یہی لوگ حقیقت میں مفسد ہیں مگر انہیں شعور نہیں ہے۔“

اور یہ اقتدار کی جنگ، یہ فتنہ وفساد لوگوں کو بے وقوف بنائے بغیر نہیں ہوسکتا، اور ایسے لوگ معاشرے میں بکثرت موجود ہوتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ہم ان میں سے کون سی قسم میں شامل ہیں، آیئے اپنے اپنے بارے میں غور کرتے ہیں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((النَّاسُ ثَـلَاثَةٌ))

لوگ تین قسم کے ہیں

(عَالِمٌ رَبَّانِيٌّ)

عالم ربانی۔ عالم ربانی وہ عالم دین ہوتا ہے، جو عالم باعمل ہو، اور انبیاء علیہم السلام اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد عام لوگوں میں اس سے بڑا درجہ کسی اور شخص کو حاصل نہیں ہے۔

(وَمُتَعَلِّمٌ عَلَى سَبِيْلِ نَجَاةٍ)

اپنی نجات کے لیے دین کا علم حاصل کرنے والا یعنی ایک ایسا شخص جو اپنی نجات کی فکر کرتے ہوئے دین کا علم سیکھنے کی کوشش کرتا ہے، وہ عالم تو نہیں ہوتا کہ دوسروں کی رہنمائی کر سکے، مگر اپنی نجات کے لیے مقدور بھر علم دین حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

((وَهَمَجٌ رُعَاعٌ))

اور ایک جاہل اور احمق قسم کے لوگ۔

یعنی جنھیں کسی چیز کی فکر نہیں ہوتی، نہ یہ فکر ہوتی ہے کہ معاشرے میں امن و امان ہو، نہ ہی یہ فکر کہ معاشرے میں بے حیائی نہ پھیلے، ناچ گانا نہ ہو، اور نہ اس بات کی فکر کہ انھیں جہنم سے کس طرح بچنا ہے، بلکہ وہ تو جہنم سے ایسے بے خوف ہوتے ہیں کہ اُلٹا اہل دین کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

(أَتْبَاعُ كُلِّ نَاعِقٍ) (جامع بيان العلم وفضله : ١٤٩)

ہر ہانکنے والے کی آواز پر چل پڑنے والا۔

یعنی تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اپنی کوئی سوچ نہیں رکھتے، صحیح اور غلط کی پہچان نہیں رکھتے، بلکہ کبھی کسی اور کبھی کسی ہانکنے والے کے پیچھے چل دیتے ہیں، جس طرح جانور چرواہے کی بات کو نہیں سمجھتا کہ اس نے کیا کہا ہے، بس صرف آواز کے پیچھے چل دیتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً﴾

(البقرہ: ۱۷۱)

''یہ لوگ جنہوں نے اللہ کے بنائے ہوئے طریقے پر چلنے سے انکار کیا، ان کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے چرواہا جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ ہانک پکار کی صدا کے سوا کچھ نہیں سنتے۔''

تو یہ لوگوں کی تیسری قسم ہے، جنہوں نے اپنے دماغ فتنہ وفساد برپا کرنے والوں کے حوالے کر رکھے ہیں کہ ہماری عقلوں کو جس طرح چاہو استعمال کرو اور یہی لوگ معاشرے میں لگنے والی ہر آگ کا ایندھن بنتے ہیں۔ اب بتائیں کہ جب عقل ہی پاس نہ ہو تو کس طرح کوئی فتنہ، فتنہ معلوم ہوگا، یہ دھرنے، یہ احتجاج، یہ مظاہرے اگر فتنہ نہیں ہیں تو پھر اس دور میں کچھ بھی فتنہ نہیں ہے۔ اور اسی لئے فتنے سمجھ نہیں آتے کہ دین بھی پاس نہیں ہے اور عقل بھی نہیں ہے، جو فتنوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان کی عقل چھین لی جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لَهَرْجًا .))

''قیامت سے پہلے (ہرج) ہوگا۔''

حضرت ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْهَرْجُ؟))

میں نے کہا: ''اللہ کے رسول ﷺ! ''ہرج'' کیا ہے؟''

((قَالَ: اَلْقَتْلُ .))

آپ نے فرمایا: ''قتل۔''

((فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَقْتُلُ الْآنَ فِى الْعَامِ الْوَاحِدِ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ كَذَا وَكَذَا .))

''کچھ مسلمانوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! ہم تو اب بھی سال میں اتنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اتنے مشرکوں کو قتل کرتے ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

((لَيْسَ بِقَتْلِ الْمُشْرِكِيْنَ ، وَلٰكِنْ يَقْتُلُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ، حَتَّى يَقْتُلُ الرَّجُلُ جَارَهُ وَابْنَ عَمِّهِ وَذَاقَرَابَتِهِ))

فرمایا: اس سے مراد مشرکوں کو قتل کرنا نہیں بلکہ تم میں سے لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں گے حتی کہ آدمی اپنے پڑوسی کو قتل کرے گا، اپنے چچازاد کو قتل کر دے گا، اور اپنے رشتہ دار کو قتل کرے گا۔

((فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَمَعَنَا عُقُوْلُنَا ذٰلِكَ الْيَوْمِ؟))

لوگوں میں سے کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس وقت ہمارے پاس عقلیں ہوں گی؟

((فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ : لَا))

تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔

((تُنْزَعُ عُقُوْلُ أَكْثَرِ ذٰلِكَ الزَّمَانِ ، وَيَخْلُفُ لَهُ هَبَاءٌ مِنَ النَّاسِ لَاعُقُوْلَ لَهُمْ)) (ابن ماجة : ٣٩٥٩)

اس دور کے اکثر لوگوں کی عقلیں چھین لی جائیں گی، اور پیچھے لوگوں کا ایک گرد و غبار رہ جائے گا، جن کی عقلیں نہیں ہوں گی۔

اقتدار کے لیے، اصلاح کے نام پر جو فتنہ و فساد برپا ہوتا ہے، وہ یقیناً بہت خطرناک ہوتا ہے۔ لیکن جب دین کے نام پر فتنہ برپا ہوتا ہے تو پھر وہ جلدی تھمنے کا نام نہیں لیتا، کیوں کہ لوگ اسے ثواب کے لیے پورے جوش و جذبے اور خلوص کے ساتھ کر رہے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں فتنوں کو سمجھنے اور ان سے دور رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آزمائشوں سے کسی کو مفر نہیں

﴿ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝٢ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝٣ ﴾

(العنکبوت: ۲، ۳)

یہ دور کہ جس دور سے ہم گزر رہے ہیں فتنوں اور آزمائشوں کا دور ہے، یوں تو ہر دور ہی فتنوں اور آزمائشوں کا دور ہے، انسان کی پوری زندگی آزمائشوں سے معمور ہے، کہ زندگی اور موت کے درمیان کا سارا وقفہ آزمائش ہی آزمائش ہے، اور قدم قدم پر آزمائش ہے، بلکہ خود زندگی اور موت بھی آزمائش ہے کہ:

﴿ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (الملك: ۲)

''جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔''

تو عمومی طور پر آزمائش ہر انسان کا مقدر ہے اور خصوصی طور پر اہل ایمان کے لئے لازم و ناگزیر ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝٢ ﴾

(العنکبوت: ۲)

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ''ہم ایمان لائے'' اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا؟''

تو فتنے اور آزمائشیں جو کہ انسان کی زندگی کا لازِمہ ہیں، وہ اُس کے دنیا میں قیام کے آخری دور میں خصوصی طور پر قابل ذکر اور قابل التفات ہوں گے، بکثرت ہوں گے، پے در

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پے ہوں گے، نہایت شدید ہوں گے، اور انتہائی مہلک ہوں گے۔

اور اس کے اسباب میں سے ایک بڑا اور بنیادی سبب گذشتہ جمعے ذکر ہوا اور وہ یہ تھا کہ علم اٹھالیا جائے گا اور جب علم اٹھالیا جائے گا اور جہالت چھا جائے گی تو کوئی اصلاح کرنے والا نہ ہوگا، رہنمائی کرنے والا نہ ہوگا، معیار بدل جائیں گے، شرک و بدعات کی کثرت ہوگی، گانے بجانے کے آلات اور گانے بجانے والی عورتوں کی بہتات ہوگی، بے حیائی اور فحش گوئی کی کثرت ہوگی اور دیگر بکثرت بڑے بڑے فتنے ہوں گے۔

لہٰذا فتنوں سے آگاہی انسان کی اور بالخصوص مسلمان کی بنیادی اور نہایت ہی اہم ضرورت ہے اور اس میں رہنمائی اس سے بھی بڑی ضرورت ہے، جب عام حالات میں جیسا کہ آپ جانتے ہیں انسان کو نصیحت و موعظت، تزکیہ و تربیت اور اصلاح و درستی کی ضرورت ہوتی ہے، تو پھر فتنوں کے دور میں تو یقیناً اس سے کہیں بڑھ کر نصیحت اور اصلاح کی ضرورت ہوگی۔

مگر افسوس کہ فتنوں کی حقیقت اور اس کی سنگینی کو کوئی سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں ہے، یقیناً فتنوں کو سمجھنا آسان نہیں ہے اور اس کی کئی ایک وجوہات ہیں: ایک تو یہ کہ فتنوں کو صرف قرآن و حدیث کی روشنی میں ہی سمجھا جاسکتا ہے اور اپنے تمام دنیوی مفادات اور وابستگیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اور مزید یہ کہ فتنوں کی سمجھ اس کو آتی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت اور توفیق حاصل ہو، ورنہ فتنوں کو سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔

اور دوسرے یہ کہ ہمارے ہاں فتنوں کا مفہوم اور تصور کچھ یوں پایا جاتا ہے کہ گویا وہ کوئی نہایت ہی مکروہ اور ناپسندیدہ چیز اور طبع انسانی پر گراں گزرنے والا کام ہے، حالانکہ فتنہ طبع انسانی کا پسندیدہ کام ہوتا ہے کہ جس کی طرف انسان بے ساختہ مائل ہو جاتا ہے، ایک ہی نظر میں جو انسان کے دل کو گھائل کر جاتا ہے اور انسان اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

فتنہ عموماً لوگوں کی پسندیدہ چیز ہوتی ہے، جیسا کہ مال اور اولاد کو فتنہ کہا گیا ہے۔ اولاد سے انسان کو کس قدر شدید محبت ہوتی ہے، ہر صاحبِ اولاد انسان اس سے بخوبی واقف ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور جو اس نعمت سے محروم ہیں وہ اس کے حصول کے لئے کس قدر بے چین و بے قرار اور پریشان ہیں اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔

اور مال اور اولاد بنص قرآنی فتنہ ہیں، اسی طرح مال و دولت کی محبت میں انسان کا کیا حال ہے، وہ بھی قرآن پاک نے ہمیں بتا دیا ہے کہ:

﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ﴿٨﴾﴾ (العاديات: ٨)

''وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔''

اسی طرح دیگر فتنے ہیں جو انسان کے بہت پسندیدہ ہیں، جیسے عہدہ و منصب اور شہرت وغیرہ ہے۔

ان میں سے کچھ چیزیں تو وہ ہیں جو کہ اصل میں تو وہ نعمت ہیں مگر چونکہ ان کے استعمال کے وقت اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدوں کو تجاوز کر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، بلکہ اکثر و بیشتر لوگ تجاوز ہی کرتے ہیں، جیسا کہ جائز طریقے سے حاصل کی ہوئی دولت یقیناً ایک نعمت ہے، مگر اس نعمت کو حرام کاموں میں صرف کرنے سے نعمت نقمت بن جاتی ہے اور آدمی فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسی طرح اسے حرام ذرائع سے حاصل کرنا بھی فتنے میں مبتلا ہونا ہے، مگر کچھ چیزیں ایسی ہیں جو کہ سراسر حرام ہوتی ہیں مگر لوگ ان کے ساتھ شدتِ تعلق و چاہت کے باعث ان میں جواز کی راہ ڈھونڈتے ہیں۔

تاہم فتنوں سے بچنے کے احادیث میں بیان کردہ ان کی اقسام کو سمجھنا ضروری ہے، اور وہ دو قسمیں ہیں: ایک انفرادی فتنے ہیں اور دوسرے اجتماعی ہیں، انفرادی فتنے وہ ہیں، کسی ایک دو یا چند افراد تک محدود ہوں، جیسا کہ بیوی بچوں کا فتنہ، مال و دولت کا فتنہ، جان کا فتنہ، جبکہ اجتماعی فتنے وہ ہیں جو پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، جیسا کہ عریانی، فحاشی، قتل و غارت اور لوٹ مار وغیرہ جیسا کہ حدیث میں ہے، اور وہ حدیث گذشتہ جمعے بھی بیان ہوئی تھی جس میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((بَيْنَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ عُمَرَ إِذْقَالَ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

النَّبِيِّ ﷺ فِي الْفِتْنَةِ ؟

ایک بار ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انھوں نے کہا: تم میں سے کس کو فتنے کے بارے میں آپ ﷺ کا کوئی فرمان یاد ہے؟

قَالَ: "فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي اَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ، وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ"

تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اہل خانہ میں، مال و دولت میں، اولاد میں اور پڑوسیوں کے ساتھ معاملات میں آنے والے فتنوں کو نماز، صدقہ، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مٹا دیتے ہیں۔"

قَالَ: "لَيْسَ عَنْ هٰذَا اَسْأَلُكَ، وَلٰكِنِ الَّتِي تَمُوْجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ"

تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم سے اس فتنے کے بارے میں نہیں پوچھ رہا، بلکہ اس فتنے کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو سمندر کی لہروں کی طرح موجیں مارنے والا ہے۔

قَالَ: "لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، اِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا"

تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! آپ کو اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے، کیوں کہ آپ کے اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔

قَالَ عُمَرُ: "اَيُكْسَرُ الْبَابُ اَمْ يُفْتَحُ ؟

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟

قَالَ: "بَلْ يُكْسَرُ"

تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ توڑا جائے گا۔

قَالَ عُمَرُ: "اِذًا لَا يُغْلَقُ أَبَدًا"

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تو وہ کبھی بند نہیں ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قُلْتُ: اَجَلْ .))

تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا: ہاں بالکل ایسے ہی ہے۔

اندازہ کیجئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کس قدر حکمت و دانائی اور دور اندیشی سے نواز رکھا تھا، فوراً بھانپ گئے کہ وہ بند دروازہ کون ہے اور اس کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

جیسا کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ:

((أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ؟ قَالَ: نَعَمْ، كَمَا يَعْلَمُ اَنَّ دُوْنَ غَدٍ لَيْلَةً .)) (صحیح البخاری: ۷۰۹۶)

”کیا عمر رضی اللہ عنہ کو اس دروازے کا علم تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ جس طرح وہ جانتے ہیں کہ کل آنے والے دن سے پہلے رات ہے۔“

تو اس حدیث سے ہمیں فتنوں کی دو قسمیں معلوم ہوئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کی ہر چیز میں فتنہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات وغیرہ کے ذریعے ان انفرادی فتنوں سے بچا جاسکتا ہے، اور وہ ان کے کفارہ ہو سکتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں بھی ہے کہ:

﴿ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾ (هود: ١١٤)

”بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔“

رہی اجتماعی فتنوں کی بات جو کہ ہمارا اصل موضوع ہے، تو وہ دیگر احادیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ ان کی سنگینی کا ذکر کیا گیا ہے اور ان سے بچنے کا حل بھی بتایا گیا ہے، جیسا کہ اپنے گھروں میں گوشہ نشینی اختیار کر لینا، اپنے اونٹوں کے باڑے میں یا اپنی بکریوں کے باڑے میں اور کھیتی باڑی کرنے والے کا اپنی زمین پر چلے جانا اور یہ سب کچھ نہ ہو تو اپنی تلوار کی دھار کو پتھر سے کند کر لینا اور جہاں تک ممکن ہو اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو فتنوں سے دور رکھنا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مگر فتنوں کے حوالے سے سب سے خطرناک پہلو یہی ہے کہ لوگ فتنوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور اس کی پیش گوئی تو آپ ﷺ نے پہلے سے فرما رکھی ہے کہ لوگوں کی عقلیں چھین لی جائیں گی۔

لہٰذا عافیت اور نجات کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ فتنوں سے دور رہا جائے، ورنہ جو ایک بار فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کا بچ نکلنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔

اور فتنوں کے بارے میں یہ بھی حقیقت ہے کہ فتنہ جب شروع ہوتا ہے تو اس کو روکنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں نادان، اور احمق قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں، اور آپ نے حالیہ فتنوں سے اس بات کا اندازہ کر لیا ہوگا کہ ایک آدمی سر عام گندی گالیاں بک رہا ہے اور لوگ اس پر سبحان اللہ کہہ رہے ہیں، کیا یہاں عقل و دانائی کی کوئی بات نظر آتی ہے۔

چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَالْفِتْنَةُ إِذَا وَقَعتْ عَجزَ الْعُقَلاءُ فِيْهَا عَنْ دَفْعِ السُّفَهَاءِ))

"جب فتنہ واقع ہو جاتا ہے تو عقلمند، نادانوں کو روکنے سے عاجز آجاتے ہیں۔"

((وهَذَا شَأْنُ الْفِتَنِ)) (منهاج السنة لابن تيمية، ج: ٤، ص: ٣٤٣)

"اور فتنوں کا یہی انداز ہوتا ہے؟"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ (الانفال: ٢٥)

"اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں ہوگی جنہوں نے تم میں سے ظلم کا ارتکاب کیا ہو۔"

ہمیں اپنے بارے میں جاننے کی کوشش کرنی چاہیے کہ کہیں ہم کسی فتنے میں مبتلا تو نہیں ہو گئے اگرچہ جب کوئی آدمی کسی فتنے کو فتنہ سمجھنے سے قاصر ہو تو وہ یہ سوچنے کی زحمت کیوں کرے گا کہ کہیں وہ فتنے میں مبتلا تو نہیں ہو گیا، مگر پھر بھی ایک فارمولے کے ذریعے ہمیں یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور وہ فارمولا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو فتنوں کی احادیث کے خصوصی راوی ہیں، کیونکہ وہ فرماتے ہیں:

((كَانَ النَّاسَ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ ، وَكُنْتُ اَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ اَنْ يُدْرِكَنِي .)) (صحيح البخاري: ٣٦٠٦)

''دوسرے صحابہ تو رسول اللہ ﷺ سے خیر کے متعلق پوچھتے تھے لیکن میں شر کے بارے میں پوچھتا، اس خوف سے کہ کہیں میں ان میں نہ پھنس جاؤں۔''

تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اِذَا اَحَبَّ أَحَدُكُمْ اَنْ يَعْلَمَ اَصَابَتْهُ الْفِتْنَةُ أَوْلَا! فَلْيَنْظُرْ: فَاِنْ كَانَ رَأَى حَلَالًا كَانَ يَرَاهُ حَرَامًا فَقَدْ اَصَابَتْهُ الْفِتْنَةُ وَاِنْ كَانَ يَرَى حَرَامًا كَانَ يَرَاهُ حَلَالاً فَقَدْ اَصَابَتْهُ .))

(مستدرك حاكم: ٨٤٤٣)

''جب تم میں سے کوئی یہ جاننا چاہے کہ اسے فتنہ پہنچا ہے یا نہیں تو وہ اس بات کو دیکھ لے کہ اگر وہ کسی چیز کو حلال جاننے لگے کہ جسے وہ حرام سمجھا کرتا تھا، تو جان لے کہ اسے فتنہ پہنچ چکا ہے اور اگر کسی چیز کو حرام جاننے لگے کہ جسے وہ حلال سمجھتا تھا تو وہ بھی فتنے میں مبتلا ہو چکا ہے۔''

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((مَاالْخَمْرُ صَرْفًا بِاَذْهَبَ بِعُقُوْلِ الرِّجَالِ مِنَ الْفِتْنَةِ .))

(مصنف ابن ابي شيبة ، ج: ٧، ص: ٤٧٥)

''شراب کوئی فتنوں سے زیادہ لوگوں کی مت مارنے والی نہیں ہے۔''

اور اسی طرح فتنوں سے بچنے کی سنجیدہ کوششوں کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

((لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ ، لَايَنْجُوْفِيْهِ ، إِلَّا مَنْ دَعَا بِدُعَاءٍ كَدُعَاءِ الْغَرِيْقِ .)) (مصنف ابن ابي شيبة ، ج: ٧ ، ص: ٤٥١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"لوگوں پر ایک دور آئے گا کہ اس میں صرف وہی شخص بچ پائے گا جو اس طرح دعا مانگے گا جیسے ڈوبنے والا شخص دعا مانگتا ہے۔"

گذشتہ جمعے ہم نے انسان کی سب سے اہم ضرورت کے بارے میں جانا کہ وعظ و نصیحت، تزکیہ وتربیت اور اصلاحِ نفس انسان کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت ہے، اگر ان باتوں کو نظر انداز کیا جائے تو معاشرے میں فتنہ وفساد اور بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے اور وعظ و نصیحت اور تزکیہ وتربیت کی ذمہ داری ہر شخص کی ذمہ داری ہے جس قدر اس کا کسی شخص پر تسلط اور اثر ورسوخ ہو اسی حساب سے اس کی ذمہ داری ہوگی، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُم مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ .))

(صحيح البخاري: ٢٤٠٩)

"تم میں سے ہر شخص راعی اور نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔"

اب جو جو لوگ جس جس لحاظ سے بھی کسی کے ماتحت ہیں وہ ان کی رعایا ہیں، لہٰذا آدمی ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔

تربیت کی ضرورت و اہمیت ایک طویل موضوع ہے، لہٰذا اس کی مکمل تفصیل میں نہیں جاتے۔ البتہ تربیت کے حوالے سے ایک غلط فہمی کا ازالہ ضرور کرنا چاہیں گے اور وہ یہ کہ لوگ عموماً تربیت کو تعلیم کا مترادف قرار دیتے ہیں اپنے بچوں کو قرآن پاک پڑھنا سکھا دینے کا نام تربیت رکھ دیتے ہیں جبکہ تربیت کا سب سے اہم اور لازمی حصہ عملی نمونہ بن کر تربیت کرنا ہے، ورنہ تعلیم بے اثر ہوتی ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت زیاد بن لَبِید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ: ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا فَقَالَ: " ذَاكَ عِنْدَ اَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ "

"آپ ﷺ نے کسی بات کا ذکر فرمایا اور پھر فرمایا: یہ اُس وقت ہوگا جب علم اٹھ جائے گا۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَنُقْرِئُهُ اَبْنَاءَ نَا ، وَيُقْرِئُهُ اَبْنَاؤُنَا اَبْنَاءَ هُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .))

''تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ: علم کیسے اٹھ جائے گا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں، اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں اور آگے وہ اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور پھر یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔''

قَالَ: " ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ زِيَادُ! "

تو آپ ﷺ نے از راہِ تعجب فرمایا: ''زیاد! تیری ماں تجھے گم پائے۔''

((اِنْ كُنْتُ لَأَرَاكَ مِنْ اَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ .))

''میں تو تمہیں مدینہ کے سمجھدار لوگوں میں شمار کرتا تھا۔''

((اَوَ لَيْسَ هَذِهِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارَى يَقْرَءُ وْنَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ لَا يَعْمَلُوْنَ بِشَيْءٍ مِمَّافِيْهِمَا)) (ابن ماجة : ٤٠٤٨)

''کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہود ونصاریٰ تورات وانجیل کو پڑھتے ہیں، لیکن ان میں جو کچھ ہے اس میں سے کسی چیز پر عمل نہیں کرتے۔''

تو تربیت کے لئے عملی نمونہ بن کر ہی تربیت ہوسکتی ہے، اور ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ بچوں کو خراب کرنے کے تمام لوازمات مہیا کرکے، کمپیوٹر، ٹی وی، فون دے کر سمجھنا کہ بچوں کی تربیت کررہے ہیں تو یہ بات بڑی مضحکہ خیز ہے اور یہ تو ایسے ہی ہے جیسے شاعر کہتا ہے کہ:

اَلْقَاهُ فِي الْيَمِّ مَكْتُوْفًا وَقَالَ لَهُ
إِيَّاكَ إِيَّاكَ أَنْ تَبْتَلَّ بِالْمَاءِ

اس کے ہاتھ پشت کی طرف باندھ کر سمندر میں پھینکتے ہوئے کہنے لگا احتیاط کیجیے گا کہیں بھیگ نہ جانا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا کی زندگی سامانِ فریب کے سوا کچھ نہیں

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰﴾ (الحدید : ۲۰)

یہ دنیا جو دکھوں، تکلیفوں، مصیبتوں، آزمائشوں اور امتحانوں کا گھر ہے، یہ دنیا جو لڑائی جھگڑوں اور فتنوں اور فسادوں کی آماج گاہ ہے، یہ دنیا جو گمراہی، بے راہ روی اور گم گشتگی کا ساماں ہے، اس دنیا کی حقیقت کیا ہے، لوگ کیوں بے ساختہ اس کی طرف لپکتے اور کھچے چلے جاتے ہیں اور کیونکر اس کی دلدل، چنگل اور جال میں پھنستے چلے جاتے ہیں اور کیونکر اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ دنیا دار الامتحان ہے، عارضی اور فانی ہے اور ادھوری اور ناقص ہے، اس کی ہر نعمت عارضی اور قلیل ہے حتی کہ پوری کی پوری دنیا ہی نہایت مختصر مدت کے لئے ہے۔

اس دنیا کی حقیقت کیا ہے، انسان کو سمجھ کیوں نہیں آتی، اور اگر آتی ہے تو تجاہل عارفانہ سے کام کیوں لیتا ہے، یعنی جان بوجھ کر انجان کیوں بنتا ہے، اور دنیا کی حقیقت سمجھ نہ آنے کے نقصانات کیا ہیں؟ آیئے جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

اگر چہ انسان اپنی عقل اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں کافی حد تک دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیتا ہے، انسان اپنی عقل اور مشاہدے سے دیکھتا اور سمجھ لیتا ہے کہ اس کا قیام اس دنیا میں عارضی، غیر یقینی اور نہایت مختصر ہے، وہ دیکھتا ہے کہ کبھی کوئی بچہ پیدا ہوتے ہی فوت ہوجاتا ہے، کبھی بچپن کے چند سال گزار کر، کبھی لڑکپن میں، کبھی جوانی میں، کبھی ادھیڑ عمر میں، اور کبھی ارذل العمر یعنی بدترین عمر میں، تاہم اسے حتمی طور پر اس دنیا سے رخصت ہونا پڑتا ہے۔

انسان کے قیام کا محدود اور غیر یقینی ہونا، انسان کے مشاہدے کے لحاظ سے ہے ورنہ تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہر انسان کا اس دنیا میں آنا اور جانا ایک مقررہ وقت پر ہوتا ہے اور یقینی طور پر ہوتا ہے لمحہ بھر بھی اس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی، تو انسان اپنی عقل، اپنی فطرت، اپنے تجربے اور اپنے مشاہدے سے حاصل ہونی والی معلومات کی بنا پر تجزیہ کرتے ہوئے مزید حقائق تک پہنچنے کی خوب صلاحیت رکھتا ہے اور اندازہ کرسکتا ہے کہ اس کا دنیا کے ساتھ کس طرح کا معاملہ ہونا چاہیے۔

مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنا مزید فضل وکرم کرتے ہوئے، اس کی ہدایت ورہنمائی کے لئے قرآن پاک میں دنیا کی حقیقت کو بہت تفصیل، وضاحت، دلائل اور مثالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قرآن وحدیث میں دنیا کی حقیقت اور حیثیت جو بیان کی گئی ہے، اس میں سے چند ایک باتوں کا ذکر سنتے ہیں اور پھر اس کی تفصیل جاننے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

قرآن پاک میں ایک پہلو سے دنیا کی حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بہت مختصر ہے اس کی عمر بہت تھوڑی ہے۔ فرمایا:

﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ ﴾ (الروم: ٥٥)

”اور جب وہ ساعت برپا ہوگی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے ہیں۔“

﴿ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴾ (الروم: ٥٥)

”اسی طرح وہ دنیا کی زندگی میں دھوکا کھایا کرتے تھے۔“

ایک دوسری پہچان دنیا کی یہ کرائی کہ وہ متاعِ قلیل ہے، فرمایا:

﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ ﴾ (النساء: ٧٧)

”ان سے کہو دنیا کا سرمایۂ زندگی تھوڑا ہے۔“

﴿ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴾ (النساء: ٧٧)

”اور آخرت ایک تقویٰ اختیار کرنے والے انسان کے لئے زیادہ بہتر ہے اور تم

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پر ایک لمحہ برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔''

دنیا کی ایک تعریف یہ بیان کی کہ:

﴿ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ ﴾

(المؤمن: ۳۹)

''یہ دنیا تو اک متاع زندگی ہے، جائے قرار تو آخرت ہی ہے۔''

اور ایک آیت کریمہ میں دنیا کی حقیقت کے چند پہلو کچھ یوں بیان فرمائے، فرمایا:

﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ ﴾ (الحدید: ۲۰)

''خوب جان لو! کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی، زیب و زینت اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ دنیا کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک بارش ہوگئی، تو اُس سے پیدا ہونے والے نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہوگئے، پھر وہی فصل پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے، اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔''

اسی طرح احادیث میں بھی دنیا کی حقیقت بیان کی گئی ہے ایک حدیث میں ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِالسُّوْقِ دَاخِلًا مِنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ وَالنَّاسُ كَنَفَتَهُ .))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ایک روز آپ ﷺ بازار میں سے گزرے کسی عالیہ کی طرف سے آتے ہوئے (عالیہ وہ گاؤں ہیں جو مدینہ سے باہر بلندی پر واقع ہیں) اور لوگ آپ کے ایک جانب تھے۔''

((فَمَرَّ بِجَدْيٍ اَسَكَّ مَيِّتٍ .))

''تو ایک چھوٹے کانوں والی مری ہوئی بکری کے پاس سے گزرا ہوا۔''

((فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَهُ بِأُذُنِهِ .))

''آپ ﷺ نے اسے اس کے کان سے پکڑا۔''

ثُمَّ قَالَ: ((اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ .))

پھر فرمایا: ''تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ ایک درہم میں اس کی ہو جائے، یعنی ایک درہم میں اسے کون خریدنا پسند کرے گا؟''

((فَقَالُوْا مَانُحِبُّ اَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ وَمَانَصْنَعُ بِهِ .))

''تو لوگوں نے عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی بھی پسند نہیں کرے گا کہ کسی بھی چیز کے عوض اس کو خریدے اور ہم اس کا کیا کریں گے۔''

یعنی ایک درہم تو کیا، اس سے بھی کم قیمت پر خریدنا کوئی پسند نہیں کرے گا:

قَالَ: ((أَتُحِبُّوْنَ اَنَّهُ لَكُمْ .))

تو فرمایا: ''کیا پسند کرو گے کہ بس یونہی تمھیں مل جائے؟''

قَالُوْا: ((وَاللّٰهِ! لَوْكَانَ حَيًّا كَانَ عَيْبًا فِيْهِ، لِاَنَّهُ، اَسَكُّ فَكَيْفَ وَهُوَ مَيِّتٌ .))

تو انہوں نے کہا کہ: ''اگر یہ زندہ ہوتی تو بھی عیب اور نقص والی تھی کہ چھوٹے کانوں والی ہے اور پھر بھلا کیسے کوئی پسند کرے گا جبکہ یہ مردہ بھی ہے!''

فَقَالَ: ((وَاللّٰهِ! لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ .))

(صحیح مسلم: ٢٩٥٧)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی حیثیت تمہارے ہاں بکری کی اس حیثیت سے بھی کم ہے۔“

ایسے ہی ایک اور حدیث میں ہے، جو کہ مشہور ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَاسَقٰى كَافِراً مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ .)) (جامع ترمذی: ۲۳۲۰)

”دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے ہاں اگر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی، تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس میں سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نصیب نہ کرتے۔“

اور اس جیسی اور بہت سی احادیث میں سے ایک یہ ملاحظہ فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا الدُّنْيَا فِيْ الآخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُم اِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ .)) (صحیح مسلم: ۲۸۵۸)

”آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈبوئے، پس وہ دیکھے کہ اس کے ساتھ کیا لگ کر آیا ہے۔“

دنیا کی حقیقت ہمارے ذاتی مشاہدے اور قرآن وحدیث کے بیان کردہ حقائق کی روشنی میں اصولاً تو ہمیں سمجھنے میں کوئی مشکل باقی نہیں رہنی چاہیے، مگر یہ دلائل جان لینے کے بعد جو کہ اکثر وبیشتر لوگوں کو پہلے سے ہی معلوم ہوں گے، کیا ہمیں دنیا کی حقیقت سمجھ میں آئی ہے یا نہیں، اس کا انحصار تو ہمارے طرز عمل پر ہوگا، جبکہ ہمارے طرز عمل سے تو بالکل واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ ہمیں دنیا کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی، کیونکہ دنیا اور آخرت کا جو مقارنہ اور موازنہ قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے اس حساب سے تو ہمیں آخرت کے لئے زیادہ محنت کرنی چاہیے اور دنیا کے لئے بس ضرورت کے مطابق، مگر ہمارا طرز عمل اس کے سراسر برعکس ہے، دنیا کے حصول کے لئے جو کم از کم وقت دیا جاتا ہے وہ تقریباً آٹھ گھنٹے روزانہ ہے، جبکہ بہت سے لوگ کم از کم بارہ بارہ گھنٹے بھی کام کرتے ہیں۔

جب بارہ بارہ گھنٹے ایک ایسی دنیا کے لئے صرف کئے جاتے ہیں جس کی حیثیت آخرت

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کے مقابلے میں صرف ایک قطرہ ہے اور اس ایک قطرے کو بھی اربوں انسان شیئر کرتے ہیں۔آپ کا شیئر اس میں سے کتنا ہوسکتا ہے اتنا کم کہ حساب لگانا بھی مشکل ہے۔

مگر کیا وجہ ہے کہ اتنے ٹھوس، مضبوط اور ناقابل تردید دلائل اور مشاہدات کی روشنی میں بیان کی گئی دنیا کی بے حیثیتی جان لینے کے باوجود انسان دنیا کی طرف ہی لپکتا ہے اور اسے آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔

اور اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ جو کہ تمام وجوہات کا خلاصہ ہے، وہ یہ کہ یا تو ایمان کی خرابی کی وجہ سے یا عقل کی خرابی کی وجہ سے ہے۔

یعنی اس قدر واضح طور پر دنیا کی حقیقت معلوم ہوجانے کے باوجود انسان دنیا کو آخرت پر ترجیح دے تو یقیناً یا تو وہ ایمان سے فارغ ہے یا عقل سے فارغ ہے۔

اور اگر اس کی دیگر وجوہات پر غور کریں، تو ان میں سے ایک یہ ہے کہ دنیا میں کشش بہت زیادہ ہے، اس کشش کی وجہ سے انسان دنیا کو ترجیح دیتا اور آخرت کو نظر انداز کرتا ہے، اور ترجیح کی وہ جو اصلی اور بنیادی وجہ ہے وہ اپنی جگہ موجود ہے، یعنی ایمان کی کمزوری کی وجہ سے یا عقل کی کمی کی وجہ سے وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔

انسان کی رہنمائی کے لئے قرآن وحدیث میں جن متعدد چیزوں کی نشاندہی کرکے ان سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے ان میں سے ایک دنیا کی کشش بھی ہے، جسے دھوکے کا نام دیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِٱللَّهِ ٱلْغَرُورُ ۝٥ ﴾ (فاطر : ٥)

”لوگو! اللہ کا وعدہ یقیناً برحق ہے، لہٰذا دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ وہ بڑا دھوکے باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے پائے۔“

برحق وعدہ، یعنی آخرت کا وعدہ، کہ تمہارے تمام معاملات آخرکار اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

انسان کی اخروی کامیابی کی راہ میں حائل دو بڑی چیزوں کی نشاندہی فرمائی اور خبردار کیا، ایک یہ کہ تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور دوسرے شیطان کہیں تمہیں ورغلا نہ لے۔ دنیا انسان کو دھوکہ کیسے دیتی ہے؟

جب دنیا کی کشش سے متاثر ہوکر انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ بس یہی سب کچھ ہے تو یہ اسے دھوکہ لگنا ہوتا ہے۔ انسان کو یہ سمجھنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا کو کیسے نظر انداز کرسکتا ہے، کیوں کہ اس سے زندگی کی ضروریات پوری ہوتی ہیں جو کہ اک حقیقت ہے پھر دھوکہ کیسے ہوئی؟

دنیا دھوکہ اس وقت بنتی ہے جب انسان اس کی حیثیت سے زیادہ اس کو اہمیت دیتا ہے، دنیا جب تک ہاتھ میں رہے تو نقصان نہیں ہے مگر جب دل میں گھر کر جائے تو پھر تباہی ہے اور دنیا کے دل میں گھر کر جانے کو ہی اس کی عبادت کرنا کہا گیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ))

”دینار و درہم کا بندہ تباہ و برباد ہوا۔“

ورنہ کوئی بندہ دینار و درہم کو سجدہ تو نہیں کرتا۔

اور اسی طرح ہر وہ چیز دھوکہ ہے جو نتیجے کے وقت کارآمد ثابت نہ ہو، کسی عدد کے بائیں طرف جو زیرو ہوں وہ دیکھنے میں تو بہت بڑی رقم لگیں گے مگر جب ٹوٹل کریں گے تو ان کا نام ونشان باقی نہ رہے گا، کوئی حیثیت نہ ہوگی، دنیا کہ آخرت میں جس کی کوئی حیثیت نہ ہوگی وہ دھوکہ ہے چاہے دنیا میں اس کی کتنی ہی کشش اور اہمیت ہو، اب مال اور اولاد کی دنیا میں کتنی اہمیت ہے۔ مگر آخرت میں اس کی کیا حیثیت ہوگی، قرآن بتلاتا ہے:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾﴾

(عبس: ٣٤-٣٦)

”اس دن آدمی اپنے بھائی سے، اور اپنی ماں اور باپ سے، اور اپنی بیوی اور اولاد سے بھاگے گا۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور ایک دوسرے مقام پر ہے:

﴿ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾ ﴾

(الشعراء : ٨٨)

''جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی لیکن فائدے میں وہی ہوگا جو قلب سلیم لے کر حاضر ہوگا۔''

تو بس اتنی سی دنیا کی حیثیت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کے دھوکے سے محفوظ فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج مسلمان بے توقیر کیوں ہیں؟

﴿وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران : ۱۳۹)

ہر باشعور مسلمان کو بخوبی اس بات کا اندازہ ہوگا کہ یہ دور فتنوں کا دور ہے، یہ دور امت مسلمہ کے زوال اور انحطاط کا دور ہے، پستی اور گراوٹ اور ذلت و رسوائی کا دور ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ امت مسلمہ کا ماضی نہایت شاندار، تابناک اور درخشاں تھا، آپ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر خلفاء راشدین کے دور خلافت، اُموِی اور عباسی ادوار اور آخر میں خلافتِ عثمانیہ کے دور تک مسلمانوں کی اک شان و شوکت تھی، عظمت تھی رعب و دبدبہ تھا، عزت و احترام تھا، شرافت، امانت اور دیانت مسلّم تھی۔

مگر آج ذلیل و رسوا ہیں، بے یار و مددگار ہیں، نہ عزت ہے نہ احترام ہے نہ کوئی حیثیت ہے۔ مگر ایسا کیوں ہے؟ یہ ایک لمبی داستان ہے اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ آج مسلمان محض نام کے مسلمان رہ گئے ہیں، مسلمانوں نے اسلام کے احکام کو پس پشت ڈال رکھا ہے، زندگی کا مقصد صرف عیش و عشرت رہ گیا ہے، دنیا کی محبت جو پہلے ہی پوری شدت کے ساتھ انسان کی فطرت میں موجود ہے اس میں مزید شدت آگئی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کی بے بسی اور بے کسی کا سبب بیان کرتے ہوئے پیشین گوئی فرما رکھی ہے کہ مسلمانوں کی بے بسی، خستہ حالی، عَجز و ناتوانی بے حیثیتی اور بے توقیری کا سبب یہ ہوگا کہ:

((حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ .)) (سنن ابی داود: ٤٢٩٧)

''دنیا سے محبت اور موت کو ناپسند کرتے ہوں گے۔''

اور آج ہماری حالت اس پر شاہد ہے، سب کچھ عیاں ہے، کچھ پوشیدہ نہیں ہے، آج مسلمان دنیا کی محبت اور موت کی نفرت سے اس قدر مغلوب ہو چکے ہیں کہ دین کے معاملات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں بے عملی، سستی اور کوتاہی تو ایک طرف، ہم نے فرائض تک کو نظر انداز کر رکھا ہے اور کوئی گناہ، معصیت اور نافرمانی ایسی نہیں جس میں ہم اغیار کے شانہ بشانہ نہ ہوں، بلکہ بہت سی چیزوں میں تو شاید ہم اُن سے بھی آگے نظر آتے ہیں۔

آپ ﷺ کی اس بارے میں پیشین گوئی تو یہ ہے کہ:

((لَتَتْبَعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَضَبٍّ تَبِعْتُمُوْ هُمْ .))

فرمایا: ''تم اپنے سے پہلے گزری قوموں کی پیروی کرو گے بالشت بر بالشت اور ہاتھ بر ہاتھ، حتی کہ اگر وہ گوہ کی بِل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کے پیچھے چلو گے۔''

((قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ، اَلْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى؟))

ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ کی مراد یہود و نصاری ہیں؟

((قَالَ فَمَنْ)) (صحیح البخاری: ۷۳۲۰)

تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو اور کون؟

اور آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی آج حرف بحرف ظاہر ہوچکی ہے کہ ہم میں سے بہت سے مسلمان پورے پورے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں بلکہ کچھ تو ایسے بھی ہیں کہ جو یہود و نصاری کی خوشنودی کے لئے اس سے بھی چند قدم آگے نکل گئے ہیں۔

مثلاً: حال ہی میں ایک اسلامی ملک نے اپنے ملک میں گیارہ ملین ڈالرز کی لاگت سے ایک کرسمس ٹری بنایا ہے، وہ اس سے کیا ظاہر کرنا چاہتے ہیں، سوائے اس کے کیا ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے اپنے آقاؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور اگر یہی وجہ ہے تو پھر یہ اُن کی ایک ناکام کوشش ہے، کیونکہ قرآن پاک نے اس ضمن میں اک فیصلہ کن بات بیان کر رکھی ہے کہ:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ﴾

(البقرہ: ۱۲۰)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

"یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔"

جب تک کوئی مکمل طور پر ان کا رنگ ڈھنگ اختیار نہیں کر لیتا ان کا عقیدہ و مذہب نہیں اپنا لیتا وہ راضی نہ ہوں گے۔ آدھا تیتر، آدھا بٹیر بننے سے وہ راضی نہ ہوں گے۔

تعجب ہے کہ اک مسلمان سے مطلوب تو یہ ہے کہ وہ صاف صاف کہہ دے:

﴿ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝ ﴾ (الکافرون: ٦)

"تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔"

مگر وہ اس کے دین کو خود اُس سے زیادہ مانے! بات سمجھ لیں نہیں آتی۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک کرسمس ٹری پر گیارہ ملین ڈالرز خرچ کرنے والے کو شاید روہنگیا کے مسلمانوں پر گیارہ ڈالرز بھی خرچ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی ہوگی۔

یہ تو خیر پیسے والے لوگ ہیں اور چونکہ ہر آدمی اپنی حیثیت سے اپنا اظہار ماضی الضمیر کرتا ہے، اس لئے یہ بڑی خبر بن گئی، مگر مسلمانوں کی یہ حالتِ زار، گمراہی اور بے راہ روی، ان چند دولت مند لوگوں تک ہی محدود نہیں، بلکہ غریب، مفلوک الحال اور مزدور طبقے کا بھی یہی حال ہے، دین سے وہ بھی اس قدر بے زار ہیں، اندازہ کریں:

ابھی گذشتہ جمعے ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ آپ سیاست میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں، وہ صاحب کہنے لگے کہ دلچسپی کیوں نہ رکھوں: میری والدہ کھانا پکانے کے لئے پہلے لکڑیاں جلایا کرتی تھیں پھر گیس آگئی اور آج پھر دوبارہ لکڑیاں جلانا پڑ گئی ہیں۔

سبحان اللہ! کیا دور اندیشی اور کیا فکر انگیزی ہے، کیا معصومیت ہے، سیاست میں دلچسپی کا باعث یہ ہے کہ لکڑیاں جلانا پڑتی ہیں مگر وہ موقف اور مقام کہ جہاں انسان کو خود لکڑیوں کی طرح جلنا پڑ سکتا ہے، اس کی کوئی فکر نہیں، نوافل تو درکنار، فرائض کی ادائیگی کی بھی علی وجہ المطلوب توفیق نہیں ہے۔

آپ نے اندازہ کیا کہ آج مسلمان بے حیثیت اور بے توقیر کیوں ہیں آج مسلمان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک کثرت کے باوجود جھاگ، تلچھٹ اور خس و خاشاک کی مانند کیوں ہیں!

آپ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کی آج کی بے بسی کی پیشین گوئی اور اس کا سبب بیان فرما رکھا ہے۔ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ ، كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا .))

"قریب ہے کہ امتیں، قومیں، مختلف ممالک تم پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک دوسرے کو دعوت دیں، جس طرح کھانے والے، کھانے کے برتن، کھانے کی میز اور دستر خوان پر ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں۔"

((فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟))

"کسی کہنے والے نے کہا: کیا اُس روز یہ ہماری عددی قلت کی وجہ سے ہوگا؟"

قَالَ: ((بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ .))

فرمایا: "بلکہ اس وقت تم بہت کثرت میں ہوگے۔"

((وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ .))

"مگر تمہاری حیثیت سیلاب کی جھاگ اور خس و خاشاک کی سی ہوگی۔"

((وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ .))

"اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہارا رعب و دبدبہ نکال دے گا۔"

((وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهَنَ .))

"اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں وَھن ڈال دے گا۔"

((فَقَالَ قَائِلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْوَهَنُ .))

"کسی کہنے والے نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ: اور وھن کیا ہے؟"

قَالَ: ((حُبُّ الدُّنْيَا وَ كَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ .)) (سنن ابی داود: ٤٢٩٧)

فرمایا: "دنیا کی محبت اور موت کی کراہت۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ نے دنیا سے ہماری محبت اور موت سے نفرت کا اندازہ لگایا! کہاں ہم کہ جن کی زندگی کا مقصد بجلی اور گیس کا حصول اور کہاں وہ کہ جن کی زندگی کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ٹھہرا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگیوں پر نظر ڈالیں تو ان کی بے سروسامانی اور کسمپرسی دیکھ کر آنکھوں سے بے ساختہ آنسو ٹپک پڑیں مگر ان کا جوش و جذبہ، قوتِ ایمانی اور مقصد زندگی دیکھیں تو ایمان میں حرارت پیدا ہونے لگے۔

حالاتِ جنگ میں دن بھر کے لئے کھانے کو صرف ایک کھجور ملے جسے وہ چوس کر گزارہ کریں اور زبان پر کوئی شکوہ نہ آئے، کیونکہ عیش وعشرت ان کی زندگی کا مقصد ہی نہ تھا۔

پیٹ پر پتھر باندھے، پتھریلی زمین میں خندق کھودنے والے ہوں، اور کھانے میں دو مٹھی بھر جو کو بدبودار چربی میں پکا کر پیش کیا جائے تو بھی ماتھے پر شکن نہ آئے!

چہ نسبت خاک را باعالم پاک

ایسے خوب صورت اور قابلِ فخر و قابلِ ستائش کردار والی ہستیوں کا دور سنہرا اور شاندار دور کیوں نہ ہو، عزت وعظمت والا دور کیوں نہ ہو!

اور جس دور میں لوگوں کا مقصدِ زندگی فقط دنیا کا حصول ہو، حُب الدنیا وکراھیۃ الموت ہو، وہ ذلیل ورسوا کیوں نہ ہوں، دربدر کی ٹھوکریں کیوں نہ کھائیں، مختلف قومیں اُن پر چڑھ دوڑنے کے لئے ایک دوسرے کو کیوں نہ بلائیں، ہم جانتے ہی نہیں کہ دنیا میں قوموں کا معیارِ عزت و ذلت اور مقیاسِ عروج وزوال کیا ہے؟

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سِناں اول ، طاؤس و رباب آخر

قومیں تلواروں اور نیزوں سے مزین ہو کر ترقی اور عروج کا سفر طے کرتی ہیں، اور جب قومیں عیش وعشرت میں کھو جاتی ہیں، طاؤس و رباب میں مگن ہو جاتی ہیں، ناچ گانے اور رقص وسرور سے دل بہلانے لگتی ہیں تو زوال و انحطاط ان کا مقدر بن جاتا ہے، اور ذلت و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسوائی ان پر مسلط کر دی جاتی ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے: جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب لوگ سودی معاملات میں ملوث ہو جاتے ہیں اور کاروبارِ دنیا میں مگن ہو کر اسے آخرت پر ترجیح دینے لگتے ہیں، کہ کاروبار کے لئے، ملازمت کے لئے، مزدوری کے لئے اُن کے پاس وقت ہوتا ہے مگر نماز کے لئے نہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ذلت و رسوائی مسلط کر دیتا ہے۔ اور ایسی مسلط کرتا ہے کہ پھر

((لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوْا اِلٰى دِيْنِكُمْ .)) (سنن ابی داود: ٣٤٦٢)

''اس وقت تک اللہ تعالیٰ وہ ذلت و رسوائی مسلط کیے رکھتا ہے اور دور نہیں کرتا جب تک تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہیں آتے۔''

بد عمل، بدکردار اور ناچ گانے والے لوگوں پر صرف سادہ سی ذلت و رسوائی ہی مسلط نہیں کرتا بلکہ انھیں زمین میں دھنسا دیے جانے اور بندر بنا دیے جانے کے تحقیر آمیز عذاب سے بھی خبردار کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا .))

فرمایا: ''میری امت کے لوگ شراب پیئیں گے مگر اس کا نام بدل کر کچھ اور رکھ دیں گے۔''

((يُعْزَفُ عَلٰى رُؤُوْسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ .))

''ان کی سرپرستی میں باجے بجیں گے اور گانے والیاں گائیں گی۔''

((يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ ، وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ .)) (سنن ابن ماجه: ٤٠٢٠)

''اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کو بندر اور خنزیر بنا دے گا۔''

ناچ گانوں سے کیا ملک ترقی کرتے ہیں؟ تباہی و بربادی اور ذلت و رسوائی آتی ہے، یہ بات تو مسلّم ہے، قرآن و حدیث سے ثابت شدہ ہے۔

تعجب ہے! آج ہمیں سراسر اور کھلی معصیت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور خوف نہیں ہے، جبکہ ہمارے اسلاف تو اس سے بھی کم، بلکہ جائز اور مباح چیزوں پر بھی ڈرتے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ ایک بار رات کو اپنے لشکر کے احوال جاننے کے لئے گردش کررہے تھے، ایک خیمے کے پاس سے گزرے، دیکھا کہ چند لوگ عبادت میں مصروف ہیں، کوئی قرآن پاک کی تلاوت کررہا تھا، اور کوئی نماز پڑھ رہا تھا۔

تو یہ دیکھ کر فرمانے لگے:

((مِنْ هُنَا يَأْتِي النَّصْرُ .)) ''یہاں سے اللہ کی مدد آئے گی۔''

پھر ایک دوسرے خیمے کے پاس سے گزر ہوا، دیکھا کہ وہ لوگ سو رہے ہیں، دیکھ کر فرمایا:

((مِنْ هُنَا تَأْتِي الْهَزِيْمَةُ)) (شرح اصول اعتقاد اهل السنة للالكائي ، محمد حسن عبدالغفار ، جزء : ٦٨ ، ص : ٦)

''ہزیمت اور شکست یہاں سے آئے گی۔''

وہ لوگ بہت دوراندیش تھے، اصحابِ فراست تھے، حکماء ودانا تھے حالات کا جائزہ لے کر نتائج کا اندازہ اور ٹھیک ٹھیک تشخیص کرلیتے تھے۔ اس واقعے میں حالانکہ رات کو سونے والے لوگ کوئی برائی کا ارتکاب نہیں کررہے تھے، مگر چونکہ اللہ کی مدد کے لئے صرف ظاہری اسباب پر انحصار نہیں کیا جاتا، بلکہ اصل انحصار اللہ تعالیٰ پر اس سے تعلق اور توکل کی بناء پر ہوتا ہے۔

تو آج کا مسلمان سٹیجوں پر ڈانس کرکے، ڈی جے بجا کر کیا اللہ کی مدد کو پکار رہا ہوتا ہے؟ بلکہ وہ اللہ کے غضب کو دعوت دے رہا ہوتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے لکھا کہ:

((إِنِّي آمُرُكَ وَمَنْ مَعَكَ أَنْ تَكُوْنُوْا أَشَدَّ إِحْتِرَاسًا مِنَ الْمَعَاصِيْ مِنْكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ ، فَإِنَّ ذُنُوْبَ الْجَيْشِ أَخْوَفُ عَلَيْهِمْ مِنْ عَدُوِّهِمْ .)) (العقد الفريد ،ج : ١ ، ص : ١١٧ ـ نهاية الأدب في

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فنون الأدب ، ج : ٦ ، ص : ١٦٨)

فرمایا: ''میں تمہیں اور تمہارے ساتھ جو لوگ ہیں سب کو نصیحت کرتا ہوں، کہ اپنے دشمن سے زیادہ اپنے گناہوں سے محتاط رہو، کہ لشکر کے گناہ اس کے دشمن سے زیادہ خوفناک ہوتے ہیں۔''

قرآن وحدیث میں تو اس پر واضح دلائل موجود ہیں جبکہ تاریخ میں بھی اس کے شواہد موجود ہیں۔ماضی قریب کا ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے: ۱۹۶۷ میں مصر اور اسرائیل کے درمیان جنگ میں مصر کو شکست ہوئی۔جب شکست کے اسباب کا جائزہ لیا گیا تو اس میں ایک سبب یہ بھی تھا، جو کہ شاید بنیادی سبب ہو کہ مصری فوجیوں کے ٹینکوں میں ناچنے گانے والیوں کی تصویریں ملیں، جبکہ اسرائیلی فوجیوں کے گلوں میں تورات لٹکی ہوئی پائی گئی۔

آج یہ ایسا فتنوں کا دور ہے کہ خیر اور شر اور صحیح اور غلط کے معیارات اور موازین بدل گئے ہیں، وہ لوگ جو بے حیائی اور فحاشی کے ذریعے، ناچ گانے کے ذریعے ملکی حالات سنوارنا چاہتے ہیں جو کہ اسلام کے بھی مجرم ہیں اور قوم کے بھی دشمن ہیں انہیں ہمدرد اور خیر خواہ سمجھ لیا جاتا ہے۔اور جو حالات سنوارنے کا صحیح اور سیدھا اور واحد راستہ ہے اس پر کوئی غور کرتا ہے اور نہ اہمیت دیتا ہے۔جیسا کہ اس سیدھے راستے کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

((لَنْ يَصْلُحَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهِ أَوَّلُهَا .))

''اس امت کے آخری دور کی اصلاح انہی خطوط پر چل کر ہوگی جن پر پہلے دور کے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی۔'' (اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية ، ج : ٢ ، ص : ٢٣٧)

اور وہ کیا ہے؟ وہ صرف اور صرف قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہونا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسجد اقصیٰ اسلام کا ایک مرکز

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①﴾

(الاسراء : ۱)

یہ دنیا مسائل کا گھر ہے، یقیناً کسی کو اس سے اختلاف نہ ہوگا، ہر انسان کو زندگی میں بے شمار مسائل سے گزرنا پڑتا ہے، وہ مسائل ذاتی اور انفرادی بھی ہوسکتے ہیں اور اجتماعی بھی ہوسکتے ہیں، علاقائی بھی ہوسکتے ہیں اور عالمی بھی ہوسکتے ہیں، دینی بھی ہوسکتے ہیں اور دنیوی بھی ہوسکتے ہیں، غرضیکہ تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ہوسکتے ہیں۔

اس میں باعث تشویش بات یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن سے اجتناب ممکن نہیں ہے، آدمی بلا واسطہ ملوث نہ بھی ہو، تب بھی کسی نہ کسی صورت میں اس کی آلودگی سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔

اس کی بہت ساری واقعاتی اور تاریخی مثالیں بھی ذکر کی جاسکتی ہیں، مگر چونکہ یہ ہمارا آج کا موضوع نہیں ہے، اس لئے صرف قرآن وحدیث کی دو ایک مثالوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ㉕﴾ (الانفال: ۲۵)

”اور بچو اُس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو، اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور آپ جانتے ہیں، بیسیوں مثالیں آپ کے سامنے ہوں گی کہ فتنہ کوئی ایک شخص یا ایک گروہ پیدا کرتا ہے، مگر بہت سے لوگ یونہی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، بلکہ پورا معاشرہ اس سے متاثر ہوتا ہے اور ایسے ہی حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَيُخْسَفَنَّ بِقَوْمٍ يَغْزُوْنَ هَذَا الْبَيْتَ بِبَيْدَاءَ مِنَ الْاَرْضِ .))

''ایک لشکر اور قوم کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا جو بیت اللہ پر حملہ کرنے کے لئے آئے گا۔''

فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: ((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَاِنْ كَانَ فِيْهِمُ الْكَارِهُ؟

قَالَ: يُبْعَثُ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ عَلٰى نِيَّتِهِ .)) (مسند احمد: ٢٦٧٤٧)

تو ایک شخص نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ اور اگر اُن میں کوئی شخص ناپسند کرنے والا بھی ہو؟ فرمایا: ہر شخص کو اس کی نیت پر اُٹھایا جائے گا۔''

اور اسی طرح کی ایک اور مشہور حدیث ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا ظَهَرَتِ الْمَعَاصِيْ فِيْ اُمَّتِيْ عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ .))

''جب میری امت میں گناہ اور نافرمانیاں عام ہوجائیں گی، تو اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل فرمائے گا۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا:

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَمَا فِيْهِمْ يَوْمَئِذٍ أُنَاسٌ صَالِحُوْنَ .))

''کیا اُس وقت ان میں نیک لوگ نہ ہوں گے؟''

قَالَ: ((بَلٰى .))

فرمایا: ''ہاں کیوں نہیں۔''

قُلْتُ: ((كَيْفَ يُصْنَعُ بِأُولَائِكَ؟))

تو میں نے عرض کیا: ''پھر ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قَالَ: ((يُصِيبُهُمْ مَا اَصَابَ النَّاسَ .))

فرمایا: ''جو دوسروں پر بیتے گی وہی ان پر بھی بیتے گی۔''

((ثُمَّ يَصِيرُوْنَ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ .))

(مسند احمد: ٢٦٥٩٦)

''پھر وہ اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف جائیں گے۔''

تو اس طرح کے اجتماعی مسائل اور فتنے قوموں کی زندگی میں آتے رہتے ہیں اور آتے رہیں گے، ان سے بچنے کی صورت تو یہی ہے کہ آدمی ان سے دور رہے، مگر دنیا میں رہتے ہوئے ان کے نتائج سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے، خصوصی طور پر اس دور میں، کیونکہ اگر کوئی شخص آبادی سے دور کہیں جنگل میں بھی جا کر بسیرا کرلے تو اگر کوئی دشمن ملک اس ملک پر ہائیڈروجن بم پھینکتا ہے تو اس کے اثرات سے قریبی جنگلات بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔

تو خیر اُن اجتماعی مسائل میں سے کہ جو دینی لحاظ سے کسی مسلمان کو متاثر کرتے ہیں اور جن سے کوئی مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس سے مسلمان کی غیرت وحمیت کو ٹھیس پہنچتی ہے وہ اس دور کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اور وہ ہے بیت المقدس کا مسئلہ ہے۔

بیت المقدس کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اس میں صرف ایک نیا موڑ آیا ہے، اس میں ایک شدت پیدا ہوئی ہے۔

مسجد اقصیٰ، بیت المقدس، فلسطین وغیرہ ناموں سے یوں تو ہم سب خوب مانوس ہیں، بچپن سے سنتے چلے آرہے ہیں اور ان سے ایک جذباتی سا تعلق بھی رکھتے ہیں۔ مگر ہم میں سے اکثر لوگ مسجد اقصی کے بارے میں شاید اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ مسجد اقصی ہمارا قبلۂ اول رہی ہے۔ قبلۂ اول کے حوالے سے تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ پھر کسی وقت کریں گے اور اس میں علماء کرام کے اقوال وآراء کا ذکر کریں گے۔

البتہ آج کی گفتگو میں ہم مسجد اقصی کے بارے میں چند مزید باتیں جاننے کی کوشش کریں گے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے مسجد اقصی کی کیا حیثیت اور اہمیت ہے اور مسلمانوں کا اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے کیا تعلق ہے۔ مسجد اقصی جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا قبلۂ اول رہی ہے ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ مہینے اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی رہی ہے۔

آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ مرکزیت بیت اللہ کو حاصل ہو، چنانچہ آپ ﷺ اس خواہش کے اظہار کے طور پر بار بار اپنا چہرہ مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے، جسے بالآخر شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان الفاظ سے مطلع فرمایا:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۖ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۗ﴾

(البقرہ: ١٤٤)

”بلا شبہ آپ ﷺ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں لو ہم اُسی قبلے کی طرف آپ کو پھیر دیتے ہیں، جسے آپ ﷺ پسند کرتے ہیں پس اب مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو اور جہاں کہیں بھی تم ہو اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرو۔“

تحویل قبلہ کی تفصیلات میں جائے بغیر مسجد اقصی کی اہمیت اور فضیلت کو دیگر آیات و احادیث کی روشنی میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

مسجد اقصی کی اہمیت وفضیلت کی توثیق اسراء ومعراج کے واقعے سے بھی ہوتی ہے جو کہ ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا جسے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①﴾

(الاسراء: ١)

”پاک ہے وہ جو لے گیا رات کے مختصر حصے میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ماحول کو اُس نے برکت دی ہے، تاکہ اسے اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرائے، حقیقت میں اللہ ہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسراء اور معراج کی تفصیلات میں نہیں جاتے بلکہ احادیث کی روشنی میں مسجد اقصی کی فضیلت جانتے ہیں، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِيْ هٰذَا، وَمَسْجِدِالْاَقْصٰی .)) (صحيح مسلم : ١٣٩٧)

''تین مسجدوں کے علاوہ تبرک، ثواب، فضیلت اور عبادت کی نیت سے سفر نہیں کیا جاسکتا اور وہ تین مسجدیں ہیں: المسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی۔''

اور ایک حدیث میں ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپس میں باتیں کررہے تھے کہ کون سی مسجد افضل ہے: مسجد نبوی یا مسجد اقصی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَرْبَعِ صَلَوَاتٍ فِيْهِ .))

(السلسلة الصحيحة : ٦/ ٩٥٤)

''میری مسجد میں نماز اس سے یعنی مسجد اقصی سے چار گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔''

اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت اور اجر وثواب ایک ہزار ہے تو یوں مسجد اقصی میں نماز پڑھنے سے اڑھائی سو نماز کا ثواب ملتا ہے۔

تو یہ چند وجوہات ہیں جن کی بنیاد پر مسلمانوں کا بیت المقدس سے ایمانی اور دینی رشتہ ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن میں چند مزید کا ذکر کریں گے ان شاء اللہ۔

جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں حدیث ہے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ .))

''جب اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا۔''

((فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُوْدَتَيْنِ، وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰی اَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ .))

''تو دمشق کے مشرقی حصہ میں مسجد کے سفید مینار کے پاس زرد کپڑوں میں ملبوس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے اتریں گے۔''

((إِذَا طَأْطَأَ رَأْسَهُ قَطَرَ، وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ .))

''جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنا سر جھکائیں گے تو ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپکیں گے اور جب اپنا سر اٹھائیں گے تو چاندی کے موتیوں کی طرح سفید قطرے ان کے بالوں سے ڈھلکتے نظر آئیں گے۔''

((فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ رِيحَ نَفَسِهِ إِلَّا مَاتَ .))

''ان کے سانس کی ہوا جس جس کافر تک پہنچے گی وہ مرجائے گا۔''

((وَنَفَسُهُ يَنْتَهِي حَيْثُ يَنْتَهِي طَرْفُهُ .))

''اوران کی سانس کا اثر وہاں تک پہنچے گا جہاں تک ان کی نگاہ پہنچے گی۔''

((فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلَهُ .)) (صحيح مسلم: ۲۹۳۷)

''اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے اور لُدّ کے مقام پر اسے قتل کردیں گے۔''

اور ایک حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .))

فرمایا: ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے لئے لڑتا رہے گا، وہ گروہ قیامت تک حق پر غالب رہے گا۔''

((فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ، فَيَقُوْلُ أَمِيرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا .))

''جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے تو مسلمانوں کا امیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گزارش کرے گا کہ تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں۔''

((فَيَقُوْلُ: لَا إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَرَاءُ . تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْأُمَّةَ)) (صحیح مسلم : ١٥٦)

''تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: نہیں! تم خود ہی آپس میں ایک دوسرے کے امام ہو، یہ اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اعزاز ہے۔''

تو ان احادیث سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ مسلمانوں کا مسجد اقصی، فلسطین اور اس پورے علاقے کے ساتھ ایک خاص تعلق اور واسطہ ہے۔

تاہم ارض فلسطین کے ساتھ دیگر کئی پہلوؤں سے مسلمانوں کا ایک خاص تعلق اور استحقاق ہے وہ بھی ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

یادداشت

....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....